يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

حجت روز محشر و دستاویز نامہ مومن نیز خاتم میثوم برہان قرآن دین

دفینہ علوم و عرفان خزینہ دلائل قرآن مسمی بہ

برہان التنزیل

جسمیں دو سو عقلی دلیلوں سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت کیا گیا ہے

مصنفہ

جناب مولانا مولوی محمد مسلم صاحب عثمانی

نذرِ جہد مقل

اللہ (سبحانہ) کی سرکار میں کھوٹی پونجی کو
امت سے پیش کر کے اپنی بے بضاعتی کا اقرار کر
وے عفو کریمانہ اور الطاف شاہانہ کا امیدوار

فقیر بے مقدار مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

دنیا میں ہزاروں ہی مذہب ہیں اور ہر مذہب کے رسومات اور عمل کے راستے ایک دوسرے سے جدا اور بالکل الگ ہیں لیکن باوجود اس مذہبی اختلاف اور تصادم خیالات کے سب ایک ہی نقطہ پر متفق اور ایک ہی خیال پر مجتمع ہیں۔

جس کو دیکھئے۔ خدا طلبی کا صحیح جذبہ اور نجات اخروی کا دھیان اس کی دل کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ ہر شخص اگلی زندگی کے سنوارنے اور دنیا کی مصیبتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بے چین اور مضطرب نظر آرہا ہے۔

دنیا میں نہ ہر مذہب سچا ہے اور نہ ہر مذہب جھوٹا بلکہ بعض سچے ہیں اور بعض جھوٹے

اگرچہ آراء کا باہمی اختلاف اور خیالات کا آپس میں ایکدوسرے کے مخالف اور متضاد ہونا ہر رائے کے صحیح اور ہر خیال کے سچے ہونے سے اباء اور انکار کر رہا ہے لیکن کلیتہ تمام مذاہب کو باطل اور ہر رائے کو غیر صحیح بھی نہیں کہا جا سکتا۔

چونکہ غلطی کھانا انسانی عقل کا لازمہ ہے اس لئے اتنا ہم ضرور جانتے ہیں۔ کہ جس مذہب کی بنیادیں انسانی عقل پر قائم ہوئیں یا ان کی تشکیل و ترتیب میں انسانی ہاتھوں کا دخل ہوا۔ ان میں غلطی اور باطل پرستی کا جزو غالب ہے خصوصاً خدا کی معرفت اور اس کی صفتوں کے پہچاننے

ہیں جو ان دیکھی چیز ہے۔ انسانی عقل نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔

اسلئے کسی مذہب کی صداقت محض اس بات کا دعوے کرنے سے کہ یہ مذہب سچا ہے قبول نہیں کیجا سکتی۔ جب تک اس کے ثبوت اور دلیل کے وزن کو عقل کی ترازو میں نہ تول لیا جائے۔

چونکہ انسانی عقل کے درجات مختلف ہیں اس سے کسی صحیح فیصلہ کی توقع اور امید رکھنا عبث اور بے کار ہے۔ اس لئے ہم کو خدائی نشانات اور آسمانی ہدایات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس وقت قدرت الٰہی ایک ایسا شخص پیدا کرتی ہے۔ جو راست گفتار اور نیک عمل ہونے کے باوجود انسانی برادری کا سچا خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے اور وہ خدائی نشانات پیش کرکے لوگوں کو حق کی دعوت دیتا اور ان کو سچائی کا راستہ دکھاتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے دعوے کے ثبوت میں دین حق کو ظاہر کرنے کے لئے ہمیشہ خدا کی طرف سے ایسی نشانیاں لیکر آتے رہے ہیں جن سے ان کی تعلیم کا خدائی تعلیم اور انکے مذہب کا آسمانی مذہب ہونا ثابت ہوتا رہا۔

انسان کی زندگی میں سچے مذہب کا تلاش کرنا بڑا اہم اور ضروری کام ہے۔

اس سے کسکو انکار ہو سکتا ہے کہ دنیا میں مذہب کے ساتھ انسانی زندگی کا جزرو مد قائم ہے۔ اسی کے اصول پر قوموں کی پستی اور عروج کا دارومدار ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔ جو انسان کی اخلاقی خوبیوں کا ذمہ دار ہے۔ اس کی غلطی سے دنیا کی تباہی اور قوموں کی بربادی انسانی

افراد کی ہلاکت ظہور میں آتی ہے۔ اسلئے دنیا میں سب سے زیادہ اہم اور قابل توجہ امر سچے مذہب کی دریافت اور خدائی تعلیم کا معلوم کرنا ہے کیونکہ جس چیز کے ساتھ زندگی کے سود و بہبود اور نفع نقصان کا تعلق ہو اس کا جاننا ہر ذی ہوش اور عقلمند انسان کا کام ہے ✣

میں نہیں جانتا کہ جس دل میں حق کی تلاش ہو جسکو اپنی زندگانی سنوارنے کا فکر لگا ہو جس کی دلی تمنا یہ ہو کہ وہ خدا کی رضامندیوں کو دریافت کر کے اس کی محبت میں اسطرح فنا ہو جائے۔ جیسے قطرہ دریا میں مل کر اپنی ہستی کو کھو دے۔ وہ شخص کس طرح حق اور سچائی کے دریافت کرنے سے دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھا رہے ✣

سچے مذہب کی پہچان انسانی ہمدردی کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ حق کے طالب اور سچائی کے خواہشمند کو شمع الٰہی روشن کر کے دکھا دی جائے تاکہ وہ توہمات کی تاریکیوں اور باطل پرستیوں کی اندھیریوں سے نکل کر خدائی دستہ پر تیزی کے ساتھ دوڑنے لگے۔ اور رحمت الٰہی کے آغوش میں جگہ حاصل کرلے۔ وہ شمع الٰہی جسکو حق تعالےٰ نے عالم کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اور جس چیز کے ساتھ دونوں جہان کی بھلائیاں وابستہ ہیں۔ وہ قرآن عزیز ہے۔ اگرچہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ لیکن اس میں چند خصوصیتیں قدرت نے ایسی رکھدی ہیں جن سے اس کا کلام الٰہی ہونا صاف طور پر دکھائی دینے لگتا ہے۔ بانئے اسلام محمد صلعم کو اپنے دعویٰ کی سچائی اور اس کی صداقت بیان کرنیکیواسطے نقوص دانشمندیاں عنایت ہوئیں اور آپ

حالات سے خبر رکھنے والا انسان خوب جانتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ادا معجزہ اور ہر بات ایک نشانی تھی۔ لیکن قرآن مجید کو ان تمام نشانیوں میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور وہ خدائی نشانات میں ایک بڑا نشان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق کے ثبوت میں دیا گیا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا۔ لوگو۔ تمہارے پاس خدا کی طرف سے سچائی کا نشان آگیا ہے اور ہم نے تمہارے لئے ایک چمکتا ہوا اور روشن نور اتارا ہے۔

جب مکہ کے کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رسالت اور نبوت کے ثبوت میں دلیل مانگی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلیٰ علیھم۔ کیا ان کے لئے یہ کتاب جو ہم نے آپ پر اتاری ہے۔ اور ان پر پڑھی جاتی ہے نشانی بننے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جو ان کو کسی اور نشانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اس دعوے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہوا۔ کہ ہم قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا عقلی دلیلوں سے ثابت کریں۔ تاکہ اسلام کی سچائی اور محمد صلعم کی حق گوئی روز روشن کی طرح دنیا پر ظاہر ہو جائے۔ اور اس کی سچائی صرف دعوٰی ہی کی صورت میں نہ رہ جائے۔

مگر یاد رہے کہ قرآن عزیز کی صداقت اور اس کی سچائی کا معلوم کرنا۔ نہ صرف غیر مسلم جماعتوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ بلکہ جن مسلمانوں کو تقلیدی طور پر قرآن شریف کی عظمت اور بزرگی اور اس کے کلام الٰہی ہونیکا اعتراف

اور پختہ یقین ہے انکو بھی قرآن کی صداقت میں غور و فکر کرنا ایمان کو قوی اور اعتقاد کو مضبوط بناتا ہے کسی شے کا علم اگر استدلال اور براہین کے ذریعے حاصل ہو۔ تو وہ اس علم سے جو سنا سنائی اور خوش اعتقادی کے طور پر ہو کئی حصہ زیادہ مستحکم اور مضبوط ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک چیز مشاہدہ میں آجائے اور اس کا علم آنکھوں سے دیکھکر اور کانوں سے سُنکر حاصل ہو تو ایسا علم پہلے اور دوسرے درجہ کے علم سے بہت زیادہ پختہ اور یقینی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ علم کی روشنی میں اسلامی صداقت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انکا ایمان غیر متزلزل اور شک کیوجہ سے پھسلنے والا نہیں ہوتا۔ صحابہ کا ایمان اسی وجہ سے قوی تھا۔ کہ انہوں نے اسلام کی سچائی اور نبی اکرم صلعم کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دلائل اور براہین کی کسوٹی پر پرکھا تھا۔

آج اگرچہ مشاہدہ کرنے اور آنکھوں سے دیکھنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ لیکن دلائل کی تابانی اسی طرح کرہ دنیا اور بسیط ارض کو منور کر رہی ہے اس لئے دلائل سے یہ کہکر آنکھیں بند کر لینا۔ کہ ہمیں قرآن مجید کی سچائی پر کامل یقین ہے کسی طرح زیبا نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ شبہات اور شکوک کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں پھنسکر سچائی کا راستہ معلوم کرنا ابنائے زمانہ کے لئے دشوار ہو رہا ہے اسوقت ایسی دلیلوں پر نظر رکھنا گمراہی سے بچنے کے لئے اور گم کردہ راہ ہدایت کو صراط مستقیم پر لانے کے واسطے سخت ضروری ہے۔ اسی لئے رب العزت نے مسلمانوں کو

قرآن میں غور و فکر کرنیکی ہدایت فرمائی ہے۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ - یہ مبارک کتاب ہم نے اس لیے نازل کی ہے کہ سمجھدار لوگ اس میں غور و فکر کریں اور اس سے نصیحت پکڑیں۔ غرض جس قدر دلائل کی فراوانی اور براہین کی کثرت پیش نظر ہوگی اسی قدر ایمان میں تازگی اور یقین میں قوت اور پختگی حاصل ہوگی اور یہ وہ چیز ہے جس کی تلاش اور جستجو میں حق کے طالب اور سچائی کے متلاشی سرگردان اور پریشان حال رہا کرتے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کتاب کا مطالعہ بڑی رغبت اور شوق کیساتھ کریں لیکن اصل کتاب کے ملاحظہ فرمانے سے پہلے چند ضروری باتیں جو بطور تمہید دیباچہ میں لکھی گئی ہیں ضرور دیکھ لیں۔ انشاء اللہ ان ہدایات کے مطالعہ سے پوری بصیرت حاصل ہوگی۔ اور اصل کتاب کے سمجھنے میں کافی امداد ملیگی۔ آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو نیکی کی توفیق بخشے اور اپنی جوار ...... رحمت میں جگہ دے اور دین کی خدمت کرنے کا صحیح جذبہ اور سچا شوق عنایت فرمائے۔ مصرعہ

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

آپ کی دعاؤں کا محتاج

محمد مسلم عثمانی۔ دیوبند ضلع سہارنپور۔ محلہ قاضی

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لہ الحمد وان الف الا لدیک — ضمن ما اقول لا ازکیک
شھدت شھادۃ لا شک فیھا — بان اللہ لیس لہ شریک
وان محمداً صلی علیہ — بدین الحق ارسلہ الملیک
واتاہ لنا نوراً مبیناً — بہ سبل السلام مشی السلیک
لہ آل واصحاب کرام — ھداۃ الدین اکرمھم ملیک

کائنات عالم یا خدائی کارخانہ میں زمین سے لیکر آسمان تک جتنی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی یا اس کی مصنوعات ہیں وہ سب کی سب بے مثل.... اور یگانہ ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اپنی مثال یا نظیر نہیں رکھتی۔

انسانی دماغ کی گھڑی ہوئی چیزوں اور ایک ماہر صناع کی کاریگریوں کی جیسے نقل اتاری جاسکتی ہے لیکن دست قدرت کی عجوبہ کاریوں کا حال اس سے بالکل ہی جدا ہے۔

اس کی معمولی مصنوعات اور ادنیٰ درجہ کی بنائی ہوئی چیزوں کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تمام عقل مند طاقتیں ضعیف اور ناتوان اور بڑے سے بڑا کاریگر اس کی نقل اتار دینے سے عاجز اور درماندہ ہے۔

ایک گھاس کا تنکا جو زمین کے گہوارہ سے سر اٹھا کر کائنات عالم کی سیر

کر رہا ہے۔ ایک بال جو بدن کے فضلات رویہ سے تیار ہو کر گھاس کی طرح
جسم کی سطح پر اگا ہوا ہے۔ اگر دنیا کی زبردست طاقتیں اور اپنی عقل و حکمت پر
ناز کرنیوالی مجتمع قوتیں یک خیال ہو کر گھاس کے ایک تنکے یا بدن کے ایک
بال کی نقل اتارنے کی سعی لاحاصل اور بے سود کوشش میں لگ جائیں
تو حیرانی اور بدنصیبی کے سوا کوئی چیز ان کا ساتھ دیتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔

کیونکہ جس طاقت اور قوت کی وجہ سے یہ چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ ایک
غیر محدود شے اور زبردست طاقت رکھنے والی خدائی صفتیں ہیں جن کی انتہائی
رفعت اور بلندی تک انسانی عقل کی رسائی ناممکن ہے اور نہ کوئی اس کا صحیح اندازہ
لگا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایسی صفتوں کے مظاہر اور آثار بھی انہی کی
طرح بے مثل اور یگانہ ہوتے۔

قرآن شریف بھی خدا کی دوسری مصنوعات کیطرح بے مثل ہے۔

قرآن کریم نے بھی اپنی صداقت اور سچائی
کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی ہے۔ جیسا کہ اس
نے فاتوا بحدیث مثلہ ان کنتم صادقین۔ سے دنیا کو پکار کر کہہ دیا۔ کہ اگر تمہاری
نظر میں قرآن مجید انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہے تو انسانی مصنوعات کی طرح
اس کی بھی نقل اتاری جاسکتی ہے۔ تم بھی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی آیت
کی مثال پیش کر کے اس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور اگر تم اس کی مثال
لانے سے خدا کی دوسری مصنوعات کیطرح عاجز رہے تو قرآن شریف کے کلام
الٰہی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہوگی پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ
معاندین اور انکار کرنے والوں سے تحدی اور مقابلہ طلب کرنے کے بعد انکے مردہ

احساسات اور جذبات مقابلہ کو برانگیختہ کرنے اور ابھارنے کے واسطے یہ فرمایا گیا لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ اگر تمام جن و انسان مجتمع قوت اور باہمی امداد کے ساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن مجید کی مثال لانا چاہیں تو کبھی نہیں لا سکتے۔

یہ ایسے غیرت اور شرم دلانے والے الفاظ ہیں کہ ایک بے حس اور بے غیرت انسان کی رگ حمیت میں بھی جوش آجاتا ہے اور غیرت کا دریا طوفان بنکر اس کے سینے میں ٹھاٹھیں مارتا۔ اور اسکو مقابلہ کے میدان میں قوائے علمیہ کے استعمال پر مجبور کر دیتا ہے۔

لیکن جب ہم انکار کرنے والوں اور مخالفین اسلام کو باوجود ان کے فصیح و بلیغ ہونے اور زبان دانی کا دعوےٰ کرنے کے ایک بے بس اور کمزور انسان کیطرح منہ چھپایا ہوا دیکھتے ہیں اور کسی کو قرآن شریف کی ایک آیات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہیں پاتے۔ تو ہم کو ان کی پہلو تہی سے یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز بے شک الہامی کتاب ہے اور کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے اور جس طرح خدا کی دوسری مصنوعات اور اس کی طرف منسوب ہونے والی چیزیں بے مثل اور یگانہ ہیں اور ان کی نقل نہیں اتاری جا سکتی۔ اسی طرح قرآن کریم کی مثال پیدا کرنی بھی کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے انسانی طاقت سے باہر اور قوائے علمیہ کے احاطہ سے وراء الوراء ہے۔

یاد رہے کہ قرآن مجید کی بے مثلیت کا دعوےٰ محض اعجازی حیثیت سے

نہیں ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ دنیا کل اور مجموع قرآن مجید کی مثال پیدا کرنے سے عاجز اور درماندہ ہے بلکہ یہ دعوے قرآن شریف کے ہر جزو پر حاوی اور ہر سورت پر محیط ہے اور ایک مختصر سی آیت کے مقابلہ کرنے کے لئے بھی میدان میں مبارز کی ایک مسلسل اور پیہم آواز دیجا رہی ہے۔ مصنوعات الٰہیہ اور خدا کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کا ہر جزو کل کیطرح یگانہ اور بے مثل ہوا کرتا ہے۔

ہر الہامی کتاب کا بے مثل ہونا ضروری ہے

چونکہ خدا تعالےٰ کی صفت تکوینیہ یا قوت خلق اور ایجاد غیر محدود طاقت رکھنے کی وجہ سے بے مثل ہے اور خدا کی ذاتی صفتوں علم اور قدرت وغیرہ میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور جملہ آسمانی کتابیں انہی صفات کا اثر یا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے تمام خدائی مصنوعات اور الہامی کتابیں بے مثل اور یگانہ ہونے میں ایک جیسی ہیں ✱

بظاہر قرآن مجید کی بے مثلیت فصاحت اور بلاغت میں اعلیٰ مرتبہ اور بلند پایہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ جو نظم قرآن اور اس کے لفظوں کی صفت ہے ✱

لیکن درحقیقت[1] وہ بھی خدا کی دوسری مصنوعات کی طرح حق تعالےٰ کی قوت ایجادیہ کا پرتو اور اس کی صفات تکوینیہ کا اثر یا نتیجہ ہے جس نے اپنی قدرت

---

[1] چونکہ الفاظ حروف سے مرکب ہیں۔ اور حروف اعراض حادثہ ہیں۔ اس لئے الفاظ بھی لامحالہ حادث ہی ہیں۔
دوسرے حرف کا پہلے حرف کے تلفظ کئے بغیر زبان پر لانا ناممکن ہے۔ جیساکہ حرف ثانی کے تلفظ کے وقت پہلے حرف کا تلفظ ہونا اور زبان پر اس کا باقی رہنا محال ہے۔ جب تلفظ کے اجزا کو عدم نے دونوں طرف سے گھیر لیا یعنی دوسرے حرف کا وجود پہلے حرف کے پیچھے اور پہلا حرف دوسرے حرف کے تلفظ کے وقت باقی نہیں رہتا تو لفظ جو

کاملہ اور لازوال طاقت کیوجہ سے اس کے طرز بیان میں نفاست اور دلکشی پیدا کرنے لفظوں کی نشستوں کو برمحل تجویز کرتے ہوئے ان کی بندشوں کو چست اور عمدہ بنانے میں غیر معمولی علمیت کا ایسا زبردست ثبوت پیش کیا ہے جس کے آگے دنیا کی تمام علمی قوتیں بیکار اور ہیچ ہیں توریت وانجیل اور اس طرح کی دوسری آسمانی کتابیں بے مثل ضرور ہوتی ہیں۔ مگر انکی بے مثلیت اس کلام کے فصیح اور بلیغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ غیب کی خبریں دینے ہدایت اور ارشاد کی وجہ سے ہوتی ہے۔

چونکہ قرآن شریف نبی علیہ السلام کی تصدیق کرنے اور انکی نبوت ثابت کرنیوالی کتاب ہے اس لئے اسمیں بے مثلیت اور معجز ہونے کی شان کو زیادہ واضح کرکے دکھایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے الفاظ اور نظم کی تالیف و ترتیب بھی بے مثل ہے عرب کے فصحاء اور بلاغت کا علم رکھنے والے زبان دانوں اور جادو بیان شاعروں کو قرآن مجید کے الفاظ مرتبہ اور انکی فصیح اور بلیغ آیتوں کے مقابلہ کے واسطے دعوت دی گئی۔ الفاظ کے معنی اور غیب کی خبروں کا مقابلہ کرنے کے لئے انکو نہیں بلایا۔ اس لئے قرآن عزیز باطنی اور معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری الفاظ اور عبارت سے بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ اگرچہ وہ خوبیاں جو اس کتاب میں الفاظ اور عبارت کی وجہ سے پائی جاتی ہیں بہت ہیں لیکن ان میں سے وہ لطیف عبارات اور پاکیزہ نکتے جو عوام سے تعلق

جو حروف ہی سے مرکب ہے کس طرح قدیم ہو سکتا ہے [illegible] تو خدا کی صفت بھی نہیں کیونکہ ذات احدیت حوادثات کے ساتھ متصف نہیں [illegible] جو کلام نفسی کا مدلول ہے قدیم ہے۔ اور وہ ہی خدا کے ساتھ قائم [illegible] کی صفت ہے اس کلام نفسی کا نام کلام اللہ ہے اور یہی غیر مخلوق ہے [illegible] کلام لفظی جو حروف اور الفاظ سے [illegible] اور کلام اللہ پر دلالت کرتا ہے [illegible] سے [illegible] قرآن مجید [illegible] لفظی [illegible]

رکھتے ہیں۔ پانچ ہیں۔

(۱) اس کی عبارت کی روانی اور الفاظ کی بندشیں فصاحت اور بلاغت کے ایسی اعلےٰ مرتبہ پر پہونچی ہوئی ہیں جن کی نظیر کسی دوسرے کلام میں نہیں ملتی

(۲) یہ اسی کلام کی تالیف اور ترتیب کی خوبی ہے۔ کہ اس میں ادنےٰ تبدیلی پیدا کرنے اور الفاظ کو آگے پیچھے ہٹانے یا ایک لفظ کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ اسی کے ہم معنی رکھنے سے کلام بے رونق اور بدزیب معلوم ہوتا ہے جس طرح مصنوعات الہیہ اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں میں جو شے جس جگہ رکھدی گئی ہے۔ وہی اس کی جگہ ہونا اس چیز کی خوبصورتی اور حسن کو قائم رکھتا ہے۔ اس کے تغیر اور تبدیلی ہو جانے سے بناوٹ کی خوبی اور شکل کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔ یہی حال قرآن مجید کی عبارت اور اس کے الفاظ کی نشستوں کا ہے کہ اس میں ادنےٰ درجہ کا تغیر کرنے سے کلام کی خوبی نہیں رہتی۔ اور وہ تبدیلی بدنما داغ کی طرح صاف نظر آتی ہے۔

مثلاً اس آیت قرآنی ان رحمۃ اللّٰہ قریبٌ من المحسنین۔ میں اگر اکثری قاعدہ کی رعایت کرتے ہوئے ان رحمۃ اللّٰہ قریبۃ من المحسنین۔ پڑھا جائے تو عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والا بھی اس کلام کی پھساہٹ اور ردی ہونے کو تسلیم کریگا۔ اور اس کا دل اس امر کی شہادت دے گا۔ کہ جو حلاوت اور

بتلاہے ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا اور ہر ایک کے احکام الگ الگ ہیں۔ کلام نفسی قدیم اور غیر مخلوق ہے اور وہ ہی خدا کی صفت ہے۔ کلام لفظی حادث ہے اور خدا کی صفت نہیں اور مقابلہ الفاظ کی تالیف اور ترکیب کے ساتھ کیا گیا۔ فصاحت اور بلاغت لفظوں ہی کی صفت ہے معنی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ دیگر احکام فقہیہ کا تعلق بھی اسی کلام لفظی اور نظم قرآنی کے ساتھ ہے۔
بعض حدیث میں القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق ومن قال انہ مخلوق فہو کافر باللّٰہ العظیم آیا ہے۔

تیسری اس جگہ لفظ قریب کو حاصل ہے وہ قریبہ کو ہرگز میسّر نہیں ہے۔

(۳) اہل عالم کے ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے۔ اس کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رب العزت مخلوقات کی ان ضرورتوں کا کفیل اور ذمہ دار بن جاتا ہے جس کے پورا کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔

حیوانات کو انسان کی طرح معاش حاصل کرنے کی عقل نہیں دی۔ مگر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیواسطے تمام ذریعہ اور سامان انکی طبیعت میں پیدائشی طور پر ودیعت رکھدے ہے۔

بچہ کو شیرخوارگی اور ناسمجھی کے زمانہ میں والدین کی زبان سیکھنے کی طاقت بخشی بغیر کسی تکلیف کے روزی دی لیکن جب آپس میں سمجھ بوجھ ہوگئی۔ اور ہاتھ اور پاؤں اپنا کام کرنے لگے۔ تو اس کو جد وجہد کی مصیبتوں میں مبتلا کردیا اور ہر شے کے حاصل کرنے میں کوششوں کا محتاج بنادیا۔

یہ محض اسلئے تھا کہ اب اسکی قوتیں کام کرنے لگی تھیں عقل نے اسکو حصول کے رستے بتادیے تھے۔ اس لئے خدا کی کفالت اور ذمہ داری اس سے کنارہ کش ہوگئی۔ بعینہٖ یہی انداز قرآن مجید کے بیان میں نظر آتا ہے۔ جس چیز کے دریافت کرنے میں انسان قاصر ہے۔ اسکو قرآن شریف میں بیان کیا جاتا ہے اور جس کو انسان اشارے کنایہ سے یا اقتضا اور دلالت کے طور پر سمجھ سکتا ہے۔ اس کا مطلقاً

اس سے کلام نفسی مراد ہے۔ کلام لفظی مراد نہیں ہے علاوہ ازیں ملا علی القاری نے تخریج الاحادیث میں اس حدیث کی اصلیت سے انکار کیا ہے۔ حنابلہ اور بعض محققین نے کلام لفظی کو بھی قدیم کہا ہے لیکن اکثریت اہل علم کی اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ امام قاضی ابو بکر الباقلانی نے اعجاز القرآن کے باب فیما یتعلق بہ الاعجاز میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ تحدی اور مقابلہ اسی کلام لفظی کے ساتھ ہے کلام نفسی قدیم کے ساتھ نہیں ہے اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔

تیسری اس جگہ لفظ قریب کو حاصل ہے وہ قریبہ کو ہرگز میسّر نہیں ہے۔

(۳) اہل عالم کے ساتھ جو خدا کا معاملہ ہے۔ اس کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رب العزت مخلوقات کی ان ضرورتوں کا کفیل اور ذمہ دار بن جاتا ہے جس کے پورا کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔

حیوانات کو انسان کی طرح معاش حاصل کرنے کی عقل نہیں دی۔ مگر ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیواسطے تمام ذریعہ اور سامان انکی طبیعت میں پیدائشی طور پر ودیعت رکھدئیے۔

بچہ کو شیرخوارگی اور نا سمجھی کے زمانہ میں والدین کی زبان سیکھنے کی طاقت بخشی بغیر کسی تکلیف کے روزی دی لیکن جب آپس میں سمجھ بوجھ ہوگئی۔ اور ہاتھ اور پاؤں اپنا کام کرنے لگے۔ تو اس کو جدوجہد کی مصیبتوں میں مبتلا کردیا اور ہر شے کے حاصل کرنے میں کوششوں کا محتاج بنادیا۔

یہ محض اسلئے تھا کہ اب اسکی قوتیں کام کرنے لگی تھیں عقل جو اسکو حصول کے راستے بتادیتے تھے۔ اس لئے خدا کی کفالت اور ذمہ داری اس سے کنارہ کش ہوگئی۔ بعینہٖ یہی انداز قرآن مجید کے بیان میں نظر آتا ہے۔ جس چیز کے دریافت کرنے میں انسان قاصر ہے۔ اسکو قرآن شریف میں بیان کیا جاتا ہے اور جس کو انسان اشارے کنایہ سے یا اقتضا اور دلالت کے طور پر سمجھ سکتا ہے۔ اس کا مطلقاً

اس سے کلام نفسی مراد ہے۔ کلام لفظی مراد نہیں ہے علاوہ ازیں ملا علی القاری نے تخریج الاحادیث میں اس حدیث کی اصلیت سے انکار کیا ہے۔ حنابلہ اور بعض محققین نے کلام لفظی کو بھی قدیم کہا ہے لیکن اکثریت اہل علم کی اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قاضی ابوبکر الباقلانی نے اعجاز القرآن کے باب فیما یتعلق بہ الاعجاز میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ تحدی اور مقابلہ اسی کلام لفظی کے ساتھ ہے کلام نفسی قدیم کے ساتھ نہیں ہے اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔

ذکر نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن سے جملہ احکام اور مسائل عبارت النص سے ہی ظاہر نہیں ہوتے۔ بلکہ بہت سے اشارۃ النص اور اقتضاء وغیرہ سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح جس شئے کی اہمیت کو انسان نہیں سمجھتا۔ اسکو شد و مد اور بڑی تاکیدات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور جو چیز انسان کی فطرت اور پیدائش میں داخل ہیں اس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔

قرآن شریف میں ماں باپ کی خدمت کرنے اس کے آداب اور لحاظ رکھنے کا بڑی سختی کے ساتھ حکم ہے لیکن ماں باپ کو ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا۔ کہ تم اولاد کی پرورش میں کوتاہی نہ کرو۔ ان کیساتھ محبت اور پیار سے پیش آؤ۔ کیونکہ اولاد کی محبت ایک ایسی شئے ہے جس کیلئے انسان قدرتی طور پر مجبور ہے اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس قسم کی صدہا مثالیں ہیں جن کا ذکر اصل کتاب میں آئیگا۔

اس طرح کے خدائی معاملات کیساتھ قرآن مجید کا ملتا جلتا ہونا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام بلاشبہ خدا کا کلام ہے کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے

(۲) دوسری وجہ کلام اللہ کا انداز بیان اس قدر عجیب اور بے مثل ہے کہ جو کسی انسانی کلام میں نظر نہیں آتا۔ اس طرز بیان میں اس ... کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس موقعہ کی خصوصیات اس وقت کے حالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے نظر آنے

علامہ تفتازانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں۔ التحقیق ان کلام اللہ تعالیٰ اسم مشترک بین الکلام النفسی القدیم ومعنی الاضافۃ کونہ صفۃ لہ تعالیٰ وبین اللفظی الحادث المؤلف من السور والآیات ومعنی الاضافۃ انہ مخلوق اللہ تعالیٰ لیس من تالیفات المخلوقین۔ یعنے کلام اللہ کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔ مگر پہلی صورت میں کلام اللہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام لفظی کو کلام اللہ اس معنی سے کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کا پیدا کردہ اور بنایا ہوا ہے کسی انسان وغیرہ کا بنایا ہوا نہیں ہے

لگتا ہے۔

انسان کیسا ہی فصیح اور بلیغ ہو۔ وہ اصل واقعہ کو نقل کرسکتا ہے۔ مگر اس کی بعینہٖ تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ اور نہ اس کی خصوصیات کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں اتار سکتا ہے۔ اس کے واسطے جمناسٹک کے ایکٹر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ وہ مقام کی خصوصیات کا نقشہ ہاتھ پاؤں کی حرکت سے لفظوں کے ساتھ پیش کرسکے۔ لیکن قرآن عزیز کا حال بالکل ہی جدا ہے وہ اصل واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے صریح لفظوں میں نہیں بلکہ انداز بیان میں ہی اسکی خصوصیات کا فوٹو اور نقشہ پیش کرتا جاتا ہے

(۵) قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا اسوقت اور بھی کامل یقین ہو جاتا ہے۔ جب اس کی کسی آیت کو انسانی کلام کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو پڑھنے والے کو دونوں میں کھلا ہوا فرق نظر آتا ہے۔ اور اس کی طبیعت گواہی دیتی ہے کہ یہ کلام ہرگز کسی انسان کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ حدیث نبوی کو جو رسول خدا صلعم کا کلام ہے قرآن مجید کی کسی آیت کے مقابلہ میں رکھنے سے صاف طور پر نظر آتا ہے کہ اسکو قرآن شریف کی عبارت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے آپکا کلام دوسرے فصیح اور بلیغ انسان کے ساتھ ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کے سامنے اس کا رنگ بالکل ہی پھیکا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سچ فرمایا فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ۔
خدا کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے جس طرح خدا کی بزرگی تمام مخلوقات پر

البتہ حدوث اور خلق کا لفظ کلام لفظی پر بولنا بھی ادب کے خلاف ہے اور اس سے کلام نفسی کے حادث ہونے کا وہم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے کلام لفظی پر مخلوق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس کی طرف منسوب ہونے والی چیز کہا ہے۔ واللہ اعلم علمہ اتم۔

الہامی کتاب خدائی صفتوں کی آئینہ ہوتی ہے

جب دنیا کی ہر تصنیف مصنف کے خیالات کا آئینہ اور علمی قابلیت کا صحیح معیار سمجھی جاتی ہے اور ہر کلام میں متکلم کی علمی خصوصیات اور اس کی دوسری صفتوں کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ تو آسمانی کتاب یا صحیفے میں بھی جسکو خدا کے کلام ہونے کا شرف اور عزت حاصل ہے۔ خدائی صفتوں خصوصاً صفت علم کا پورا پورا مظاہرہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی یہ وجہ بھی ہے۔ کہ اس میں خدائی صفتوں اور علم الٰہی کی خصوصیتوں کا جلی حروف اور کھلے ہوئے لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

الہامی کتاب میں علم الٰہی کی خصوصیتوں کا ذکر بکثرت ہوا کرتا ہے۔

مگر چونکہ آسمانی صحیفے یا الہامی کتابیں معارف قدسیہ کے بہترین خزانے اور علوم الٰہیہ کے محفوظ سرمایہ ہوتی ہیں۔ اور ہدایت کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے احکام اور مضامین کا ذخیرہ ان میں موجود ہوتا ہے اس لئے جس کثرت کے ساتھ ان میں علمی مناظر پیش کئے جاتے ہیں اور جس قدر خدا کی صفت علم کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اتنا کسی اور صفت کا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں علم الٰہی کی خصوصیات اور اس کے استعمال کے مختلف مواضع کو بکثرت بیان کیا ہے۔

علم الٰہی کی خصوصیت اور اس کے استعمال کی جگہوں کا بیان

علم الٰہی کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت جس کا وجود خدا کے سوا

کسی غیر میں نہیں پایا جاتا۔ وہ اس کی وسعت علمی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر ایک کا راز داں ہے۔ دلوں کے وسوسے اور خیالات اور ان میں چھپے ہوئے بھید تک سے واقف اور باخبر ہے رات کی تاریکیوں اور سمندر کی گہرائیوں میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ ہوا میں اڑنے والے ذرّوں اور دریا میں بہنے والے پانی کے قطروں کو خوب جانتا ہے۔ نہ آسمان اور زمین میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ ہے اور نہ تنہائی کی راتوں میں رازداری کی باتیں اور دو میاں بیوی کی باہمی سرگوشیاں اس سے چھپی ہوئی ہیں۔ وہ اگلے اور پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ نسیان اور بھول کی وہاں کوئی گنجائش نہیں جس چیز کا اسکو علم ہے۔ اس کو ہمیشہ سے جانتا ہے اور ہمیشہ تک جانتا رہے گا۔

یہ وہ صفتیں ہیں کہ مخلوقات میں سے کوئی شخص ان صفتوں میں سے ایک کے ساتھ بھی متصف نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی انسان وغیرہ کی علمی قوت علم کی اس اعلےٰ اور بلند پایہ حالت کو قبول کرنے کی قابلیت اور اہلیت اپنے اندر رکھتی ہے اس لئے علم کی یہ مختلف حالتیں خدا ہی کے ساتھ خاص ہیں اور علم الٰہی کے سوا کسی غیر میں نہیں پائی جاتیں۔

علم الٰہی کی خصوصیتوں اور اس کے مظاہر اور اثرات کا ظہور قرآن عزیز کے اندر مختلف صورتوں میں ہوا ہے۔ کسی جگہ دلوں کے بھیدوں کو ظاہر کیا گیا اور کہیں دشمنوں کے خطرناک چالوں سے قبل از وقت مسلمانوں کو اطلاع دی گئی۔ کبھی گزرے ہوئے حالات پر دہ روشنی ڈالی گئی جس کا کسی سے

انکار نہ ہو سکا۔ مستقبل کے متعلق فیصلہ کن حکم سنائے۔ کہیں انسان کے فطری جذبات اور طبعی تقاضوں کو کھول کر بیان کیا۔ غرض جس شے کے متعلق جو خبر دی وہ اسی طرح ظہور میں آئی۔ اس میں کبھی ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

(۱) دنیا جانتی ہے کہ اہل نفاق مخالفین اسلام کی ایک ایسی جماعت تھی۔ جو ظاہر میں مسلمانوں کا کلمہ پڑھتی اور ان سے موافقت رکھتی تھی۔ مگر اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کا زبردست جذبہ موجود تھا۔ ایسا کرنے سے انکا یہ مقصد تھا۔ کہ ان کو اپنی طرف سے بالکل مطمئن کر کے اس موقعہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ملک کے ہر گوشہ سے مسلمانوں کے خلاف کافی مواد اکٹھا کر کے وقت ان میں پھوٹ ڈالیں اور اس طرح مسلمانوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ یا کم از کم پیغمبر اسلام صلعم اور مسلمانوں کو انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے نقصان پہنچا کر اپنے دل کا بخار نکالیں یا مخلص مسلمانوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے انکو اسلام کیطرف سے بدظن کریں۔ وہ اس ارادہ اور کوشش میں کامیاب ہو چکے ہوتے۔ اگر قرآن مجید ان کے اندرونی خیالات اور دلی تمناؤں سے مسلمانوں کو آگاہ نہ کرتا۔ لیکن اس نے اصل حقیقت سے قبل از وقت مسلمانوں کو مطلع کر دیا۔ جس سے ان کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور وہ ایسے رسوا اور بدنام ہوئے کہ دنیا میں انکو منہ دکھانے کی جگہ نہ رہی۔

(۲) دوسری طرف مخالفین کا ایک گروہ ایسا تھا۔ جو اسلام کا دشمن اور مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کو ہر قسم کا نقصان پہنچانا

اور تکلیف دینا ملک اور قوم کی بہترین خدمت تھی۔ علانیہ ان کی مخالفت کرتے تکلیفیں دیتے۔ انکے ہاتھ نہ کوئی چیز بیچتے۔ اور نہ انکو دوسری جگہ سے خریدنے دیتے۔ انکو ترک وطن پر مجبور کر کے گھروں سے بے گھر بناتے۔ پھر اسی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ بند کمروں میں مسلمانوں کے مٹانے کی تجویزیں ہوتیں اسلام کے استیصال اور اس کے فنا کر دینے کیلئے خفیہ طور پر مجلسیں منعقد کرتے جس میں اس امر کا پورا انتظام ہوتا۔ کہ ان کی مجلس کی کوئی بات نہ باہر نکلے اور مسلمانوں کو ان کی خفیہ تدبیروں اور مخالفانہ کارروائیوں کی بالکل اطلاع نہ ہو۔

لیکن باوجود ان حفاظتی تدبیروں اور سخت پابندیوں کے مسلمانوں کو قرآن شریف کے ذریعے سے انکی چالوں اور خفیہ کارروائیوں کا علم ہوتا تھا۔

(۳) نیز قرآن شریف میں آئندہ آنیوالے واقعات کے متعلق قبل از وقت خبریں دی گئیں۔ مگر کبھی ان میں ذرہ برابر تفاوت نہ ہوا۔ اور ہر ایک پیشگوئی اپنے وقت پر بعینہ پوری ہوتی رہی۔

(۴) جس وقت دنیا کی عام تاریخیں صدیوں کے گذرے ہوئے واقعات اور سوانح سے بے خبر اور خاموش ہو گئیں اور ان کے متعلق اہل زمانہ کی علمی تحقیقات میں پیچیدگی ہوئی اور مسخ شدہ صورتیں رہ گئیں۔ تو قرآن شریف نے ان کے متعلق ایسے معلومات کا ذخیرہ پیش کیا جس کی اطلاع کا بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر جدید کتبے اور پرانے کھنڈرات اس کی تائید میں تھے محفوظ اور معتبر تاریخیں اور غیر محرف کتابیں سب کی سب اسپر متفق اور ایک زبان ہیں۔

(۵) قرآن مجید نے انسانی فطریات اور ان کے طبعی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کیا کہ جس پر صدیوں کی الٹ پھیر بھی آج تک ایک نقطہ کا اضافہ نہ کر سکی۔ اس قسم کے تمام مظاہر علمیہ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہیں کہ ایسا کلام جس کے ذریعے سے ان واقعات اور علمی خزانوں کو ظاہر کیا گیا اور رازداری کی باتوں اور دلی جذبات کو منظر عام میں لایا گیا۔ یقیناً ایسے شخص کا کلام ہے جو بہت علمی میں بے نظیر اور بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اور وہ خدا ہی کی ذات مقدس اعلیٰ پاک اور برگزیدہ ہستی ہے کیونکہ انسان کی قوت علمیہ اس قسم کے حالات کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ قرآن عزیز بلاشبہ وحی الٰہی اور کلام ربانی ہے۔

الہامی کتاب میں خدا کی قدرت اور اسکی طاقت کے استعمالات کا اظہار بھی ہونا چاہیئے

قانون خواہ انسداد جرائم کیلئے ہو یا مبرات اور نیکیوں کیطرف رغبت دلانے اور حرص پیدا کرنے کے واسطے اجب تک اس کے ساتھ طاقت اور قوت کا مظاہرہ نہ ہو اس کے امتثال اور بجا آوری کی کسی سے توقع رکھنی عبث اور بیکار ہے۔

عمل کرنے والوں کی نظر میں واضع قانون کی اسقدر طاقت اور قوت ضرور ہونی چاہیئے۔ جس کے خوف سے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو سکے اور دوسری طرف انعام اور اکرام کا شوق۔ ان میں عمل کا صحیح جذبہ امتثال اور پورا کرنیکا سچا خیال پیدا کر سکے۔

جب دنیا کا تجربہ ہر قانون کے متعلق اس فیصلہ اور نتیجہ پر پہونچنے کے

لئے مجبور ہے تو خدائی قانون کے اجرا اور اسپر عمل کرانے کیواسطے کہ جسمیں نفسانی خواہشوں کے ترک کرنے سچائی اور نیکی حاصل کرنے کیلئے زیادہ زور دیا جاتا ہے جس سے انسان کو طبعاً نفرت ہے - خدائی طاقت اور قوت کا ظہور بھی ضرور ہونا چاہئیے - اسلئے الہامی کتاب میں علم الٰہی کیطرح خدا کی قدرت اور اسکی خصوصیتوں کا ذکر ہونا ضروری ہے -

خدا کی قدرت اور اس کی طاقت کا بیان

قدرت خداوندی اس غیر معمولی اور زبردست طاقت اور قوت کا نام ہے جس کے مقابلہ میں مخلوقات کی تمام تر قوتیں رائیگاں ہیں سارے طاقتیں بیکار ہیں - اسی قوت کی وجہ سے وہ دلوں پر حکومت کرتا اور اس کا ارادہ تمام ارادوں پر غالب رہتا ہے جس چیز کو وہ آلات اور اسباب کے استعمال کئے بغیر بنانا چاہئیے فوراً بنا دیتا ہے اور ایک سیکنڈ کی دیر نہیں لگنے دیتا وہی طاقت ہے جسکی وجہ سے وہ چیونٹی سے ہاتھی کو ضعیف اور کمزور سے قوی اور زبردست کو مروا دیتا ہے ؛

ہر شخص جانتا ہے کہ ایسی طاقت اور قوت کا مالک خدا کے سوا مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہو سکتا - اسلئے جب ہم قرآن مجید میں اس طرح کی خصوصیات کا استعمال ہوتا ہوا دیکھتے ہیں جس سے خدا کی قدرت کاملہ کا نمایاں طور پر ظہور ہوتا ہے تو ہمکو قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے میں ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں رہتا -

(۱) چنانچہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو ان کے فتح اور نصرت کی اسوقت خبر دیگئی جب کہ مسلمان سخت کمزور اور دشمن ان کے مقابلہ میں قوی تھے - اگرچہ

اس وقت فتح کے کوئی آثار نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا گیا۔ مگر زیادہ مدت گذرنے نہیں پائی۔ کہ دنیا نے اس پیشین گوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لیا۔

(۲) قرآن مجید میں خود اس کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اس کو اس طرح پورا کر کے دکھایا۔ کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس گذرنے پر بھی اس میں ایک نقطہ یا زیر و زبر کا فرق نہیں آسکا۔ باوجودیکہ اتنے عرصہ میں دشمنوں کی ایسی زبردست طاقتیں گذری ہیں۔ جو اس میں اگر تحریف یا تبدیلی پیدا کرنا چاہتیں۔ تو کر سکتی تھیں۔ مگر آج تک کسی موافق یا مخالف طاقت کو یہ جرات نہ ہو سکی۔ جو اس وعدہ کو پورا ہونے سے روک دیتی۔

(۳) نیز قرآن عزیز میں بعض قوموں کی قسمتوں کا ہمیشہ کے واسطے ایسا فیصلہ سنا گیا۔ کہ جس میں صدیاں گذرنے کے باوجود کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور نہ دنیا کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت آج تک اس کو بدل سکی۔

(۴) یہ کرشمے قدرت کے ہی تھے۔ کہ کثیر التعداد دشمنوں کے دلوں میں مٹھی بھر مسلمانوں کا رعب ڈالا گیا۔ کفار باوجود کثیر التعداد ہونے کے مسلمانوں کو تھوڑے دکھائی دئے۔ اور مسلمان جو حقیقت میں ان سے بہت تھوڑے تھے۔ وہ دشمنوں کی نظروں میں دگنے اور چوگنے کر کے دکھائے گئے۔ جس سے کفار کے حوصلے پست اور مسلمانوں کا جوش اور ان کی ہمت اور جرأت بڑھتی رہی۔ جس کا نتیجہ دشمنوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ اسطرح کی مثالوں میں انسانی طاقت کام کر

کر رہی تھی ہرگز نہیں۔

الہامی کتاب میں ایسی خصوصیتیں ضرور ہونی چاہئیں کہ جنکو دیکھتے ہی اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کا پتہ چل جائے

کبھی کلام میں متکلم کی ذاتی اوصاف اور علمی قابلیت کے علاوہ متکلم کیطرف سے ایسی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے۔ جو اس کلام کو دوسرے کلاموں سے جُدا اور ممتاز بنا دیتی ہیں۔ جس کے بعد اس کلام کا دیکھنے اور سننے والا فوراً سمجھ لیتا ہے کہ یہ کلام فلاں شخص کی موزونیت طبع کا نتیجہ اور اس کے فکر صحیح کا ثمرہ ہے۔

قرآن مجید میں بھی چند ایسی خصوصیتیں موجود ہیں۔ جو اس کے انسانی کلام ہونے سے وباءیا انکار کر رہی ہیں۔

(۱) مثلاً قرآن عزیز کا دعوے ہے کہ وہ یاد کرنے والے کیلئے آسان اور سہل بنا دیا گیا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہر جگہ بچے سے لیکر بوڑھے تک ہزاروں حفاظ موجود ہیں اور بہت سے حافظ تو ایسے ہیں جو سال میں ایک ہی دفعہ اس کی تلاوت کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ ذہن سے نہیں نکلتا۔ قرآن شریف کے علاوہ دنیا میں کسی کتاب کو یہ شرف اور عزت حاصل نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان کبھی اپنے کلام میں ایسی خصوصیت اور امتیاز پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ محض رب العزت کا حصہ ہے۔

(۲) نیز قرآن کریم کی تلاوت سے انسان کی طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کی تلاوت کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ جس قدر کثرت سے اس کی تلاوت کیجاتی ہے۔ اتنا ہی شوق میں اضافہ اور رغبت میں ترقی

ہوتی رہتی ہے بخلاف اس کے دوسری کتابوں کو ایک دفعہ پڑھنے کے بعد دوسری مرتبہ اُن کیطرف طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔

(۳) پھر لطف یہ ہے کہ ہر مرتبہ غور سے تلاوت کرنے کے باوجود نئے نئے مضامین کا انکشاف اور جدید نکتوں کی تحقیق ہوتی رہتی ہے۔ اور اس طرح قرآن مجید کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے۔

(۴) علاوہ ازیں عبارت کی شیرینی اور روحانی برکتوں کا اثر ان لوگوں کو بھی محسوس ہوتا ہے جو عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور محض سادے الفاظ پڑھنا جانتے ہیں۔ اور ترجمہ نہیں کر سکتے۔ یہ اثر بھی یقیناً خدا ہی کا پیدا کردہ ہے۔ ورنہ یہ فعل انسانی طاقت سے باہر ہے۔

(۵) اسی طرح بعض عملوں کے اچھے یا بُرے اخلاقی نتیجے سے انسان کو مطلع کیا گیا۔ اور وہ ایسے عمل ہیں کہ ان کے نیک یا بد نتیجہ سے بغیر تجربہ کئے کبھی علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ابتداً اس کے صحیح یا غلط ہونے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب ان پر عمل کیا جاتا ہے تو اس کے آثار اور نتیجے اسی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جس کی قرآن عزیز نے خبر دی تھی۔ کسی عمل میں کوئی خاص اثر رکھدینا ہرگز کسی انسان کا کام نہیں۔ یقیناً اسی طاقت کا کام ہے جس نے آگ میں جلانے اور پانی میں ٹھنڈا کرنے کی طاقت رکھی ہے۔ وہو اللہ سبحانہٗ۔

جس شخص کے ذریعہ سے وہ کتاب حاصل ہوتی ہے۔ اسکی زندگی کبھی اس شخص کے حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ الہامی کتاب یا صحیفہ آسمانی ہے۔ کے حالات

اور واقعات زندگی جس کے ذریعہ سے الہامی کتاب دنیا میں ظاہر ہوئی ہے اس امر کی مقتضی ہوتی ہیں کہ اس صحیفہ کو آسمانی کتاب اور اس کلام کو خدا کا کلام کہا جائے۔

مثلاً جس شخص نے عمر بھر ایک حرف نہ پڑھا۔ اور نہ کسی اہل علم کی صحبت اسکو نصیب ہوئی ہو نہ متمدن قوموں کے نظام زندگی اور ان کی تعلیمی درسگاہوں سے واقف ہو نہ کبھی علمی مجلس میں اسکو بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہو جس نے کسی مسافر سے بھی کوئی قصہ یا کہانی نہ سنی ہو اور نہ کبھی علم کی طلب میں وہ گھر سے باہر نکلا ہو اسی طرح عمر کے چالیس برس محض لاعلمی اور بے خبری میں گذارنے کے بعد دفعتاً ایسے علمی نکتوں اور دقیق اور باریک باتوں کا اظہار کرے جو اہل علم کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ اور صدیوں تک محنت اٹھانے کا پھل ہے۔

(۲) دنیا کے سامنے علم کے وہ اصول اور ضابطے پیش کرے جس پر نہ صرف شرعی علوم بلکہ علوم عقلیہ کی بنیادیں قائم ہیں۔

(۳) اسی کتاب میں ان حقائق اور واقعات کا اظہار کرے جن کی اصلیت پر مدتوں سے تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے متعلق عوام میں جو باتیں غلط مشہور ہو چکی تھیں ان کی پُر زور تردید کرتے ہوئے واقعات کو اصلی شکل میں دکھلائے اور حقیقت کے چہرہ سے اس طرح نقاب اٹھائے کہ مخالفین کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے۔

غرض اس قسم کے واقعات کا ایسے شخص سے ظاہر ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ

خدا سے فیض پاکر کہہ رہا ہے۔

اس کے علاوہ بعض خبریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قرآن شریف میں ایسی مذکور ہوئی ہیں کہ جو اس زمانہ کے مروجہ خیالات کے خلاف یا کم فہم اور نا سمجھ لوگوں کی نظر میں قابل اعتراض وطعن وتشنیع کا سبب تھیں۔ اگر آپ وحی کے ظاہر کرنے میں حکم الٰہی کے پابند نہ ہوتے تو اسکو ظاہر کرکے دیدہ دانستہ کبھی جاہلوں کی ملامت کا نشانہ نہ بنتے۔

دوسرے نبوت کے شروع میں چند دن وحی آکر تین سال تک متواتر بند رہی کفار اس زمانہ میں سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے طرح طرح کے آوازے ان پر کستے۔ اور آپ ان کے طعن وتشنیع سے تنگ آکر جان دینے کا ارادہ کر لیتے۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو نیچے گرانے کا ارادہ کرتے۔ کہ اچانک غیبی مدد ہوتی اور تسلی دیجاتی۔

اگر قرآن مجید آپ کی تالیف کردہ اور بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو اس قدر انتظار کی صعوبت اور ملامت سننے کی تکلیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی اور کیوں تین سال متواتر خاموش رہتے

(د) جس قوم کی طرف وہ کتاب بھیجی جاتی ہے اس جماعت کے حالات بھی اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ وہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے پھر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس چیز کو وہ کسی قوم یا جماعت کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ کیا وہ ایسی چیز ہے جسکو انسان اپنی سعی اور کوشش سے حاصل کرکے لوگوں کو دکھا سکے۔ یا اس میں کسی قسم کی شعبدہ بازی

یا نظر بندی چل سکے۔

اور نیز یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس شے کو پیش کر کے اس کے مقابلہ میں ان سے کیا چیز طلب کی ہے۔ اور کس شے کی قربانی مانگی ہے۔ کیا وہ ایسی قربانی تو نہیں ہے جسکو انسان آزمائشی طور پر دیدیا کرتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جس چیز کو انہوں نے پیش کیا ہے۔ وہ دہوکے یا فریب کی چیز نہیں ہے۔ اور نہ انسان اسکو اپنی اپنی جدو جہد اور کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جس قربانی کے واسطے ان سے کہا گیا ہے وہ ایسی قربانی نہیں ہے۔ جو آسانی سے ادا کی جا سکے۔ بلکہ اس کے ادا کرنے میں انسان کو پس و پیش ہوتا ہے۔ لیکن باوجود اس بات کے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت خوشی اور شوق کے ساتھ اس قربانی کو ادا کرتے ہیں تو اس امر کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ جو چیز ان کے سامنے پیش کی گئی تھی وہ بالکل سچی تھی۔ اور جو دعوےٰ کیا گیا تھا۔ وہ قطعاً صحیح تھا۔

(۱) چنانچہ اسلام نے جو چیز سب سے پہلے دنیا کے سامنے پیش کی وہ توحید کیساتھ روحانیت اور اخلاقی خوبیاں تھیں جو نفسانی کیفیات میں سے ہیں اور انکا ادراک یا علم آنکھوں سے نہیں بلکہ دل سے ہوتا ہے اور اس روحانیت کے صلہ میں ان سے جان و مال عزت اور آبرو سب کچھ اللہ کے راستے میں طلب کی گئی۔

(۲) مسلمانوں سے قرآن مجید میں وعدہ ہوا۔ کہ فلاں جنگ میں فرشتے تمہاری مدد کے لئے آسمان سے اتریں گے۔ اور تمہارے دشمن بدحواس ہو کر فرار ہو جائیں گے۔

(۳) ان کو خبر دیگئی کہ قرآن ایک وحی الٰہی ہے۔ جو آسمان سے خدا کے رسول پر

نازل ہوتی اور اترتی ہے ۔

(۴) مسلمانوں سے کہا گیا۔ کہ اس جنگ میں دشمنوں کی تعداد تمہیں کم کرکے دکھائی گئی ورنہ ان کی تعداد اس شمار سے کئی حصہ زیادہ تھی جو تم نے دیکھی۔

اگر یہ واقعات صحیح نہ ہوتے اور مسلمان وحی کو آسمان سے نازل ہوتے اور جنگ میں فرشتوں کو کفاروں سے لڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتے اور کفار باوجود کثیر ہونے کے تھوڑی تعداد میں نظر نہ آتے تو وہ قرآن شریف کی سچائی کے ہرگز قائل نہ ہوتے یا جس روحانیت اور سچائی کو ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اگر اس میں صداقت کی بُو نہ ہوتی۔ اور اعمال کی پابندی کے باوجود اس کے روحانی اثر کو دل میں محسوس نہ کرتے تو کبھی اس شخص کے کہنے پر جو اپنے آپ کو خدا کا رسول اور پیغامبر کہتا تھا جانیں قربان نہ کرتے۔ اور نہ گھر بار چھوڑ کر اس کے پیچھے غربت اور سفر کی تکلیفیں اٹھاتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کی جانیں نہ لیتے۔ یہ باتیں انہیں یقیناً اس وقت حاصل ہوئیں جبکہ اسلام نے اپنی صداقت اور سچائی کا سکہ ان کے دلوں پر اچھی طرح بٹھا لیا تھا۔

اب تک جتنی دلیلیں قرآن عزیز کی صداقت اور اسکی سچائی کے ثبوت میں پیش کی گئیں۔ ان میں سے ہر ایک دلیل مستقل طور پر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔

اگرچہ یہ دلیلیں بظاہر ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں لیکن غور کرنے سے معلوم

معلوم ہوگا کہ ان دلیلوں میں بے مثلیت نمایاں طور پر موجود ہے اس لئے اگر قرآن مجید کی الہامیت اور اسکو کلام الٰہی ثابت کرنے کے لئے بے مثلیت کو اصل دعوےٰ قرار دیتے ہوئے دوسری دلیلوں کو اسی کے ثبوت اور تائید میں پیش کر دیا جائے تو چنداں حرج نہیں ہے۔

ورنہ تفصیلی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی دلیلیں قرآن شریف میں دو ہی قسم کی ہیں اوّل وہ دلیلیں جو قرآن کریم کی سچائی اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا دعوےٰ کرنے کے بعد اس کے ثبوت میں پیش کیگئی ہیں اسطرح کی چار دلیلیں ہیں

(۱) ام یقولون افتراہ قل فاتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ یونس ۴ ع۔ یعنی اگر کافر قرآن عزیز کو انسان کی بنائی ہوئی کتاب کہتے ہیں۔ تو انہوں نے بھی کوئی ایسی کتاب یا اس کی کوئی آیت کی مثال بنا کر دکھائی ہوتی۔

(۲) افلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً - اگر یہ کتاب خدا کی بنائی ہوئی نہ ہوتی۔ تو اس کا اسلوب بیان۔ فصاحت اور بلاغت کا انداز سب جگہ سے ایک جیسا نہ ہوتا۔ اور اس کے فیصلے ہمیشہ کے واسطے یقینی اور راٹل نہ ہوتے۔

(۳) وما کان ہٰذا القراٰن ان یفتری من دون اللہ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین۔ اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کی یہ وجہ بھی ہے کہ نبی عربی صلعم نے باوجود بے خبری اور لاعلمی کے جو ان کو پہلے نبیوں کے حالات اور ان کے مذہبی احکام کے متعلق تھی۔ ان واقعات

کا اظہار کیا۔ جو دوسری آسمانی کتابوں توریت اور انجیل وغیرہ کے موافق تھے۔ (۴۸)
یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب و یعفو
عن کثیر ۔ اگر قرآن شریف انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو اس کتاب میں ان
واقعات کے متعلق ہرگز صحیح خبر نہ دیجاتی۔ جنکو بنی اسرائیل نے توریت اور انجیل وغیرہ میں
بدل دیا تھا۔ یا اسکو لوگوں کی نظر سے بالکل چھپا رکھا تھا۔
دوسری قسم دلیلوں کی وہ ہے جو صداقت کا دعوےٰ کرکے اس کے ثبوت میں پیش
نہیں کی گئیں۔ البتہ ان سے قرآن عزیز کی سچائی اور اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو
رہا ہے چونکہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں جن کو کسی خاص
ضابطہ میں داخل کرنا مشکل ہے اس لئے ہم نے دلائل کو قاعدہ کلیہ اور ضابطے
کے طور پر پانچ قسموں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس مقدمہ کے مطالعہ
سے ظاہر ہے۔ انشاء اللہ ان کے جزئیات کی تفصیل شرح اور بسط کے ساتھ
کتاب میں آجائیگی۔

چند ضروری باتیں۔ یاد رہے کہ نبی کریم صلعم پر ۲۳ سالہ نبوت میں ۳ سال
انقطاع وحی کے چھوڑ کر ۲۰ سال تک متواتر وحی نازل ہوتی رہی۔ ان بیس
سال کے عرصہ میں قرآن عزیز کا بعض حصہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں اور باقی
سورتیں ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔ مسلمان اہل کتاب
اور مشرکین یہ تین جماعتیں تھیں جنکی موجودگی میں قرآن شریف نازل ہوتا رہا۔
چونکہ مکہ کے رہنے والے مشرک اور بت پرست ہونے کے علاوہ بداعمال
اور برے اخلاقوں کے ساتھ متصف تھے اس لئے مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں

میں توحید اور نبوت کی تعلیم ۔ بت پرستی کی مذمت اور شرک کی برائیاں بیان کی گئیں ۔ اعمال صالحہ اور اخلاقی خوبیوں کی طرف لوگوں کو بلایا ۔ نیکی اور بدی کے ثمرات اور ان کے نتائج سے آگاہ اور باخبر کیا گیا ۔ ان تمام دعووں کے ثبوت اور تائید میں رسول کریم صلعم کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمائے گئے اور جب انہوں نے حق کے تسلیم کرنے سے انکار کیا ۔ اور مسلمانوں کو اذیتیں اور تکلیفیں دینی شروع کیں اور اپنی تنہائی کی مجلسوں میں اسلام کے مٹانے کی خفیہ تدبیریں اور سازشیں کرنے لگے ۔ تو اس وقت حق پرستوں کی فتح اور مخالفین اسلام کی تباہی اور بربادی کی خبریں دی گئیں اور ایسی آیتیں بھی نازل ہوئیں جن میں انکی خفیہ سازشوں اور مخالفانہ کارروائیوں کی اطلاع دی گئی تھی ۔

باوجودیکہ اہل مکہ اپنی تدابیر اور خفیہ کارروائیوں کے چھپانے میں پوری احتیاط سے کام لیتے تھے ۔ مگر رسول کریم صلعم کو اصلی واقعات کی اطلاع ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ قرآن عزیز کو سحر اور جادو اور سرور دو جہان کو ساحر اور جادوگر کہتے تھے ۔ اور کبھی انکی راست گوئی کا اقرار کرتے اور انکو امانت دار اور امین کے خطاب سے یاد کرتے تھے ۔ اگر ان کے خیال میں یہ خبریں جھوٹی اور بے اصل ہوتیں ۔ تو وہ آپ کی سچائی کے کبھی قائل نہ ہوتے ۔ اور نہ ان کی عداوت اور دشمنی سے کبھی یہ امید ہو سکتی تھی ۔ کہ وہ ایسے موقعہ پر خاموشی اختیار کر لیتے ۔ اور اگر کوئی آدمی درمیان میں خبریں دینے والا ہوتا تو وہ اسکو ضرور سزا دیتے یا کم از کم اس کی اچھی طرح تشہیر کرتے لیکن اہل مکہ نے کبھی ایک آدمی بھی ایسا پیش نہیں کیا جس پر جاسوسی کا شک شبہ کیا جاتا ۔ اور نہ کبھی یہ سنا گیا

کہ انہوں نے اس خبر کی اصلیت سے انکار کیا جسکی قرآن شریف میں اطلاع دی گئی تھی۔ یہ تو ہجرت کے پہلے کے واقعات تھے۔

اور جب آپ ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ پہونچے تو آپ کو مخلص مسلمانوں کے علاوہ دو طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑا۔

یہود اور نصاریٰ کی وہ جماعت جو اسلام کی کھلم کھلا مخالف اور دشمن تھی۔ اور بعض ایسے لوگ بھی تھے جو ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے لیکن دل سے وہ کفاروں کے ہمنوا اور دوست اور اسلام کے سخت دشمن تھے یہی وہ لوگ تھے جن کا نام آگے چل کر منافقین ہوا۔

اس لئے ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں اہل کتاب کے باطل عقیدوں اور ان کے خیالات فاسدہ کی تردید کی گئی۔ توریت اور انجیل کی وہ باتیں جو علماء یہود نے دنیوی لالچ اور عوام کے خوف سے چھپا رکھی تھیں۔ انکو دنیا پر ظاہر کیا گیا۔ ان کی خیانت اور بد اعمالیوں تحریف اور رشوت ستانی کی خفیہ کارروائیوں پر مذمت کی گئی۔ اسلام کے خلاف ان کی معاندانہ چالوں کو کھول کر بیان کیا گیا۔ اسی طرح منافقین کے اندرونی جذبات اور جھوٹی باتوں کی اطلاع دی گئی۔ ان کے چھپے ہوئے رازوں اور دلی بھیدوں سے مسلمانوں کو آگاہ اور خبردار کیا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن آجتک کسی موافق یا مخالف تحریر سے ان خبروں کا انکار ان کی طرف سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ منافقین بار بار کی رسوائی اور ہر دفعہ کی ذلت سے اس قدر ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ کہ ان کو مسلمانوں کی مخالفت کا خیال

دل میں کہتے ہوئے رسوائی کا ڈر ہوتا ا - اور ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا - کہ کہیں قرآن ہمارے دلی خیالات اور چھپے ہوئے بھید وں کو مسلمانوں پر ظاہر کردے چنانچہ قرآن میں اس خطرہ کو اس طرح نقل فرمایا گیا ہے۔ یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم - پ - منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ہمارے دلی رازوں کو ان پر ظاہر کرے - یہی حال یہودیوں کا تھا چنانچہ جب قرآن نے ان کے باطل عقیدوں کی تردید کرنی شروع کی - اور توریت کے چھپے ہوئے حکموں کو ظاہر کیا - تو یہودیوں کو کبھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کا انکار کرکے جو باتیں انہوں نے غلط مشہور کر رکھیں تھیں - ان کو ثابت کر سکتے -

انہوں نے مقابلہ کرنے کے بجائے ہمیشہ سکوت ہی کو بہتر اور اولی سمجھا - یہی وجہ تھی کہ جب ان کو حق اور باطل کے فیصلہ کے لئے مباہلہ کی دعوت دی - اور یہ قرار دیا کہ جھوٹے کے واسطے ہلاکت اور تباہی کی دعا کیجائے - تو یہود اور نصاریٰ میں سے کوئی جماعت بھی اس کے لئے تیار نہ ہوئی -

اس کے علاوہ چند مرتبہ اہل کتاب نے اپنے خیال کے موافق رسول خدا صلعم کی سچائی کو پرکھا - اور مختلف طریقے سے ان کی صداقت کو جانچا - مگر چونکہ آپ ہمیشہ اس معیار پر پورے اترے جسکو انہوں نے اپنی رائے میں تجویز کیا تھا - چونکہ وہ ان تمام حالات کی وجہ سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا - اور آنحضرت صلعم کی صداقت اور سچائی کو معلوم کر چکے تھے - اس لئے وہ مقابلہ میں دل ٹھوک کر اپنی سچائی پیش نہ کر سکے -

بلکہ جب علماء یہود نے زانی کی سزا منہ کالا کرنا اور تشہیر کرنا تجویز کی اور اسکو توریت کا حکم بتایا تو اس وقت نبی کریم صلعم نے ان کی تکذیب کی۔ اور یہ فرمایا کہ توریت میں زانی کی سزا رجم اور سنگسار کرنا لکھی ہے۔ اور جو سزا تم نے تجویز کی وہ ہرگز توریت کے موافق نہیں ہے۔

لیکن جب یہودی اپنے خیال پر اڑے رہے اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ نے ابن صوریا سے جو یہودی مذہب کا زبردست عالم تھا۔ قسم دیکر پوچھا۔ کہ کیا توریت میں زانی کی سزا سنگسار نہیں لکھی۔ اس نے اقرار کیا کہ بیشک توریت میں زانی کی یہی سزا ہے جو آپ فرما رہے ہیں۔ مگر بڑے درجہ کے لوگوں کی رعایت کر کے ہم نے موجودہ سزا اپنی طرف سے تجویز کی۔ اس فیصلہ پر یہودی سخت برہم ہوئے اور ابن صوریا کے پیچھے پڑ گئے اس وقت ابن صوریا نے انکے جواب میں جو بات کہی وہ یہ تھی۔ کہ اگر میں ان کے سامنے جھوٹ بولتا۔ تو فوراً عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیا جاتا۔

غرض تمام جماعتوں کو اسلام کی سچائی اور قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونیکا دل سے پختہ یقین تھا۔ لیکن انکو تعصب اور عداوت نے ایسا اندھا بنا رکھا تھا۔ کہ زبان سے اس کی حقانیت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ اگر انکو مسلسل کی طویل مدت میں ایک خبر بھی ایسی ملتی۔ جس میں واقعہ کے خلاف بیان کیا جاتا۔ تو وہ ضرور اس کو شہرت دیتے یکسر عرب تک مشہور کر دیتے اور اس کی سچائی کا جو سکہ ان کے دلوں پر آخر وقت تک بیٹھا رہا کبھی نہ رہتا اور نہ ہر بات میں اسکی تحقیق [illegible]

قرآن میں جو کچھ اس کے متعلق خبریں دی گئیں یا ان کے بھیدوں کو ظاہر کیا گیا۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

چوتھی وہ جماعت جن کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں مسلمان تھے وہ اپنی آنکھوں سے اسکو نازل ہوتا ہوا دیکھتے اور کانوں سے اس کے الفاظ سنتے [illegible] یا کسی تاریخ اور دھوکے میں پڑی ہوئی نہیں تھی قرآن مجید [illegible] کے حالات کا بطور [illegible] انبیاء سابقین کے متعلق جو خبر دیجاتی اسکو اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے جس طرح غائب کی اطلاع دیجاتی ۔ اور اگر کبھی ان کے خیال میں کسی طے شدہ معاملہ کے خلاف ہوتا ۔ تو فوراً اعتراض کرتے جیسا کہ [illegible] صلح حدیبیہ سے پہلے نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں [illegible] اور سلامتی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ اس خواب کے چند دن بعد آپ نے بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا اور اسی خیال سے تقریباً ۱۵۰۰ سو مسلمان ساتھ لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور احرام باندھ کر مکہ کی طرف چل پڑے۔ مگر کفار مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا اور اندر نہ جانے دیا۔ اور چند شرائط کے ساتھ اس بات پر صلح کر لی کہ مسلمان اب واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آ کر بیت اللہ کا طواف کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھیریں ❊

جب رسول خدا صلعم اس صلح کے بعد مکہ سے واپس ہونے لگے تو حضرت

عمر نے یہ اعتراض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فرمایا تھا۔ کہ مسلمان مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ مگر ہم تو بیچ میں مرام راستہ ہی سے واپس کر دئے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ عمر کیا میں نے یہ کہا تھا۔ کہ اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے حضرت عمر نے عرض کی کہ نہیں۔ حضور نے فرمایا پھر تردد کس بات کا ہے۔ اگر اس سال داخلہ نہیں ہوا ہے تو نہو۔ انشاء اللہ اگلے سال ضرور اطمینان کے ساتھ مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں گے۔

نیز ۹ھ میں سرور عالم صلعم کے صاحبزادے ابراہیم کا شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپ کے آنسو نکل آئے عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ آپ تو مردوں پر نوحہ کرنے اور رونے سے منع فرمایا کرتے ہیں۔ اور آپ خود رو رہے ہیں فرمایا کہ عبدالرحمن یہ ایک رحمت ہے۔ جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ زبان سے چیخنا۔ اور پکارنا کپڑے پھاڑنا۔ یہ چیزیں ناجائز اور حرام ہیں مجھض آنکھوں سے رونا منع نہیں ہے۔ اسی طرح جب آپ کی صاحبزادی زینب کی لڑکی کا انتقال ہوا تو آپ فرط غم سے آبدیدہ ہوئے اس وقت سعد بن معاذ نے بھی اعتراض کیا تو آپ نے ان کے جواب میں اسی قسم کا جواب عنایت فرمایا۔ کہ جو عبدالرحمن بن عوف کو دیا تھا۔

نیز غزوہ احد میں آپ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم نے نافرمانی اور عدول حکمی نہ کی تو فتح تمہاری ہی ہو گی چنانچہ ابتدا میں مسلمانوں کی فتح ہی رہی اور کفار میدان جنگ کو چھوڑ کر

ہوگئے تھے۔ لیکن تیر انداز مسلمانوں کا دستہ جسکو پہاڑ کی ایک گھاٹی پر رسول خدا صلعم نے متعین فرمایا تھا اور انکو یہ ہدایت فرمادی تھی۔ کہ تم آخر دم تک اپنی جگہ پر قائم رہنا مگر انہوں نے مسلمانوں کی فتح کو دیکھکر اپنا مرکز چھوڑ دیا۔ اور نیچے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ لوٹ میں شریک ہوگئے۔ اس نافرمانی کی وجہ سے فتح کا رخ بدل گیا۔ اور مسلمانوں کی شکست ہوگئی۔ صحابہ کو اس شرط کا خیال نہ رہا اور انہوں نے پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ نے تو فتح کا ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور یہاں شکست ہوگئی۔ تو آپ نے اس شرط کو یاد دلایا جس سے صحابہ کو بکلی اطمینان ہوگیا۔ اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے وہ یہ کہ رسول خدا صلعم عصر کے بعد نفلیں پڑھنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ام سلمہ نے جو آپ کی اہلیہ محترمہ ہیں حضور صلعم کو نماز عصر کے بعد نفلیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ فوراً نادمہ کو بھیجکر اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میری ظہر کی سنتیں رہ گئی تھیں۔ ان کی قضا کر رہا تھا۔

ان واقعات کی موجودگی میں ہر شخص جان سکتا ہے جو کچھ قرآن عزیز میں دوسری قوموں کے خفیہ بھیدوں اور دلی رازوں کو ظاہر کیا گیا یا اعمال صالحہ کی پابندی سے تزکیہ نفس اور صفائی قلب کی اطلاعیں دی گئیں۔ یا جن آئندہ زمانوں میں مسلمانوں سے فتح و نصرت کے وعدے ہوئے یا گذشتہ اور آئندہ واقعات کے متعلق پیشین گوئیاں ہوئیں سب کی سب درست اور صحیح تھیں اگر یہ خبریں بے اصل ہوتیں یا ان میں سے کوئی بات خلاف واقعہ اور جھوٹی نکلتی۔ تو یہ لوگ کبھی اتنی قوت

اور خود کشی اختیار نہ کرتے۔ اور نہ دیر تک رسول اللہ صلعم کی اطاعت و فرماں برداری پر قائم رہتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض سچائی اور صداقت ہی کا اثر تھا جس سے ان کو عزیز کے چھوڑنے اور خویش و اقربا کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے اور اپنی جان و مال کو آنحضرت صلعم کی اداؤں پر قربان کر دینے کے لئے آمادہ اور تیار کر دیا تھا۔

یہ بات محفوظ خاطر رہے کہ ہم نے دلائل کے بیان میں ہر جگہ قرآنی عزیزہ کی آیتیں ذکر کی ہیں۔ مگر ان کا بیان کرنا قرآن مجید کی سچائی پر استدلال کرنے یا اسے دلیل پکڑنے کی غرض سے نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نے کسی جگہ قرآن کی صداقت اور اس کے کلام الٰہی ہونے پر نقلی دلیل سے استدلال نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کو محض اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ ان کے ان اوصاف اور خوبیوں کو دکھایا جائے جو کسی انسان کے کلام میں نہیں ہوتیں۔ اور وہ رب العزت ہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ایک سمجھ دار آدمی کے لئے اپنی طبیعت میں یہ فیصلہ کر لینا آسان اور سہل ہو جاتا ہے کہ جب یہ معانی اور اوصاف خدا کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس کے سوا کسی غیر میں نہیں پائے جاتے تو یقیناً وہ کلام بھی جس میں یہ خیالات موجود ہیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ البتہ آنحضرت کے متعلق جو تاریخی واقعات ہیں اس میں ہم نے اسلامی سیرت و حالات کی معتبر کتابوں سے ضرور مدد لی ہے لیکن ایسا کرنے سے ہمارے دلائل کے مقید ہونے پر کسی قسم کا نقص وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ کسی قوم کا تاریخی مواد اسی جماعت کے

[illegible] تو صرف کی تاریخوں میں اسکو ڈھونڈنا۔

[illegible] سراسر خلاف ہے۔ یہ بیٹھ پیالہ گھر کا [illegible]

[illegible] مسلمانوں کی تاریخ میں ملے۔ اور حیثیتوں

[illegible] تاریخ میں تلاش کرے۔

[illegible] کے متعلق جن میں کسی جماعت کی

[illegible] اور رازداری کی باتوں کو ظاہر کیا گیا [illegible]

[illegible] اور [illegible] کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ایسے حالات بھی

[illegible] ان خبروں کی تصدیق اور ان کا کلام الٰہی ہونا

[illegible]

[illegible] التزام کیا ہے کہ کوئی بات بلا تحقیق اس کتاب

[illegible] نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بات پر کسی نہ کسی معتبر کتاب کی سند

ضرور پیش کر دی گئی ہے۔

اس کتاب کو سہل اور آسان بنانے کی حتی الوسع پوری کوشش کی ہے اگر اسکے

بعد بھی کسی جگہ مطلب کی ادائگی میں کوتاہی یا قصور نظر آوے تو اسکو بشری

کمزوری پر محمول کرتے ہوئے ناظرین معاف فرمادیں۔ مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم

مائیگی کا خود اعتراف ہے اور خصوصاً کلام الٰہی کے رموز اور نکات تک رسائی

حاصل کرنا میرے [illegible] کی پرواز سے کوسوں دور ہے۔ بیت

[illegible] عند اللہ جل جلالہ

[illegible] الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا من خلق الانسان وعلّمه ما لم یعلم والنطق بافصاح
مراده وافهمه ما لم یفهم فخصّ منهم العلماء بمطاوی کتابه و
خبایاه حتی کشفوا الاستار عن وجوه خرائده فتجلی لنا مزایاه -
لک الحمد حمدا لیس له النهایة والشکر علی آلائک بالغا الی الغایة
نعمتنی القرآن وتاویله واوصلنی الی الحق وادلنی سبیله یا من
بیده ملکوت کل شیء تقبله منی انه جهد المقل کما تقبلت من
خلیلک ابراهیم وحبیبک محمد صلی علیهما کما تحب وترضی کلما
اکتسبنا من خیر العمل بجاه من ختمت به النبوة وارسلته رحمة
للعالمین وجعلته سید الاولین والاخرین واثبت درجته فی
العلیین فصل علیه وعلی سائر الانبیاء والمرسلین وارزقنا
شفاعته یوم الدین ثم انزل رحمته منک علی اصحابه الابرار
وآله الاخیار وعلی الائمة المهداة الی یوم القرار رب هب لی
من لدنک اخلاصا فی العمل وجنبنی عن الریاء والسمعة و
نقص الامل آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

قرآن خدا کی کتاب ہے اسی نے اسکو نازل کیا اور وہ ہی اس کلام کے ساتھ متصف ہے۔ مخلوقات میں سے کسی شخص نے اسکو نہیں بنایا اور نہ ہی کسی انسانی ہاتھ کا اس کلام کی تالیف اور ترتیب میں کوئی دخل ہے۔

اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن عزیز کے ان اوصاف اور خوبیوں کو پیش کیا گیا جن کا ظاہر ہونا خدائی طاقت کے سوا کسی اور طاقت سے ناممکن ہے چونکہ وہ اس وجہ سے ایسے کمالات پر حاوی ہے جن کی مثال مخلوقات میں سے کوئی شخص پیش نہیں کرسکتا۔ اس لئے وہ کلام خدائی چیزوں کی طرح یگانہ اور بے مثل ہے یعنی جس طرح خدا کی طرف منسوب ہونے والی چیزیں بے مثل اور لگانہ ہوتی ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی شخص اسکی نقل نہیں اتار سکتا۔ بعینہٖ اسی طرح دنیا کی تمام علمی قوتیں قرآن شریف کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور اسکی نقل اُتارنے سے قطعی طور پر مجبور اور درماندہ ہیں۔

قرآن مجید کے ان اوصاف اور خصوصیتوں میں سے جن سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے ایک صفت یہ ہے کہ اس میں بہت سے آیندہ آنے والے واقعات اور حالات کی ایسی اطلاعیں دی گئیں جن کا کبھی خلاف نہیں ہوا اور ان میں سے ہر ایک پیشین گوئی اپنے وقت پر پوری ہوتی رہی۔

سوال۔ غیب کی خبریں نجومی اور رمال وغیرہ بھی دیا کرتے ہیں ایسی خبروں سے قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا کیونکر ثابت ہوتا ہے۔

جواب۔ نجومی اور رمال۔ کاہن اور جفار وغیرہ آیندہ حالات کی خبریں دیتے ہیں۔ مگر ان کی ہر ایک خبر سچی نہیں ہوتی۔ اور اگر کوئی خبر کسی وقت سچی نکل آتی ہے

تو اس میں بھی ایک حصہ سچائی اور دس حصہ جھوٹ ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی بتائی ہوئی خبریں ایسی نہیں ہوتیں۔ اس کی ہر ایک پیشن گوئی پوری ہونے والی اور اس کا ہر ایک جز سچا ہوتا ہے۔ وہاں کذب اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی۔

دوسرے کبھی نجومی یا رمال کسی خاص شخص کے متعلق ایسی خبر نہیں دیتا۔ کہ جن کا بدلنا یا ٹلنا اس شخص کے اختیار میں ہو جس کے متعلق وہ پیشن گوئی کرنا چاہتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ صاف طور پر کسی خاص آدمی یا جماعت کے بارے میں یہ خبر دیتا ہے کہ وہ ایسا کریگا۔ باوجودیکہ وہ ایسی خبر ہوتی ہے کہ اگر وہ اسکو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے۔ اور اسکو اس پیشنگوئی کا علم بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ اس خبر کو پورا ہونے سے نہیں روک سکتا۔ اور وہ پیشن گوئی اسی طرح پوری ہو کر رہتی ہے جس طرح کہ حق تعالےٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ کاہن اور نجومی وغیرہ کسی خاص قوم یا جماعت کی قسمت کا فیصلہ قیامت تک کے واسطے نہیں کر سکتے۔ ان کے ذرائع معلومات چند قاعدے اور حسابات ہیں جو ایک خاص وقت کے متعلق کچھ ظاہر کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی قوم کے بارے میں زمانہ دراز کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

مگر خدا تعالیٰ کی پیشنگوئیوں کا حال بالکل اس سے جدا ہے۔ وہ قوموں کے مستقبل کا فیصلہ کرتا ہے۔ قریب اور بعید دور و نزدیک کی خبریں دیتا اور ہر زمانہ کے متعلق ایک قطعی حکم سناتا ہے اور وہ جو خبر دیتا ہے اس کا ہر جز صادق اور سچا ہوتا ہے۔ نجومی اور جفار کی طرح کوئی بات سچی اور کوئی جھوٹی نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہر ایک پیشنگوئی اور غیب کی خبر درست اور پوری ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں بھی جس قدر غیب کی خبریں اور آئندہ کے متعلق پیشنگوئیاں ہیں وہ ایسی قسم کی ہیں جن سے ان کا خدائی خبریں اور اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ باب الاخبار بما هو کائن سواء کان تغییره فی ابدی الناس اولا۔

یعنی وہ ان آنے والے حالات اور واقعات کا بیان جن کی اطلاع قرآن مجید میں وقت سے پہلے دیگئی اور ان میں سے ہر ایک پیشنگوئی اپنے وقت پر پوری ہوئی۔

ان پیشین گویوں میں بعض ایسی پیشنگویاں ہیں جن میں کسی قوم یا شخص کی فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا یا کسی جماعت کے متعلق شکست کی خبر دیگئی ہے اور ان میں ایسی پیشنگوئیاں بھی ہیں جن کا پورا کرنا یا نکرنا اور اسکو بدل دینا ان لوگوں کے اختیار میں تھا جن کی بابت وہ پیشنگوئی ہوئی تھی۔ اور بعض پیشنگویاں ایسی ہیں جن میں آنے والے واقعات کی قبل از وقت اطلاع دی گئی۔ اور وہ کچھ عرصہ کے بعد حرف بحرف پوری ہوئیں۔

ان تین قسم کی پیشین گویوں سے ہر ایک قسم کی پیشنگویاں الگ الگ تین فصلوں میں بیان کی جائیں گی۔

فصل (۱) ان پیشین گویوں اور غیب کی خبروں میں جن میں کسی قوم کی فتح اور شکست کی اسوقت خبر دی گئی جبکہ ایک جماعت کی فتح اور نصرت اور دوسرے کی شکست کے کوئی آثار یا نشانات موجود نہ تھے۔ مخالفین اس خبر پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں کستے تھے۔ لیکن عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ جو ضعیف تھا اور کمزور تھے۔ وہ طاقتور دشمنوں کے مقابلہ میں کیونکر فتح مند اور کامیاب ہوئے اور جنہیں اپنی قوت اور طاقت پر ناز تھا وہ

کس طرح ہمیشہ کے لئے رسوا اور ذلیل ہو گئے۔ اس قسم کی پیشین گوئیوں میں ایک پیشنگوئی یہ ہے۔

(۱) جب مکہ کی گلیوں میں محمد عربی صلعم نے حق کی آواز اٹھائی اور صفا پہاڑ کی چوٹی پر توحید کا جھنڈا بلند کیا تو درخت اور پتھروں کے پوجنے والوں میں کھلبلی اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ مکہ کے سرداروں نے مخالفت پہ کمر باندھی آپکے رسول ہونے سے انکار کیا اور قرآن کی آیتوں کو جھٹلایا۔ اس وقت خدا کے ایلچی حضرت محمد صلعم نے حق کے مخالفوں اور سچائی کے انکار کرنے والوں کو اس کا پیغام سنایا۔ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (اے مکہ کے رہنے والو) ہم نے تم سے پہلے ایسی جماعتوں کو ہلاک کیا ہے جو آنے والے رسولوں کی باوجود سچائی کی نشانیوں کے نافرمانی کرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ ہر مجرم اور نافرمان قوم کے ساتھ ہماری یہی عادت رہی ہے رسول کی مخالفت کرنے اور قرآن کی آیتوں کو جھٹلانے کے خطرناک انجام سے ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار انکو مطلع اور خبردار کیا گیا۔ لیکن ان کی عداوت اور سرکشی روز بروز بڑھتی رہی اب انہوں نے مسلمانوں کو ستانا اور توحید پرستوں کو ایذا دینی شروع کر دی۔ خدا کے سچے رسول کی ہنسی اڑاتے اور ان کو ایسی تکلیفیں دیتے۔ جو برداشت سے باہر ہوتیں۔ اس وقت ان کو ان تکالیف پر تسلی دینے اور ان سے فتح و نصرت کا وعدہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ

إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ع ۲۳

رسولوں کے حق میں ہمارا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ مظفر اور منصور ہوں اور ہمارا لشکر مخالفین پر غالب رہے (اے محمدؐ) آپ کچھ دن کے لئے ان سے اعراض فرمائے۔ یہ فتح اور کامیابی کی خوشخبری تھی۔ جو مسلمانوں کو سنائی گئی۔ مگر اس قسم کی پیشگوئیوں سے اہل مکہ کے غصّہ اور غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ ان کو زیادہ تکلیفیں دینے لگے۔ جب مسلمانوں کی مصیبتیں حد سے گذر گئیں اور غضب الٰہی نے کفار سے اس کا بدلہ اور انتقام لینا چاہا تو پیغمبر خدا اور ان کے متبعین کو مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کی ہدایت فرمائی۔ اور اہل مکہ کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کی پیشگوئی سنائی۔ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ترجمہ۔ قریب ہے کہ سرداران مکہ آپ کو برانگیختہ اور پریشان کر کے مکہ سے نکالیں۔ لیکن اس صورت میں وہ بھی دیر تک نہ رہیں گے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کی نبوت کو ظاہر ہوئے [1] ۱۱ برس ہو چکے تھے مگر مسلمان اسی طرح کمزور اور دشمن ان کے مقابلہ میں قوی تھے اور اس وقت اس امر کی کس کو اطلاع تھی۔ کہ مسلمان اس درجہ کمزور اور ضعیف ہونے کے باوجود کسی وقت اہل مکہ کے مقابلہ میں کامیاب ہونگے۔ [2] لیکن اس خبر کے ایک سال بعد بدر کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح اور کافروں کو سخت نقصان اٹھا کر بھاگنا پڑا۔

اس سے پہلے اسی فتح کے متعلق پیشگوئی ہو چکی تھی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ

---

[1] بیضاوی مطبوعہ مصر ص ۲۱۱ [2] بیضاوی

وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ؎ قریب ہے کہ کفاروں کی جماعت کو شکست ہو اور وہ پیٹھ دکھا کر بھاگیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مجھے اس بات کا بڑا تعجب تھا۔ کہ ضعیف اور کمزور مسلمان قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں کس طرح فتح مند اور کامیاب ہوں گے۔ مگر جس وقت بدر کے میدان میں لڑائی شروع ہونے سے پہلے رسالت پناہ صلعم کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا تو اس وقت سمجھا کہ یہ آیت اسی دن کے لئے اتری تھی اور اس پیشنگوئی کے پورے ہونے کا یہی وقت ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ مکہ میں سورۃ دخان کی یہ آیت یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ؎ جس دن ہم اہل مکہ سے سخت پکڑ کے ساتھ بدلہ لیں گے جنگ بدر کے متعلق فتح کی خبر دینے کے واسطے نازل ہوئی تھی۔

غرض اس قسم کی آیتوں کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلعم نے مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو اس بات کی خبر دی؎ کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں سے مکہ کے بڑے بڑے سردار ہلاک اور قتل کئے جاویں گے۔

پھر بدر؎ کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے یہ بھی بتا دیا کہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سرداران مکہ کے قتل ہونے کی فلاں فلاں جگہ ہے۔ حضرت انسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں۔ کہ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے دیکھ لیا۔ کہ ہر ایک کی لاش اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جس جگہ نبی کریم صلعم نے نشان لگایا تھا۔

چونکہ ان پیشنگوئیوں کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا تھا اور خدا نے جو مسلمانوں سے فتح و نصرت کا وعدہ کر رکھا تھا اس کے پورے ہونے

؎ ابن کثیر و معالم وغیرہ ؎ بخاری جلد ؎ درّ منثور ؎ مسلم ؎ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۳

اب دیر نہ رہی تھی اس لئے بدر کے میدان میں دونوں طرف کے لشکروں کا دفعتہً
اور اچانک مقابلہ ہوگیا۔ ابوجہل کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ اور وہ مسلمانوں کا
استیصال اور انکو صفحہ ہستی سے مٹانے کی غرض سے آیا تھا۔ ادہر مسلمانوں کی جمعیت
بالکل تھوڑی تھی۔ ان کے پاس لڑائی کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ وہ اپنی کمزوری اور
دشمن کی طاقت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے لیکن جب خدا کے رسول نے جنگ
کرنیکا مشورہ دیا۔ فتح اور کامیابی کی خوشخبری سنائی تو مسلمان توکل بخدا اپنے سے
کہیں زیادہ طاقتور دشمن کے مقابلہ میں شیروں کی طرح میدان میں کود پڑے
مسلمانوں کی ساری جمعیت تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی۔ ۷۰ اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ
دو دو چار چار آدمیوں کے حصہ میں آیا ہوا تھا۔ جس پر وہ باری باری سے سوار ہوتے تھے
لڑائی کے سامان میں ۶ زرہیں اور ۸ تلواریں ان کے پاس تھیں دو گھوڑے تھے
جو اپنے اپنے مالک مرثد بن مرثد اور مقداد بن عمرو کے قبضہ میں تھے۔ مشرکین کی
تعداد ۹ سو اور دس سو کے درمیان تھی۔ جو سب کے سب جنگ آزما بہادر اور
نوجوان تھے۔ ان کے پاس سو گھوڑے تھے۔ جن میں سے تیس پر مسلمانوں کا قبضہ
ہوگیا اور ۷۰ بچکر مکہ پہنچے۔ سات سو اونٹ سواری کے تھے۔ اس کے علاوہ
تقریباً وہ پانچ دن بدر کے میدان میں ٹھہرے۔ ہر روز نو یا دس اونٹ ذبح
کرتے تھے۔ مگر ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں مسلمان کامیاب رہے اور
مخالفین سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہوئے اور ان کے ۷۰ آدمی قید اور ۷۰ ہی
نامور سردار تلوار کے گھاٹ اتارے گئے مسلمانوں کے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے
قرآن کا وعدہ پورا ہوا اور مسلمان باوجود ضعیف اور کمزور ہونے کے قوی

لہ تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ تفسیر ابن کثیر ماخوذ از تاریخ ابن خلدون و سیرت ابن ہشام تفسیر ابو السعود وغیرہ

اور طاقتور دشمن کے مقابلہ میں فتحمند اور کامیاب ثابت ہوئے۔

(۲) ۸ رمضان سنہ ۲ ھ کو مدینہ میں یہ خبر پہونچی کہ مکہ والوں کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں تجارت کر کے شام سے مکہ کی طرف جا رہا ہے مسلمانوں نے ان کا راستہ روکنا چاہا۔ اور نبی علیہ السلام اس ارادہ سے رمضان کی آٹھویں تاریخ کو ۳۱۳ آدمی لیکر مدینہ سے باہر نکلے لیکن ابوسفیان کو مسلمانوں کے اس ارادہ کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دیکر مکہ والوں کے پاس مدد کیلئے بھیجا۔ اور اپنے آپ مدینہ کا راستہ چھوڑ کر دریا کے کنارے کنارے سلامتی کے ساتھ صاف نکل گیا۔

اہل مکہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو وہ ایک ہزار کی جمعیت لیکر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ ہونے کے لئے مدینہ کی طرف چل پڑے۔

اگرچہ[1] راستہ میں انکو یہ علم ہو چکا تھا۔ کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی بخیر و عافیت مکہ پہونچ چکے ہیں چنانچہ بعضوں نے واپسی کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن ابوجہل نے یہ کہکر اس مشورہ کو رد کر دیا۔ کہ آج ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کا استیصال کر کے واپس ہونگے۔

غرض اہل مکہ منزلیں طے کرتے ہوئے بدر کے میدان میں پہونچکر ٹھہر گئے مسلمان جو بہت تھوڑی جمعیت کے ساتھ آئے تھے۔ جن کے پاس لڑائی کا سامان بھی کافی نہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ تجارتی قافلہ بچکر نکل گیا ہے اور اسکی جگہ ایک قوی اور زبردست دشمن سامنے ہے۔ تو مسلمان لڑائی سے جی چرانے لگے۔ اور چاہتے تھے کہ بغیر مقابلہ کئے مدینہ واپس چلے جائیں

[1] تفسیر ابن کثیر و تاریخ ابن خلدون [2] تفسیر کبیر

اس وقت مسلمانوں کو فتح اور کامیابی کی خوشخبری سنانے کے لئے یہ آیت اتری۔ اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم ۔ ۹ ع ۵ ۔ اللہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ دو جماعتوں میں ایک جماعت پر تمہارا ضرور غلبہ ہوگا۔ اگر کمزور اور نہتے تمہارے ہاتھ سے بچکر نکل گئے ہیں تو دوسری جماعت کے مقابلہ میں جو قوی اور زبردست ہے یقیناً تمہیں فتح حاصل ہوگی۔

دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ قرآن کا یہ وعدہ طاقتور دشمن کے مقابلہ میں کس طرح پورا ہوا۔ ضعیف اور کمزور ہاتھوں نے کیونکر قوی اور زبردست دشمنوں کا سر کچلا۔ اگر یہ وعدہ حضرت محمد صلعم کی طرف سے ہوتا تو وہ اس بے سروسامانی میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ اور نہ ان میں اس وعدہ کو پورا کرنیکی کوئی ظاہری طاقت تھی معلوم ہوا کہ یہ وعدہ خدا ہی کا وعدہ تھا اور اسی نے یہ آیت نازل کی تھی۔

(۳) مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ آباد تھے۔ اور انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے۔ تو انصار کے دونوں قبیلے مسلمان ہوگئے اور یہودی اسی طرح اپنے دین پر قایم رہے۔ یہودیوں نے ایک مدت کے لئے رسول خدا صلعم سے اس بات پر صلح کرلی۔ کہ فریقین میں سے کوئی جماعت دوسرے فریق کی مخالفت نہ کرے اور نہ مخالفین کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لے۔ ایک دن رسول خدا صلعم نے بدر کی مہم سے فارغ ہوکر بنی قینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور انکے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتے

سلہ رواہ ابن کثیر عن ابن عباس۔ مغازی ابن اسحاق سیرۃ ابن ہشام وغیرہ۔

ہوئے فرمایا کہ خدا کے سچے دین کو اختیار کرو۔ ورنہ تم بھی اہل مکہ کی طرح تباہ اور ہلاک کر دئے جاؤ گے۔

یہودی[1] جو مسلمانوں کی فتح اور کامیابی پر پہلے ہی بہرائے ہوئے تھے یہ بات سُنکر آگ بگولہ ہو گئے اور سختی کے ساتھ جواب دیتے ہوئے یہ کہا کہ اے محمد (صلعم) چند ناتجربہ کاروں کے مقابلہ میں کامیاب ہو جانے سے آپ مغرور نہ ہوں۔ اگر کہیں ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہو گیا تو تمہیں اپنی قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ مگر قرآن میں ان کی تعلی کا یہ جواب دیا گیا قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ[2] پ ۳ ع۱۰۔ اے محمدؐ کافروں سے کہدو کہ تم عنقریب مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب کئے جاؤ گے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہودیوں کے مقابلہ میں فتح اور نصرت کی خبر دیگئی۔ اور یہ بتایا گیا کہ جب کبھی مسلمان اور یہودیوں کی جنگ ہوگی تو مسلمان ہی غالب رہیں گے۔

اس پیشنگوئی کو نازل ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ یہودیوں[3] نے بنی قینقاع کے بازار میں ایک غریب مسلمان کو جان سے مار ڈالا۔ اور معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ مسلمان عورت کی اس بازار میں یہودیوں نے بے عزتی اور پردہ دری کی تھی۔

غرض جب یہودیوں نے عہد شکنی میں ابتدا کی اور معاہدہ کو توڑ ڈالا تو اس وقت مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ

[1] ابن خلدون ص۱۰ [2] بیضاوی تفسیر ابن کثیر [3] ابن خلدون

الخائنین ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا انہم لا یعجزون ت ۳-ع ۴ - اگر آپ کسی قوم کی عہد شکنی سے ڈریں۔ توان کے عہد کو پھینک دیجئے۔ اللہ تعالےٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کافروں کی جماعت اس خیال میں نہ رہے کہ وہ خدا سے بچکر نکل جائے گی وہ اپنے پکڑے جانے سے اللہ کو کبھی عاجز نہیں کرسکتے۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر بتادیا۔ کہ یہودیوں کی طاقت اور قوت ان کو خدا کی مقرر کردہ سزا سے جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے دیجانے والی ہے نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب مسلمان اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان سے لڑنے کے لئے بنو قینقاع کے محلوں میں پہنچے جو مدینہ کے اطراف اور جوانب میں تھے۔ تو یہ قوم اپنے گھروں میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہی۔ چونکہ یہ واقعہ جنگ بدر کے دو یا اڑھائی مہینہ بعد ہوا تھا اسلئے مسلمانوں کی حالت بدر کی طرح کمزور اور ضعیف تھی اس کے خلاف یہودیوں میں ۷۰۰ آدمی جنگجو اور تین سو زرہ پوش جوان تھے۔ لیکن باوجود ان تمام و قعات کے اس جماعت کو مسلمانوں سے لڑنے اور ان سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا مسلمانوں نے پندرہ روز تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ سولھویں دن یہودیوں نے محاصرہ سے تنگ آکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کردیا۔ جب یہودیوں کی مشکلیں باندھ کر رسول اللہ صلعم کے سامنے لائی گئیں۔ تو آپ نے ان پر رحم فرمایا اور انکو قتل کرنے کا حکم نہ دیا۔ صرف اتنی سزا دی۔ کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلے جائیں چنانچہ یہاں سے اٹھ کر وہ خیبر چلے گئے۔ [1]

---

[1] ابن خلدون

اور وہیں جا کر آباد ہو گئے۔ قرآن نے جو مسلمانوں کے غلبہ کی خبر دی تھی وہ پوری ہوئی۔ یہودیوں کی طاقت اور قوت اس پیشنگوئی کو پورا ہونے سے نہ روک سکی۔

(۴) بدر کی لڑائی میں جو کافروں کو شکست اٹھانی پڑی۔ اس کا مکہ والوں کو سخت رنج تھا۔ وہ مسلمانوں سے اس ہزیمت کا بدلہ لینے کیلئے نہایت بے چین تھے۔ انہوں نے ایک سال تک مقابلہ کی تیاری کی۔ جب ان کے پاس اطمینان کے قابل مال و دولت اور لڑائی کا سامان جمع ہو گیا تو وہ شوال[1] سنہ ۳ھ کو رسول خدا صلعم سے لڑنے کے لئے مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔ اس دفعہ مکہ والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں سے سات سو زرہ پوش جوان اور بہادر اور دو سو سوار تھے۔ ابوسفیان لشکر کا سپہ سالار تھا۔ ان کے ساتھ ۱۵ عورتیں دف لئے ہوتی تھیں۔ جو بدر میں قتل ہونے والوں پر روتیں اور انکو لڑائی پر ابھارتیں اور غیرت دلاتی تھیں۔ یہ پیدل اور سواروں کا گروہ ۱۲ شوال سنہ ۳ھ بدھ کے دن احد پہاڑ کے نزدیک ذوالحلیفہ (بطن سبخہ) میں پہونچکر ٹھہر گیا۔ نبی علیہ السلام کو بھی اس لشکر کے آنے کی خبر ہو گئی۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کرکے ان سے بطور مشورہ فرمایا۔ کہ مدینہ میں قلعہ بند ہوکر لڑنا میرے خیال میں باہر جا کر لڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ الضار میں سے اکثر لوگوں نے اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا۔[2] آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک گائے ذبح کی ہوئی میرے پاس پڑی ہے

[1] ابن خلدون سنہ ۱۴۷، خلدون نے ۱۴ تاریخ لکھی ہے مگر عام اہل سیر اور مفسرین ۱۲ شوال لکھتے ہیں
[2] ابوالسعود جلد ۲ صفحہ ۳۷

جو بہترائی اور خیر کی علامت ہے اور میں نے دیکھا۔ کہ میری تلوار کند ہو گئی۔ اور اس میں دندانے پڑ گئے ہیں۔ جن کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں ہزیمت اٹھانی پڑے گی۔ پھر یہ بھی دیکھا۔ کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں چھپا لیا ہے۔ وہ زرہ مدینہ ہے۔ اس لئے مدینہ میں رہنے سے میرے نزدیک امن رہے گا۔ اور اس سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے لیکن بعض جوشیلے اور نوجوان مسلمانوں نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ وہ مدینہ سے باہر میدان میں نکل کر لڑنا چاہتے تھے۔ نعمان بن مالک انصاری نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ ہمیں درجہ شہادت کے حاصل کرنے سے نہ روکئے اور کھلے میدان میں کافروں سے لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ رسول خدا صلعم نے ان لوگوں کے اصرار پر میدان میں لڑنے کا فیصلہ کر لیا[1]۔ چنانچہ آپ سات سو آدمیوں کی جمعیت لیکر ۱۴ شوال سنہ ۳ھ کو بعد نماز جمعہ مدینہ سے باہر نکلے۔ اس مہینہ کی پندرہویں تاریخ کو ہفتہ کے دن صبح سویرے اُحد پہاڑ کی ایک گھاٹی کے قریب اتر پڑے۔ مسلمانوں کے اس لشکر میں پچاس تیر انداز اور پچاس سوار تھے۔ اور باقی ساری فوج پیدل تھی[2]۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کو فتح اور کامیابی کی خبر دینے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِہِمْ هٰذَا۔ یعنی اگر تم نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کی۔ تو تمہاری کامیابی یقینی ہے۔ پیغمبر خدا صلعم نے بھی درہ کی حفاظت کے لئے تیر اندازوں[3] کی جماعت کو متعین کرتے ہوئے فرما دیا تھا۔ کہ ہم اس

[1] تفسیر ابو السعود و ابن خلدون [2] رواہ ابن کثیر فی تفسیرہ [3] ابو السعود صفحہ ۲۴۳

وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اس درہ کو نہ چھوڑو گے۔ چونکہ اس جنگ میں فتح اور نصرت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھا۔ کہ اگر مسلمان رسول خدا صلعم کے حکم پر چلتے رہے اور ان کی نافرمانی نہ کی تو کامیابی کا سہرا مسلمانوں کے سر رہے گا۔ ورنہ وہ فتح اور نصرت کی خوشی سے محروم کر دئے جائیں گے اس لئے اس پیشگوئی کے دو حصے ہو گئے تھے۔ (الف) اطاعت اور فرمانبرداری کی صورت میں فتح اور کامیابی (ب) رسول خدا صلعم کے حکم کو نہ ماننے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے شکست کا ہونا یہ دو پیشگوئیاں تھیں جو اس جنگ میں پوری ہوئیں۔ چنانچہ جب رسول خدا صلعم اپنی جماعت کے ساتھ اُحد پہاڑ کے قریب اترے تو پچاس تیر اندازوں کی جماعت کو درہ کی حفاظت کیواسطے متعین فرمایا۔ تاکہ مخالفین کا لشکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔ اور عبداللہ بن جبیر کو اس جماعت کا افسر مقرر کر دیا اور فرمایا۔ کہ ہماری خواہ فتح ہو یا شکست۔ مگر تم اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا اور آپ ساڑھے چھ سو کی جمعیت لے کر آگے بڑھ گئے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ اور لڑائی شروع ہو گئی۔ تو تین چار گھنٹے تک نہایت خون ریز جنگ ہوتی رہی۔ ابو دجانہ جن کو رسول خدا صلعم نے اپنی تلوار مرحمت فرمائی تھی۔ حضرت علیؓ اور امیر حمزہؓ اور دیگر اصحاب کبار کا ایک گروہ لڑتا ہوا کافروں کے لشکر میں گھس گیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا اور قریش اور لشکر کے سرداروں کو مار آیا اس جرأت اور بہادری کو دیکھکر کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اللہ جل شانہ نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کی مدد کی۔ مگر

والوں کو شکست ہوئی۔ عورتیں بھاگ بھاگ کر ٹیلوں پر جا چڑھیں جب تیراندازوں[1] کی جماعت نے جو درہ پر متعین تھی۔ کافروں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو ان کا مال اسباب لوٹتے ہوئے دیکھا۔ تو کہنے لگے۔ کہ لڑائی ختم ہوگئی۔ کفار بھاگ رہے ہیں۔ ہمیں یہاں بیٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمیں بھی مال غنیمت لوٹنا چاہیئے۔ افسر نے ان کو ہرچند روکا مگر ان میں سے ۳۰ آدمی نیچے اتر آئے۔ خالد[2] بن ولید جو مکہ والوں کی طرف سے لشکر کے ایک حصہ کی کمان کر رہا تھا۔ جب اس نے درہ کو محافظین کی جماعت سے خالی دیکھا تو وہ دو سو آدمیوں کی جمعیت لیکر اوپر چڑھ گیا۔ اور ان باقی ماندہ بیس آدمیوں سے لڑنے لگا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے تیراندازوں کی جماعت کو خالد سے لڑتے ہوئے دیکھکر موقعہ کو غنیمت جانا۔ اور مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ادھر خالد بن ولید بھی تیر اندازوں کی جماعت کو شہید کرکے عکرمہ سے آملا۔ ابوسفیان نے جب رنگ بدلا ہوا دیکھا۔ تو اس نے بھی سامنے سے حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور جن مصائب میں مسلمانوں کو مبتلا ہونا تھا ہوگئے اور اس طرح ان کی فتح شکست سے بدل گئی۔ یہ اسی نافرمانی کا نتیجہ تھا۔ جو انھوں نے نبی علیہ السلام کے حکم کے خلاف درہ کو چھوڑنے میں کی تھی اور لڑنے والوں کی جماعت میں بغیر ان کی مرضی کے آملے تھے۔ باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ اور لڑائی کا سامان ان کے پاس مکہ والوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑا تھا۔ لیکن جب تک انہوں نے کوئی کام رسول خدا صلعم کے خلاف

[1] تفسیر ابن کثیر بیضاوی خازن معالم وغیرہ۔ [2] یہ وہ خالد ہیں جو اسلام لانے کے بعد اکثر اسلامی جنگوں میں مسلمان فوجوں کے سپہ سالار رہے ہیں۔

نہیں کیا تھا۔ وہ طاقت ور دشمن کے مقابلہ میں کامیاب رہے اور جب ان کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ تو اس کے لیے مصیبتوں کا سامنا ہوگیا اور یہی پیشنگوئی تھی۔ اگر یہ پیشنگوئی خدا کی طرف سے نہ ہوتی۔ تو اس طرح ترتیب کے ساتھ حرف بحرف کبھی پوری نہ ہوتی ٭

(۵) سنہ ایک مسلمان کے ہاتھ سے دو یہودیوں کا قتل غلطی سے ہوگیا۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ مخالف جماعت کے لوگ ہیں اور وہ درحقیقت بنی نضیر کی قوم کے آدمی تھے۔ جن سے نبی علیہ السلام کا معاہدہ ہوچکا تھا جب آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو آپ ان دونوں مقتولوں کا خون بہا اور دیت دینے کے واسطے بنی نضیر کے قبیلے میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور علیؓ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ رسول خدا صلعم نے اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی۔ اور دیت پیش کردی۔ بنی نضیر نے یہ سنکر کہا۔ کہ آپ اس دیوار کے سایہ میں تشریف رکھیں۔ ہم اپنی قوم سے اس کے متعلق مشورہ کر کے تھوڑی دیر میں آپ کو جواب دیتے ہیں حضور علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت دیوار کے سائے میں جا بیٹھے بنی نضیر نے ایک آدمی کو جسکا نام عمرو بن محاسن تھا۔ اشارہ کیا کہ دیوار کے اوپر سے ایک بڑا سا پتھر ان چاروں پر گرا دے۔ حق تعالےٰ نے بذریعہ جبرئیل امین اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اور اس غداری اور بدعہدی کی سزا دینے کے لئے ان سے لڑنے کی تیاری شروع کردی۔ قرآن مجید میں یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح

اور نصرت کی خبر دیتے ہوئے کچھ عرصہ پہلے یہ خبر دی گئی تھی۔
وان یقاتلوکم یولوکم الادبار ثم لا ینصرون پ ۴ ع ۳
اگر وہ کبھی تمہارے مقابلہ پر لڑنے کے لئے آئیں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگینگے پھر ان کی کبھی مدد نہ کی جاوے گی۔ ادہر سورت حشر میں جو خاص طور پر بنی نضیر کے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس پیشین گوئی کو دہراتے ہوئے یوں فرمایا تھا۔ ولئن نصروهم ليولن الادبار ثم لا ينصرون پ ۲۸ ع ۳ اگر منافقین یہودیوں کی مدد کریں گے۔ تو سب کے سب تمہارے مقابلہ میں پشت دکھا کر بھاگیں گے۔ اور پھر کبھی ان کی مدد نہ کی جاوے گی۔ چونکہ ان پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آگیا تھا اس لئے ربیع الاول سنہ ۴ ہجری[1] نبی علیہ السلام مسلمانوں کی جمعیت لیکر قبیلہ بنی نضیر میں پہنچے۔ بنی نضیر کو اپنے استحکامات پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے انہوں نے میدان میں جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ قلعہ کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ مسلمانوں نے چھ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور جب ساتواں دن ہوا۔ تو یہودیوں نے صلح کی درخواست دی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے۔ لیکن وہاں کی حفاظت کے ساتھ ہمیں اس قدر مال لے جانے کی اجازت دیجائے۔ جتنا کہ ایک اونٹ پر آسکے۔ پیغمبر خدا صلعم نے از روئے ترحم ان کی اس درخواست کو منظور فرما لیا اور یہ پیشین گوئی بھی وعدہ الٰہی کے موافق اس طرح پوری ہو گئی ٭

[1] ابن خلدون وبخاری

(۲) ابوسفیان[۱] مختلف قبیلوں کے دس ہزار آدمی لے کر شوال ۵ھ ہجری
کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور اُحد پہاڑ کے سامنے
جاکر ٹھیر گیا۔ بنی قریظہ جو قوم کے یہودی اور مسلمانوں کے ابھی تک وفادار
اور حلیف تھے۔ اہل مکہ کی کثرت اور غلبہ کو دیکھکر ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور
مسلمانوں کے عہد کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ ان کے مل جانے سے مخالفین
کی تعداد ۱۲ ہزار کے قریب پہونچ گئی۔ لڑائی کا سامان بھی ان کے
پاس کافی ہوگیا۔ اب مکہ والوں نے مدینہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا
نبی اکرم صلعم بھی ۸ ذیقعدہ کو تین ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے باہر مقام
سلع میں اُحد کے قریب پہونچکر اتر پڑے۔ لیکن مسلمانوں نے دشمنوں
کی آمد سنکر پہلے ہی مدینہ کے اردگرد خندق کھود رکھی تھی جس کے کھودنے
اور مٹی وغیرہ کے اٹھانے میں نبی علیہ السلام بھی عام مسلمانوں کے ساتھ شریک
تھے اس لئے دونوں لشکروں کے درمیان خندق حایل رہی۔ مدینہ سے
باہر احد کی طرف مکہ والے اور خندق کے دوسری طرف مدینہ کی جانب
مسلمانوں کا لشکر تھا۔ مسلمانوں کی حالت اس غزوہ میں اس درجہ ضعیف
اور کمزور تھی۔ کہ دشمنوں کے حملے سے بچنے اور جان سلامت لے جانے
کی مسلمانوں کو مطلق امید نہ رہی تھی۔ بعضوں کا خیال تھا۔ کہ آج
اسلام کا نام صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔ ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہوئی
تھی۔ بہت آدمی ایسے تھے۔ جنہوں نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر
باندھ رکھے تھے۔ رسول خدا صلعم کو کئی دن تک فاقہ تھا۔ آپ کے پیٹ

[۱] بیضاوی ابن خلدون وغیرہ

بھی دو پیھر بندھے ہوئے تھے۔ اس خستہ حالی[1] اور مایوسی کے وقت مسلمانوں کو تسلی دینے اور فتح کی خوشخبری سنانے کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۔ پ ۲ ع ۱۰

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ بغیر تکلیف اٹھائے تم جنت کے حقدار بن جاؤ گے ہرگز نہیں تم سے پہلے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں گزری ہیں ان کو بھی دین حق کے پھیلانے میں سخت مصیبتیں اٹھانی پڑی ہیں۔ جس سے ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ اور وہ وعدہ الٰہی کو بھلا بیٹھے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد خدا نے ان کی مدد فرمائی۔ اس طرح تم سے بھی خدا کی نصرت اور مدد دور نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام[2] نے بھی مخالفین کے جمع ہونے سے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ کہ قبائل عرب کے جمع ہونے سے پہلے تمہیں سخت تکلیفیں پہونچیں گی لیکن انجام تمہارے حق میں ہوگا۔ اس قسم کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ اونہوں نے اپنی کمزوری اور ضعف کی طرف نظر نہ کی۔ اور خدا[3] کے بھروسہ پر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ طرفین کے لشکر خندق کی وجہ سے ایک دوسرے کے پاس نہیں پہونچ سکتے تھے اس لئے دست بدست لڑائی کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ البتہ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ اور ایک دوسرے پر پتھر پھینکتے رہے۔ کفار نے تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا مگر ان کو اس محاصرہ سے خاطر خواہ فایدہ

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲ [2] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ [3] ابن خلدون، سیرت ابن ہشام

نہ پہنچا۔ بلکہ اس عرصہ میں ان کے اندر پھوٹ پڑ گئی اور کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا۔ بنی قریظہ نے بھی گروہوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور یہ پہلی غیبی امداد تھی جو مسلمانوں کو قدرتی طور پر نصیب ہوئی۔ نیز[1] انہی دنوں میں ایک رات جبکہ سردی پڑ رہی تھی اور اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ سخت آندھی چلی جس کا اثر مشرکین کے لشکر تک محدود رہا۔ اور مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس آندھی سے مشرکین کے خیمے الٹ گئے ان کی آگ بجھ گئی۔ آدمی اڑ گئے۔ بعضوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر یا زمین پر لیٹ کر جانیں بچائیں۔ جانور تتر بتر ہو کر کہیں سے کہیں چلے گئے اسی بدحواسی میں طلحہ بن خویلد اسدی نے جو کافروں کے لشکر میں ایک سردار تھا پکار کر کہا۔ اما محمد فقد بدأکم بالسحر فالنجاء فالنجاء۔ محمد صلعم نے تم پر جادو کر دیا ہے بھاگو بھاگو۔ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں نے مشکل اسباب باندھا اور مکہ کا راستہ لیا۔ اہل مکہ اور دوسرے قبیلے سفر کی صعوبتیں اور مسافت کی تکلیفیں اٹھا کر بے نیل مرام ذلت اور رسوائی کے ساتھ بھاگے اور مسلمانوں کو ذرہ برابر نقصان نہ پہونچا سکے۔ اور یہی خدا کا وعدہ تھا۔ جو آخر کار پورا ہوا۔

[2] مدینہ کے یہودیوں میں سے جن جن قبیلوں نے مسلمانوں سے بدعہدی کی تھی اور وہ اپنی سزا کو پہونچ چکے تھے۔ بنی قریظہ ہی ایک ایسی جماعت تھی جو ابھی تک اپنے عہد پر قائم تھی اور جس نے مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ لیکن جب عرب کے مختلف قبیلے مدینہ پر چڑھ کر آئے تو یہ جماعت مشرکین کے ساتھ مل گئی۔ اس عہد شکنی کی سزا دینے کے واسطے رسول خدا صلعم

[1] تفسیر بیضاوی صہ ۱۶۱ و سیرۃ ابن ہشام و ابن خلدون۔

مسلمانوں کا لشکر لیکر عصر کے وقت بنی قریظہ کے محلوں میں پہونچے۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو دیکھکر قلعہ میں پناہ لی اور اس کا دروازہ بند کر لیا۔ خدا نے ان واقعات کے ظاہر ہونے سے ایک عرصہ پہلے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ ان کو تمام یہودیوں کے مقابلہ میں فتح اور کامیابی دیجائے گی۔ اور اس وعدہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ[1] اے محمد اللہ تعالےٰ یہودیوں کے مقابلہ میں آپ کے لئے کافی ہے۔ جس کی تصدیق بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی اور شکست سے ہو چکی تھی۔ لیکن ابھی تک بنی قریظہ باقی تھے جن پر کامیاب ہونے سے وعدہ الٰہی کی تکمیل ہونے والی تھی۔ اس لئے مسلمانوں نے جنگ کو جاری رکھتے ہوئے قلعہ کا محاصرہ کر لیا پچیس روز تک محاصرہ جاری رہا۔ چھبیسویں دن بنی قریظہ نے حصار سے گھبرا کر اپنی قسمت کا فیصلہ سعد بن معاذؓ کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ سعد بن معاذ انصاری نے جو قبیلہ اوس کے سردار اور اسلام لانے سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف اور دوست تھے۔ قتل کا فیصلہ کیا چنانچہ ان کی گردنیں ماری گئیں۔ عورتیں اور بچے قید کر دئے گئے۔[2] جب یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس وقت کس کو یقین تھا۔ کہ ضعیف اور کمزور مسلمان اتنی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کسی دن کامیاب ہوں گے۔ مگر چونکہ یہ وعدہ کسی انسان کا نہیں تھا۔ بلکہ خدا کا وعدہ تھا۔ اس لئے پورا ہو کر رہا۔

(۸) ذی قعدہ ۶ھ کی پہلی تاریخ کو پیر کے دن نبی علیہ السلام بیت اللہ کی زیارت کرنے کے واسطے مدینہ سے باہر نکلے۔ تقریباً پندرہ سو آدمی آپ کے

[1] مدارک [2] فتح الباری

ساتھ تھے۔ مدینہ سے تین میل باہر ذوالحلیفہ میں آپ نے احرام باندھا اور مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اگرچہ مسلمانوں کا ارادہ لڑائی کا نہیں تھا۔ مگر جب مکّہ والوں کو اس کا علم ہوا۔ تو وہ مکہ میں داخل ہونے سے مانع ہوئے۔ اور حدیبیہ میں جو مکہ سے ۱۲ میل فاصلہ پر ایک گاؤں تھا۔ آکر ان کو روک لیا۔ مسلمان پہلے ہی سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے طرفین میں دس سال کے واسطے صلح ہوگئی۔ صلح کی دس شرطیں تھیں۔ جن میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آکر زیارت کریں اور تین دن تک مکہ میں ٹھیریں۔ اس قسم کی اور بھی چند شرطیں تھیں۔ جن میں مسلمانوں کا پہلو دبا ہوا تھا۔ جس لئے مسلمان ایسی شرطوں پر صلح ہونے سے رنجیدہ تھے۔ حضرت عمرؓ بھی دبکر صلح کرنا پسند نہیں کرتے تھے مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مصالح اور حکمتوں کے سامنے جو آگے چل کر درست اور صحیح نکلیں خاموش ہو گئے۔ رسول خدا صلعم نے صلح سے فارغ ہوکر ذی الحج کے شروع میں مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ ابھی آپ راستہ ہی میں تھے۔ کہ سورۃ فتح نازل ہوگئی۔ اس سورۃ میں مسلمانوں کو مکہ اور خیبر دونوں کے فتح ہو جانے کی خوشخبری سنائی گئی۔ وہ آیت جس میں خیبر کے فتح ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ تھی۔ اَثَابَہُمْ فَتْحاً قَرِیْباً وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَہَا ۲۶ع۔ اللہ مسلمانوں کو ایک قریب زمانہ میں فتح عنایت فرمانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جس میں وہ بہت سا مال غنیمت حاصل کریں گے۔ اسی سورت میں اس زمانہ کی قربت اور نزدیکی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت بیان فرمائی۔ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحاً قَرِیْباً

ل سیرۃ حلبی۔ بیضاوی

پ ۲۶ ع ۱۲ - اللہ نے مکہ داخل ہونے سے پہلے اس فتح کا وقت مقرر کر رکھا ہے یعنی اگلے سال جبکہ تم بیت اللہ کی زیارت کرنے کے واسطے مکہ میں داخل ہو گے۔ اس سے پہلے تمہیں ایک زبردست فتح حاصل ہوگی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس مہینہ کے اخیر میں مدینہ منورہ پہونچے۔ بیس محرم ۷ھ تک آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ [1] ۲۱ محرم کو مسلمانوں کی اس جماعت کو لیکر جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھی [2] خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پندرہ [3] سو کی جمعیت تھی جس میں دو سو سوار اور باقی پیادہ تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر خیبر میں داخل ہوا اور یہودیوں کو ان کے آنے کی خبر ہوئی۔ تو وہ قلعہ بند ہو کر لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے بھی جنگ شروع کر دی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ تقریباً ۱۵ روز کے بعد تمام قلعے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ بہت سے یہودی جنگ میں مارے گئے اور بقیۃ السیف نے مسلمانوں کی سیادت تسلیم کرتے ہوئے صلح کر لی۔ مسلمانوں [4] میں سے صرف بیس آدمی شہید ہوئے اور باقی مسلمان بہت سا مال غنیمت اور قیدی لیکر مدینہ کی طرف واپس ہوئے قرآن میں جو فتح اور نصرت کا وعدہ ڈیڑھ مہینہ پہلے مسلمانوں سے ہوا تھا اور کہا تھا کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ فتح ہو جائیگی۔ ویسا ہی ہوا ٭

[1] سیرت حلبی [2] خیبر مدینہ سے ۹۶ میل پر شام کی جانب ایک بڑا شہر ہے اس زمانہ میں اکثر آبادی یہودیوں کی تھی اس شہر میں پانچ زبردست اور مضبوط قلعے تھے جن پر الگ الگ رئیسوں کا قبضہ تھا۔ غزوہ خندق میں عرب کے مختلف قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنے اور ان کے ساتھ مل کر مدینہ پر چڑھائی کرنے والے خیبر کے رہنے والے یہودی تھے ان کو اس شرارت کی سزا دینی بھی ضروری تھی اس لئے رسول خدا صلعم کو اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ماخوذ از سیرۃ حلبی

[3] ابن خلدون۔

[4] ابن خلدون

(۹) صلح حدیبیہ میں جن شرطوں پر اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت ہوئی تھی۔ ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں کوئی جماعت دوسرے کے حلیف کے خلاف تلوار نہ اٹھائے۔ مکہ والوں کے حلیف بنو بکر اور مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے لوگ تھے۔ قبیلہ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں پرانی دشمنی تھی۔ مدت سے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑتے چلے آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد ان دونوں جماعتوں میں ایک آدمی کے قتل ہو جانے پر جنگ چھڑ گئی۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس حملہ میں اہل مکہ نے بنو بکر کے ساتھ شرکت کی۔ باوجودیکہ انہیں صلح حدیبیہ کے رو سے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن انہوں نے معاہدہ کی پابندی کا کوئی خیال نہ کیا۔ جب اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد بنو خزاعہ کے چند آدمی نبی علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔ بنو بکر کے ظلم و ستم اور قریش کی عہد شکنی کی شکایت کی اور آپ سے امداد کے طالب ہوئے۔ تو اس وقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۔ ت

یعنی انہوں نے عہد شکنی میں ابتدا کی ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مسلمانوں کو خدا کے سوا کسی کا ڈر دل میں نہ رکھنا چاہیئے۔ ان سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا۔ رسوا اور ذلیل کرے گا اور ان کے مقابلہ

ف۔ تاریخ ابن خلدون

میں تمہاری مدد کریگا۔ جس سے مسلمانوں کے دل ٹھنڈے اور مصیبت زدوں کا غم دور ہوگا۔ یہ مکہ فتح ہو جانے کی خوشخبری تھی۔ جو مسلمانوں کو اہل مکہ کے خلاف جنگ پر اُبھارتے ہوئے سنائی گئی۔ اس سے پہلے حدیبیہ کی صلح سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ کے رستہ میں سورۂ فتح نازل ہو چکی تھی جس میں اس فتح کا وعدہ اسطرح کیا گیا تھا۔ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً ع ۲۶ ہم نے اے محمد صلعم آپ کو کھلی ہوئی فتح عنایت فرمائی ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلعم دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر رمضان ۸ھ ۶۲۹ء کی دسویں تاریخ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رسول خدا صلعم نے مکہ کے قریب پہونچکر اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ میمنہ پر خالد بن ولیدؓ اور میسرہ پر زبیر بن العوامؓ اور مقدمۃ الجیش میں ابو عبیدہ بن الجراح کو متعین فرمایا۔ اور خود بنفس نفیس ابو بکرؓ اور عمرؓ عثمانؓ کے ساتھ قلب لشکر میں رونق افروز ہوئے۔ اسلامی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا۔ زبیر کو بالائے مکہ اور خالد بن ولیدؓ کو نشیبی مکہ کی طرف داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ اور یہ ہدایت کی کہ جو شخص تم سے تعرض کرے اور مکہ میں داخل نہ ہونے دے۔ اس سے جنگ کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ ذی طویٰ کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے۔ عکرمہ ابو جہل کے بیٹے اور صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمر وغیرہم نے کچھ آدمیوں کو مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے واسطے جمع کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کا مقابلہ خالد بن ولیدؓ سے

ہوگیا۔ اس جنگ میں تین مسلمان شہید ہوئے۔ اور مشرکین کی طرف سے ۱۳ آدمی مارے گئے۔ باقی آدمیوں کو امن دینے کے بعد اسلامی لشکر اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو فاتحانہ مکہ میں داخل ہوا۔ اور قرآن میں جو فتح کا وعدہ ہوا تھا۔ اس کے پورا ہونے سے کوئی چیز اس کو نہ روک سکی۔

(۱۰) نبی کریم صلعم کے زمانہ میں قیصر و کسریٰ دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ قیصر کی حکومت روم اور شام اور عرب کے اکثر حصہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ رومتہ الکبریٰ (اٹلی) اس کا پایۂ تخت تھا۔ کسریٰ ملک فارس اور عراق عرب کا واحد مالک تھا۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں پر بھی اس کی حکومت تھی۔ سامان حرب اور آلات جنگ میں کوئی طاقت ان دونوں سلطنتوں کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ یہ دونوں طاقتیں بیک وقت ۴ یا ۵ لاکھ آدمیوں کی فوج میدان جنگ میں لاسکتی تھیں ضرورت کے وقت وہ جتنا چاہتے لشکر جمع کرسکتے تھے۔ کسریٰ کے پاس زبردست ہاتھیوں کا لشکر تھا۔ بڑی بڑی سلطنتیں ان سے لرزتی تھیں مٹھی بھر مسلمانوں کی ان کے سامنے کیا طاقت تھی۔ جو ان سے منہ ملاسکتے مگر اس بے سروسامانی اور ناامیدی کی حالت میں مسلمانوں سے قرآن میں یہ وعدہ ہوا۔ کہ اگر وہ دیانتداری اور تقویٰ پر قایم رہے اور اونہوں نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کی۔ تو ان دونوں سلطنتوں کا ان کو مالک بنادیا جائے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ

فی الارض[1] پ ۱۸ ع ۱۳۔ اللہ نے مومنین سے جن کے عمل نیک ہیں یہ وعدہ کیا ہے۔ کہ ان کو زمین میں سلطنت اور حکومت عنایت فرمائے۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ مسلمانوں کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے کسی شخص کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا۔ کہ مسلمان اس کمزوری اور ضعف کے باوجود قیصر و کسریٰ جیسی زبردست سلطنتوں پر کسی وقت غالب ہوں گے۔ چنانچہ غزوہ خندق میں جب نبی کریم صلعم نے خندق کو کھودتے ہوئے پتھر پر کدال ماری تو اس میں روشنی ظاہر ہوئی آپ نے فرمایا کہ مجھے اس روشنی میں حیرہ[2] کے محلات نظر آتے ہیں۔ دوسری دفعہ کدال مارنے سے پھر روشنی پیدا ہوئی۔ تو فرمایا کہ ملک روم کے مکانات دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح پھر تیسری دفعہ روشنی ہوئی۔ تو ارشاد فرمایا کہ صنعا یمن کے گھر نظر آرہے ہیں۔ اور فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ یہ تمام جگہیں میری امت کے قبضہ میں آجائینگی۔ اگرچہ خاص مسلمانوں کو یہ بات سنکر خوشی ہوئی مگر کفار اور منافقین نے ہنسی اڑاتے ہوئے یہ کہا کہ ایک طرف مدینہ میں بیٹھے ہوئے کسریٰ کے مکانات نظر آرہے ہیں۔ روم اور فارس کے فتح ہو جانے کی خوشخبری دیجارہی ہے دوسری طرف یہ حالت ہے کہ وہ دشمنوں سے ڈر کر خندق کھودنے میں لگے ہوئے ہیں اور ان کے خوف سے رفع حاجت کے لئے باہر نہیں نکل سکتے۔ یہ تعجب ان کو اس لئے تھا۔ کہ مسلمانوں کی ظاہری حالت اس قابل نہ تھی۔ کہ جس سے اس وعدہ کو پورا ہونے کی امید کی جاتی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ اس وعدہ کو سنکر نہ صرف

[1] تفسیر ابو السعود و تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۲ [2] حیرہ ملک فارس میں ایک شہر کا نام ہے۔

دشمنوں کو شک ہوا۔ بلکہ بعض مسلمانوں کو بھی اس کا تعجب تھا۔ چنانچہ جب مشہور حاتم طائی کے بیٹے عدی مسلمان ہوئے تو آپ نے انکو فرمایا۔ کہ عدی[1] وہ وقت قریب ہے جبکہ کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا عدی کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے پوچھا۔ کہ کسریٰ کے خزانوں پر؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ عدی کہتے ہیں کہ واللہ یہ سماں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خود مسلمانوں کے ساتھ کسریٰ کے خزانے لوٹنے میں شریک ہوا۔ اسی طرح جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابوبکر کو لیکر ہجرت کے وقت مکہ سے نکلے۔ تو ابوجہل نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص ان دونوں کو پکڑ لائیگا اس کو سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے۔ سراقہ[2] بن مالک کہتا ہے کہ میں نے رات کے وقت دو آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ خیال ہوا۔ کہ وہ دونوں جانے والے آدمی وہی ہوں گے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے دوڑا۔ اور اگلے دن ظہر کے وقت ان کو جا لیا۔ جب اس نے حضور علیہ السلام کو پکڑنا چاہا۔ تو آپ نے بددعا فرمائی۔ فوراً زمین نے اس کے گھوڑے کے سم پکڑ لئے۔ قریب تھا کہ سراقہ ہمیشہ کے واسطے زمین میں غائب ہو جاتا۔ مگر اس نے حضور سے امن چاہی اور وعدہ کیا۔ کہ میں اس رستہ پر کسی کو نہ آنے دوں گا۔ آپ نے دعا فرمائی زمین نے اسکو چھوڑ دیا۔ جب واپس ہونے لگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ سراقہ وہ دن بھی آنے والا ہے جبکہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسوقت اس بات کو گپ سمجھا تھا۔ لیکن میں نے بروقت اپنی آنکھوں سے

[1] تفسیر ابن کثیر [2] تفسیر در منثور

دیکھ لیا۔ کہ جب حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں کسریٰ کی دولت اور خزانے لوٹ کر لائے تو میں بھی مسلمانوں کے لشکر میں ایک سپاہی تھا۔ اور ۱۰ھ ہجری میں مسلمان ہو چکا تھا۔ جب غنیمت کا مال تقسیم ہونے لگا۔ تو کسریٰ کے کنگن میرے حصہ میں آئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ نے میرے متعلق پیشگوئی سنی تھی۔ اسلئے انہوں نے وہ دونوں کنگن میرے ہاتھوں میں پہنا دئے۔ جب میں نے کنگن پہنے تو مجھے وہ وقت یاد آ گیا۔ اپنے خیال کی غلطی اور حضور کے ارشاد کی سچائی روز روشن کیطرح نظر آنے لگی۔ یہ شک اور شبہے محض اس لئے تھے کہ مسلمانوں کی مادی طاقت اس درجہ ضعیف اور کمزور تھی۔ کہ اسکو دیکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ مسلمان کسی وقت قیصر و کسریٰ کے مقابلہ میں کامیاب ہونگے۔ مگر اسی ناداری اور بے سروسامانی میں دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ مٹھی بھر مسلمان کس طرح لاکھوں کے مقابلہ میں فتح مند اور کامیاب ہوئے۔ اور کمزور ہاتھوں نے کیوں کر طاقتور دشمن کا سر کچلا۔ یقیناً خدائی امداد ان کے ساتھ تھی۔ اس لئے کوئی طاقت اس وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکی۔ اور جو چیز بڑا زور خرچ کرنے کے بعد بھی نہیں ملتی۔ وہ ان کو اس کمزوری کی حالت میں مل گئی۔ چنانچہ نبی کریم صلعم کے زمانہ میں مکہ اور خیبر۔ بحرین اور یمن۔ جزیرۃ العرب کے بعض حصوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ روم اور مصر و اسکندریہ حبشہ اور عمان کے بادشاہوں نے رسول خدا صلعم کی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے۔ حضرت ابوبکر کے زمانہ خلافت میں تمام عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ مصر کا بعض حصہ فتح ہوا۔ بصریٰ

؎ ابن کثیر۔ اعجاز القرآن۔ للباقلانی۔

اور دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ ملک فارس کے بعض شہروں پر آپ کا تسلط ہوا۔ جب زمانہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا آیا۔ تو شام اور مصر کا تمام حصہ فتح ہو گیا فارس کے اکثر شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ کسریٰ کے خزانے لوٹ لئے گئے قیصر کی شان وشوکت خاک میں ملا دی گئی۔ کسریٰ کو پایۂ تخت چھوڑ کر ملک کے دُور دراز حصہ میں پناہ لینی پڑی۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سلطنت کے حدود بہت وسیع ہو گئے۔ مشرق میں ملک چین تک اور دوسری طرف بحر محیط تک حکومت پھیل گئی۔ اندلس قبرص اور بلاد قیروان سلطنت کا جز بن گئے۔ عراق اور خراسان اہواز پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا۔ اس کی تمام سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ مشرق اور مغرب کا خراج امیر المومنین حضرت عثمان کی خدمت میں آنے لگا۔ غرض دنیا کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور قرآن کا جو وعدہ تھا۔ وہ پورا ہو گیا۔ اگر یہ وعدہ خدا کا وعدہ نہ ہوتا۔ اور محمد صلعم کا اپنا وعدہ ہوتا۔ تو کبھی پورا نہ ہوتا۔ اور ان میں پورا کرنے کی طاقت موجود تھی۔

فصل دوم

ان پیشگوئیوں کے بیان میں ہے جن کا بدلنا ان لوگوں کے اختیار میں تھا۔ جن کے بارہ میں وہ پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ باوجودیکہ ان پیشگوئیوں کی انکو خبر ہو چکی تھی۔ اور وہ ہمیشہ ایسی بات کی تلاش میں رہتے جس سے نبی عربی صلعم

کو ان کے دعوے میں جھوٹا ہونا ثابت کریں لیکن وہ ان پیشین گوئیوں کو پورا ہونے سے نہ روک سکے اور ہمیشہ وہی ہوا جس کی ان پیشگوئیوں میں خبر دی گئی تھی۔ یقیناً جس کے ہاتھ میں انسانی ارادوں کی ڈور ہے اسی کا فیصلہ ان کے ارادوں اور تمناؤں پر غالب آسکتا تھا کسی غیر کا ارادہ دوسروں کے ارادوں پر کبھی غالب نہیں آسکتا۔ اور وہ خدا ہی کی ذات ہے۔ جو سب پر غالب ہو کر رہتی ہے۔ اس لیے اس طرح کی غیب کی خبروں کو خدا ہی کی بتائی ہوئی خبریں کہہ سکتے ہیں کسی انسان کی پیشنگوئیاں نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے۔ کہ جن کی بابت پیشنگوئی کی گئی تھی ممکن ہے کہ اس کو اس پیشنگوئی کا علم نہ ہوا ہو۔ اگر علم ہوتا تو اسکو پورا ہونے سے ضرور روکتا۔ ایسا شبہ اس شخص کے بارے میں کرنا۔ کہ جو حق اور سچائی کی آواز اٹھانے سے اسوقت خاموش نہیں ہوتا۔ جبکہ یاس اور ناامیدی کا اس پر ہجوم ہے چاروں طرف سے دشمن کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے۔ تن تنہا صفا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر اپنی قوم کو ایسی چیز کی طرف بلاتا ہے۔ جس سے انکو سخت نفرت ہے۔ اس کی نسبت یہ خیال کرنا۔ کہ اس نے اس طرح کی پیشنگوئیوں کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا۔ بعید از عقل ہے خصوصاً جب وہ اپنی زبان سے خدا کا یہ پیغام سنا رہا ہو۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ پ ۶ ع ۱۴ ۔ یعنی جو خبر خدا کی طرف سے آپ کے پاس بھیجی جائے۔ اسکو لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپنے ایسا نہ کیا۔ تو آپ احکام الٰہی کے پہونچانے میں قاصر سمجھے جاویں گے۔ تو اس حالت میں یہ شبہ اور بھی زیادہ ناممکن ہو جاتا ہے ؀

سلہ اس لئے عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جو شخص
یہ خیال کرے کہ شاید رسول خدا صلعم نے وحی الٰہی میں سے کوئی آیت چھپا لی ہوگی۔
وہ شخص بڑا جھوٹا اور کذاب ہے اگر آپ کو کوئی آیت چھپانی ہوتی۔ تو یہ آیت چھپاتے
تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ ۔ پ ۲۲ ع ۲ آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے
ہوئے ہیں جسکو اللہ تعالٰے ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ آیت بھی نہیں چھپائی۔
اس کے علاوہ ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں
کو ایسی پیشین گوئیوں کا علم ہوتا رہا ہے چنانچہ امیہ بن خلف کو سعد بن معاذ انصاری رضؓ
نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے کی خبر دی۔ اسی طرح جب انسے قرآن مجید
کی مانند کلام بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا۔
لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا۔ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام بنا سکتے ہیں اس قسم کے
اور بہت سے حالات ہیں جو انشاءاللہ کتاب میں ذکر کئے جائیں گے۔ غرض اس
قسم کی پیشینگوئیاں قرآن مجید میں جن سے ان کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے
یہ ہیں:۔

(۱) سلہ ابوجہل۔ عتبہ اور شیبہ پسران ربیعہ۔ ولید بن عتبہ و امیہ بن خلف
عتبہ بن ابی معیط سرداران مکہ کی نسبت قرآن عزیز میں یہ خبر دی گئی۔ کہ
یہ لوگ کفر پر مریں گے۔ ہدایت اور ایمان کی دولت کبھی ان کو نصیب نہ ہوگی
چنانچہ اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی۔
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ آپ انکو
ڈرائیں یا نہ ڈرائیں مگر یہ کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے قرطبی اور ابن کثیر

سلہ رواہ مسلم وابن جریر وذکرہ الرازی فی تفسیرہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۱ سلہ تفسیر مدارک وبیضاوی وغیرہ۔

ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جو بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ایمان لانا انکا اختیاری فعل تھا۔ اگر وہ چاہتے تو کلمہ شہادت پڑھ کر قرآن کے اس فیصلہ کو جھوٹا ثابت کر سکتے تھے۔ اگرچہ کلمہ شہادت کا زبان پر جاری کرنا منافقانہ اور ریا کاری ہی کے طور پر ہوتا۔ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ نہ ہوتا مگر وہ ایسا کرنے سے بھی عاجز رہے۔ جان اور مال عزت اور آبرو سب کچھ اسلام اور نبی کریم صلعم کی عداوت اور دشمنی میں خرچ کر دیا۔ لیکن وہ قرآن کے اس دعوے کو جھوٹا ثابت نہ کر سکے۔ اگر یہ خبر خدا کی بنائی ہوئی ہوتی۔ اور یہ فیصلہ خدائی فیصلہ نہ ہوتا۔ تو کوئی طاقت انکو اس کے خلاف کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ مگر وہ اس خبر کو جھوٹا نہ کر سکے۔ اور قرآنی فیصلہ کے مطابق وہ سب کے سب کفر کی حالت میں مارے گئے عبداللہ[۱] بن مسعود صحابی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ان سب کی لاشیں بدر کے ایک گڑھے میں پڑی ہوئی دیکھیں۔

۱۲ جب کفار مکہ نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کیا اور اسکو حضرت محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب سمجھا۔ تو اس وقت قطعی فیصلہ کیواسطے یہ ضابطہ اور نظریہ قرآن نے ان کے سامنے پیش کیا کہ اگر تمہیں اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے اور اسکو محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب سمجھتے ہو۔ تو ان کی کلام کی نقل اتارنا اور اس جیسا کلام بنانا فصیح اور زبان دان آدمی کیواسطے آسان اور سہل ہے۔ اس لئے تم بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مانند کوئی کلام یا جملہ بنا کر جو فصاحت اور بلاغت میں اسی کے

[۱] مشکوٰۃ

ہم پلہ اور برابر ہو۔ اس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا۔ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا پ ۱ ع ۳ - اگر تم اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اور یقیناً نہ کر سکو گے اور پھر بھی اس کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرتے رہے تو تمہیں عذاب الٰہی کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ اس میں لن تفعلوا ہرگز نہ کر سکو گے۔ ایک ایسا جملہ ہے جس میں ان کے قوی علمیہ اور جذبات مقابلہ کو برانگیختہ کرتے ہوئے اس بات کی قبل از وقت خبر دی ہے کہ وہ آخری دم تک قرآن عزیز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اسلام کے مٹانے کے واسطے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی کی۔ لیکن قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان میں سے ایک بھی سامنے نہ آیا۔ باوجودیکہ ان میں بڑے بڑے فصیح اور زبان دان موجود تھے۔

ولید بن مغیرہ جس کے سامنے فصحا عرب اپنا کلام اصلاح کی غرض سے پیش کرتے تھے جسکو اپنی زبان دانی اور محاورات سے واقف ہونے کا بڑا دعویٰ تھا۔ اسوقت ان میں موجود تھا۔ اور جن شاعروں نے اپنے اشعار اور قصیدے مقابلہ طلب کرنے کیواسطے بیت اللہ کے دروازہ پر لٹکا رکھے تھے۔ ان میں سے بعض ابھی تک موجود تھے۔ اور جن کو اس بات کا دعوے تھا۔ کہ دنیا میں نطق اور گویائی انہی کے حصہ میں آئی ہے۔ اور باقی سب کے سب بے زبان اور گونگے ہیں۔ وہ لوگ ابھی تک زندہ تھے۔ مگر قرآن کا مقابلہ کرنے کے لئے ان میں سے کوئی شخص بھی تیار نہیں ہوا۔ اگر ان میں قرآن کے مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی۔ تو وہ کبھی اس کام سے دم نچرا تے اور

لہ اعجاز القرآن للباقلانی

قرآن جیسا کلام بنا کر اس دعوے کو جھوٹا ثابت کرتے۔ مگر ان کا قرآن کی نقل اتارنے اور اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہنا اور قرآنی فیصلہ کو جھوٹا نہ ثابت کر سکنا۔ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے۔ بلکہ رب العزت کی نازل کی ہوئی کتاب ہے غرض لَنْ تَفْعَلُوْا میں قرآن مجید کے سچے ہونے کی تین دلیلیں ہیں :-

(۱) اس جملہ میں یقین اور پختگی کے ساتھ اس بات کی خبر دی گئی کہ وہ ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح کے جزم اور یقین کے ساتھ وہی شخص کہہ سکتا ہے۔ جو آئندہ کے حالات سے باخبر اور واقف ہے ورنہ فصیح اور بلیغ انسانوں کے مقابلہ میں قطعی طور پر ایسا دعوے کرنیکا حوصلہ کسی آدمی کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسا دعوے کرنا خدائے قدوس ہی کا کام ہے۔

(۲) جب عرب کے بڑے بڑے فصیح اور بلیغ قرآن کی مثال لانے سے عاجز ہو گئے اور بار بار اس کا مطالبہ کرنے کے باوجود مقابلہ نہ کر سکے تو معلوم ہوا۔ کہ یہ کلام خدا کی مصنوعات کی طرح بے مثل ہے انسانی خصوصیت سے اسکو کوئی تعلق نہیں ۔

(۳) اس آیت میں وقت سے پیشتر غیب کی خبر دی تھی کہ اہل مکہ اس کلام کی مثال نہیں لاسکتے۔ چنانچہ وہ آخری دم تک قرآن کی نقل اتارنے اور اس کا جواب لانے سے عاجز رہے اور قرآن نے جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی ۔

ـــــــ
سلفہ مدارک و ابن کثیر

۱۴ ایک دن کچھ یہودی مجلس نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے - کہ تمام دینوں میں سچا دین یہودیوں کا ہے - یہودی خدا کے محبوب اور چہیتے بندے ہیں جنت انہی کے لئے بنائی گئی ہے - دوسرے مذہب والے ان نعمتوں سے محروم ہیں - رسول خدا صلعم نے فرمایا - کہ اگر تم اس دعویٰ میں اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو - اور اسلام تمہارے خیال میں جھوٹا مذہب ہے - تو تم یہ دعا کرو کہ خدایا مسلمانوں اور یہودیوں میں جو جماعت جھوٹی ہو اس کو ہلاک اور برباد کر دے - یہودی اس بات کو سنکر خاموش ہو گئے اور اس قسم کا مباہلہ کرنے کے واسطے ہرگز تیار نہ ہوئے - حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا - اگر یہودی اس دفعہ موت کی آرزو کرتے - تو زمین پر کوئی یہودی زندہ نہ رہتا - سب کے سب ہلاک کر دئے جاتے - خدا نے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ زندگی ان کے نزدیک نہایت عزیز اور پیاری چیز ہے - موت کی دعا کرنے کے واسطے وہ کبھی تیار نہیں ہو سکتے - یہ آیت نازل فرمائی وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے مرنے کی آرزو کبھی نہیں کریں گے - آرزو کرنا اختیاری فعل تھا - اگر یہودی زبان سے آرزو کر کے اس خبر کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے - کیونکہ آرزو کرنے سے مرجانا یقینی امر نہیں تھا - لیکن قرآن کا فیصلہ ان کے ارادوں پر غالب رہا - اور انہوں نے آخری دم تک مرنے کی تمنا اور آرزو نہیں کی - اور یہی پیشنگوئی تھی *

سلہ ابن کثیر سلہ بیضاوی

۱۴ جب یہودیوں نے اسلام کے متعلق اپنی دلی عداوت اور باطنی بغض و عناد کا اظہار کیا اور مسلمانوں سے عہد شکنی کرکے لڑنے کے واسطے تیار ہوئے تو قرآن نے یہ خبر دی کہ مسلمانوں کا رعب یہودیوں کے دلوں پر اسدرجہ چھایا ہوا ہے۔ کہ قلعوں میں گھس کر یا دیواروں کے پیچھے لڑائی کو جاری رکھ سکیں گے۔ کھلے میدان میں لڑنے کی انکو کبھی ہمت نہ ہوگی۔ اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ پ ۲۸ ع ۵ یہودی جب تم سے لڑیں گے۔ تو قلعوں میں گھسکر یا دیواروں کے پیچھے ہوکر لڑیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بنو قینقاع اور بنو نضیر۔ بنو قریظہ اور یہود خیبر ان چاروں یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی الگ الگ جنگ ہوئی تاریخ شاہد ہے کہ ہر دفعہ یہودی قلعہ بند ہوکر لڑے اور کبھی انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ میدان میں نہیں کیا۔ باوجودیکہ ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر مرتبہ زیادہ ہوئی تھی۔ مگر مسلمانوں کی ہیبت اور ان کا رعب یہودیوں کو باہر نہیں نکلنے دیتا تھا۔ اس لئے یقیناً ان کے متعلق قرآن میں جو کچھ فیصلہ کیا تھا۔ وہ خدائی فیصلہ تھا۔ اور اسی نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ ورنہ یہودی کے واسطے یہ امر بہت آسان تھا۔ کہ قلعوں سے نکل کر میدان میں لڑتے اور قرآن کی اس خبر کو جھٹلا کر اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت نہ ہونے

دیتے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اور ان کا ایسا نہ کر سکنا قرآن مجید
کے سچے ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

۵/۱۵ مدینہ کے یہودیوں میں سے جب بنو نضیر نے مسلمانوں سے بدعہدی
کی اور ان سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے تو عبداللہ[1] بن ابی اور اس کی جماعت
کے دوسرے منافق آپ کے پاس گئے اور یہ کہا کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ
میں تمہاری رسوائی کسی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اگر تمہارے ساتھ مسلمانوں
نے جنگ کی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم بدعہدی اور جنگ کی سزا
میں اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ تو ہم اپنا گھر باہر چھوڑ کر تمہارے ساتھ
ہوں گے۔ مگر قرآن نے یہ خبر دی کہ منافقین جھوٹے ہیں اور انہوں نے
جو کچھ یہودیوں سے وعدہ کیا ہے اسکو وہ کبھی پورا نہ کریں گے۔ چنانچہ
سورۃ حشر میں اس واقعہ کو اسطرح ظاہر کیا ہے۔ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ
مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۲۸ ع ۵ ۔ اگر وہ نکالے گئے یہ ہرگز
ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اگر ان سے لڑائی ہو گئی۔ تو یہ کبھی ان کا ساتھ
نہ دیں گے اور نہ کسی قسم کی امداد کریں گے۔ لڑنا اور گھر باہر چھوڑ کر نکل
جانا دونوں اختیاری فعل تھے۔ منافقین کو چاہیئے تھا۔ کہ عہد کی پابندی
کرتے یہودیوں کو لڑائی میں مدد دیتے۔ یا ان کے ساتھ جلاوطن ہو جاتے
خصوصاً جبکہ قرآن نے ان کی بدعہدی اور وعدہ خلافی کی خبر دی
تھی۔ تو ان کو اس خبر کے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے وعدہ وفا کرنے کی
زیادہ کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور یہی

[1] بیضاوی و تفسیر ابوالسعود

جس کی قرآن نے قبل از وقت خبر دی تھی۔ چنانچہ جب یہودی لڑائی پر آمادہ ہوئے۔ تو کوئی منافق ان کا مددگار اور ساتھی نہ تھا۔ اور جنگ ختم ہونے پر جب وہ گھروں سے نکلے گئے۔ تو ان میں سے کوئی بھی جلاوطنی میں ان کے ساتھ شریک نہ ہوا۔ اور یہی قرآن کا فیصلہ تھا۔ اگر یہ خبر محمد صلعم کی اپنی طرف سے ہوتی تو وہ ان کے دلی ارادوں پر کبھی غالب نہ آسکتے۔

۶/۱۶ جب قریش میں سے قبیلہ مضر نے شرک اور معصیت الٰہی میں غلو اور حد سے تجاوز کیا۔ رسول خدا صلعم کو جھٹلایا اور آپ کو تکلیفیں دیں تو رسول اللہ صلعم نے ان کے حق میں یہ بددعا فرمائی[۱]۔ اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَکَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ۔ اے اللہ قبیلہ مضر پر اپنی پکڑ سخت کردے اور ان پر قحط سالی مسلط فرما جس طرح کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں نافرمان مصریوں پر تو نے قحط ڈالا تھا۔ آپ کی بددعا کہاں خالی جانے والی تھی۔ ایسا قحط پڑا کہ لوگوں نے مردار جانور اور راستہ کی پڑی ہوئی ہڈیاں تک پیس کر کھالیں اور بھوک کی وجہ سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا رہنے لگا۔ بھوک اور قحط سالی کی مصیبت سے تنگ آکر ابوسفیان[۲] اور کعب بن مرہ چند آدمیوں کے ساتھ نبی عربی صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دیکر کہنے لگا۔ کہ آپ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا فرمائیں۔ ہم سچے دل سے اس بات کا عہد کرتے ہیں۔ اگر قحط کی مصیبت سے نجات ملگئی

[۱] رواہ البخاری مختصراً ونقلتہ من تفسیر ابی السعود [۲] بخاری ص۳ [۳] قسطلانی ابوالسعود

تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آنحضرت صلعم نے دعا کے واسطے ہاتھ اٹھائے اور خدا کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی۔ اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِیْلًا اِنَّکُمْ عَائِدُوْنَ ۲۵ ع ۱۲۔ ہم تھوڑی دیر میں قحط کے عذاب کو دور کر دیں گے۔ لیکن تم اپنے ایمان لانے کے وعدہ کو پورا نہ کرو گے۔ پہلے کی طرح مشرک اور نافرمانی کرتے رہو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نبی کریم صلعم کی دعا سے قحط کی مصیبت دور ہو گئی اور مضر اور دوسرے قبیلے اسی طرح کفر اور معصیت میں مبتلا رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بد دعا سے قبیلہ مضر کا قحط کی تکلیفوں میں گرفتار ہونا پھر آپ کی دعا پر اس مصیبت سے رہائی پانا نبی علیہ السلام کی سچائی کا زبردست ثبوت ہے۔[1]

لیکن قرآن نے ان لوگوں کی وعدہ خلافی کے متعلق جو خبر دی تھی۔ اس کا پورا ہونا اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ یہ علام الغیوب کی بتائی ہوئی خبر تھی۔ کسی انسان کی نہیں تھی ورنہ وہ اس کا خلاف کر کے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کر سکتے تھے۔

[۲] سلسلہ جب وقت جنگ احد میں کفار مکہ سے لڑنے کے واسطے ایک ہزار مسلمانوں کی جمعیت اکٹھی ہو گئی اور نبی علیہ السلام نے اس ارادہ سے کوچ کی تیاری کی تو جمع ہونے والے لشکر کے متعلق قرآن میں یہ خبر دی گئی۔[2] وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۵ ع ۷۔ مسلمانو تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو اس جنگ میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی روکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول خدا صلعم

[1] ابن خلدون۔ [2] تفسیر ابی السعود

مدینہ اور احد کے وسط میں پہونچے تو عبد اللہ بن ابی منافق کے ورغلانے اور بہکانے کی وجہ سے ۳ سو آدمی لشکر سے جدا ہو گئے۔ اور یہ عذر کیا۔ کہ ہم اصول جنگ سے واقف نہیں ہیں۔ ہمارا جانا بے سود ہے۔ یہ لشکر عبد اللہ بن ابی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ سب کے سب منافق اور ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اور تین سو آدمیوں کے نکل جانے سے مسلمانوں کے لشکر میں محض سات سو آدمی رہ گئے جنہوں نے میدان میں پہونچکر ۳ ہزار آدمیوں کا مقابلہ کیا۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو جنگ سے روکنا۔ اور خود شریک نہ ہونا۔ یہ دونوں باتیں اختیاری تھیں اگر وہ چاہتے تو ان دونوں کا خلاف کر سکتے تھے لیکن نہ کر سکے اور یہی قرآن نے خبر دی تھی جو پوری ہوئی:

(۱۵) ایک دن ثعلبہ بن حاطب نے مجلس نبوی میں حاضر ہو کر افلاس اور تنگدستی کی شکایت کرتے ہوئے رسول خدا صلعم سے یہ درخواست کی۔ کہ یا رسول اللہ دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ میری تنگدستی دور کرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ثعلبہ تو دولت مند ہونے کے بعد خدا کا شکر نہیں کریگا۔ اس نے قسم کھائی اور یہ وعدہ کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں مالدار ہو گیا۔ تو سب کے حقوق ادا کرونگا۔ اور بہت سا مال خدا کے راستہ میں دونگا۔ آپ نے دعا فرمائی کچھ عرصہ کے بعد وہ بڑا دولتمند بن گیا۔ مگر اس نے مالدار ہوتے ہی نماز پڑھنی چھوڑ دی۔ اور جب صدقہ وصول کرنے کے لئے آپ نے اس کے پاس اپنا آدمی بھیجا۔ تو اس نے

زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت خدا کی طرف سے آپ کے پاس یہ حکم نازل ہوا کہ اگر وہ صدقہ لیکر آئے تو آپ قبول نہ فرماویں۔ کیونکہ اس کے دل میں اخلاص نہیں ہے۔ وہ نفاق کی حالت میں مریگا جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ[1]۔ خدا نے وعدہ خلافی کی سزا میں نفاق ان کے دلوں میں ڈالدیا ہے اور وہ اسی حالت میں مرجائیں گے۔ قرآن کی یہ خبر صحیح نکلی اور ثعلبہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بحالت نفاق دنیا سے رخصت ہوا۔ اگرچہ نفاق کو چھوڑ دینا۔ اخلاص اور نیک نیتی حاصل کرنی اس کے اختیار میں تھی۔ اگر وہ چاہتا۔ اس کا علاج کر کے اس خبر کا جھوٹا ہونا ثابت کر سکتا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا اور وہی ہوا جس کی قرآن میں خبر دی گئی تھی

فصل ۳

ان واقعات اور حالات کے بیان میں جن کی جو وقت سے پہلے دیگئی اور وہ خبریں کچھ عرصہ کے بعد حرف بحرف پوری ہوئیں۔

(۱) قرآن عزیز میں یہودیوں کے متعلق یہ خبر دی گئی کہ وہ ہمیشہ دنیا[2] میں ذلیل و خوار رہیں گے کبھی ان کو سلطنت اور حکومت نصیب نہ ہوگی

[1] تفسیر کثیر صفحہ ۴۹۵ جلد ۲ [2] تفسیر ابن کثیر

اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۔ یعنی ان کے لئے ذلت اور خواری ہمیشہ کیواسطے لازم کر دی گئی۔ غلامی سے بڑھکر دنیا میں کوئی ذلت وخواری نہیں ہے نبی کریم صلعم کے زمانہ سے لیکر آجتک یہودی ذلت میں گرفتار ہیں ان ساڑھے تیرہ سو برس گذر گئے۔ لیکن کبھی دنیا کے کسی حصہ پر یہودیوں کی خود مختار حکومت قائم نہیں ہوئی جس جگہ بھی ہیں رسوا اور ذلیل ہی نظر آتے ہیں یا وہ مسلمانوں کے غلام ہیں یا نصاری کے۔ کسی جگہ چپہ بھر زمین کے آزاد اور باختیار مالک نہیں دنیا کے ختم ہونے تک ان کا یہی حال رہے گا۔ ظاہر ہے کہ انسان کبھی کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ قیامت تک کیلئے نہیں کرسکتا پھر ایسا قطعی فیصلہ جس کا صدیاں گذر جانے کے باوجود کبھی خلاف نہیں ہوا ایسا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ خدا کی بتائی ہوئی خبر ہے کسی انسان کی نہیں ہے۔

(۳۱) جب نبی کریم صلعم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہونچے۔ تو آپ سولہ مہینہ متواتر بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے مگر بیشک آپ کی آرزو اور دلی تمنا یہی تھی کہ بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھیں اس لئے آپ اس بارے میں حکم الٰہی کا نہایت شوق اور بے چینی کے ساتھ انتظار فرمایا کرتے تھے قبلہ کا حکم بدلنے سے پہلے قرآن میں یہ خبر دی گئی کہ یہودیوں کی بے وقوف جماعت قبلہ کے بدلنے پر طعنہ زن ہوگی اور تم سے تحویل قبلہ کا سبب دریافت کرے گی۔ جیسا کہ اس آیت سے

ــہ رواہ مسلم و ترمذی

ظاہر ہے۔ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا [۲] ع ا
یعنی تحویل قبلہ کے بعد عنقریب تم سے بے وقوف لوگ آکر کہیں گے کہ کس چیز
نے ان کو بیت المقدس سے ہٹایا ہے۔ چنانچہ اس خبر کے چند دن بعد[۱] مکہ کی
طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا۔ بیت المقدس کا رخ چھوڑ کر مسلمان
بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ
جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے کہا۔ کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کے دین
کی طرف لوٹ گیا ہے۔ اسی لئے اس نے بیت المقدس کو چھوڑ کر مکہ کی
تعظیم کرنی شروع کر دی ہے۔ اگر یہ ہمارے ہی قبلہ پر قائم رہتا۔ تو ہمیں اس
کے رسول ہونے کا یقین ہو جاتا۔ اگرچہ ان کا ایسا[۲] کہنا۔ توریت کی تصریحات کے
خلاف تھا۔ کیونکہ توریت میں نبی آخر الزمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی
یہ بھی لکھی ہوئی تھی۔ کہ وہ چند دن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ کر پھر ہمیشہ
کے واسطے مکہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کیا کریں گے۔ لیکن ان کا یہ
شبہ پیش کرنا قرآن کی اس خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ جس میں ان کے
اس اعتراض کرنے کی اطلاع قبل از وقت دی گئی تھی۔

تفسیر کبیر میں براء بن عازب سے نقل ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد مشرکین مکہ نے بھی
اس قسم کا اعتراض کیا اور یہ کہا کہ وہ ہماری خوشنودی اور موافقت حاصل کرنا چاہتا ہے

---

[۱] تفسیر کبیر ص۳ ۔ [۲] قاضی بیضاوی اور امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دو شنبہ کے دن ۱۵ رجب کو جنگ بدر سے دو ماہ پہلے نبی کریم صلعم بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ نماز ہی میں تھے کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز کے ادا کرنے کا حکم نازل ہو گیا آپ نے نماز ہی میں اپنا رخ بدل لیا اور باقی نماز مکہ کی طرف منہ کر کے پوری کی اسی لئے اس مسجد کو ذو القبلتین کہنے لگے ۱۲

اس لئے اس نے بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنالیا ہے اگر وہ بیت المقدس پر ہی قائم رہتا تو رسول ہونے کا دعویٰ صحیح ہوتا۔ غرض قرآن میں اسی قسم کے اعتراضات کی پہلے ہی خبر دی گئی تھی جو بعد میں پوری ہوئی۔

۲۲ جب کفار مکہ کو جنگ احد میں غلبہ حاصل ہوا۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ستر آدمی شہید اور اکثر آدمی زخمی ہوئے تو مسلمان پریشان اور بد دل ہو گئے اور ان میں کفاروں کے ساتھ مقاومت یا مقابلہ کی طاقت نہ رہی۔ اس وقت خدا نے مسلمانوں کو تسلی دینے اور غیبی امداد فرمانے کا ان لفظوں میں وعدہ کیا۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ[1] یعنی ہم بہت جلدی کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب اور ہیبت ڈال دیں گے ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ خواجہ دوجہاں صلعم نے فرمایا۔ کہ جتنا تمہیں نقصان پہونچنا تھا۔ پہونچ چکا۔ اللہ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا ہے وہ اب مکہ کو واپس ہو جائے گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے باوجودیکہ کافروں کی زبردست مدافعت نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی ان میں دفاع کی سکت باقی تھی لیکن ابوسفیان اس قدر کامیابی کے باوجود جنگ کو درمیان میں چھوڑ کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ کیطرف بھاگ گیا۔ جب مقام روحا میں پہونچا۔ تو اسکو اپنی واپسی پر سخت ندامت ہوئی۔ اور اس نے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم نے باوجود غلبہ کے جنگ چھوڑ کر بہت سخت غلطی کی ہے۔ مسلمانوں کی حالت نہایت درجہ شکستہ اور خراب تھی۔ اس وقت ان کا استیصال کر نا بہت آسان تھا۔ بہتر تو یہ ہے۔ کہ ہم مدینہ کی طرف لوٹیں۔ اور

[1] رواہ ابن کثیر [2] بیضاوی وابوالسعود۔ [3] تفسیر ابی السعود

مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرکے ان کا کلیتہً استیصال کردیں۔ سرور دو عالم صلعم کو بھی ابوسفیان کے اس ناپاک ارادہ کی اطلاع ہوگئی۔ آپ نے جنگ احد میں شریک ہونے والوں کو جنہیں اکثر زخمی تھے۔ ساتھ لیا۔ اور اس سے مقابلہ کرنے کے واسطے مدینہ سے ۸ میل فاصلہ پر مقام حمراءالاسد میں اتر کر ان کا انتظار کرنے لگے جب ابوسفیان کو آنے جانے والے لوگوں سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمادگی جنگ اور انتظار کا علم ہوا۔ تو حوصلے پست ہوگئے۔ اور ایسا رعب اس کے دل پر بیٹھا کہ اس نے مکہ ہی جا کر دم لیا۔ باوجود یکہ ابوسفیان کی جمعیت تین ہزار تھی۔ سب کے دل فتح اور غلبہ کی وجہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کسی قسم کی کمزوری ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ مگر چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جن میں اکثر زخمی اور مصیبت زدہ تھے انکو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ مسلمانوں کی ہیبت اور انکے رعب کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

مدینہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے یہودی بنی قریظہ بنی نضیر بنی قینقاع اور یہود خیبر تھے۔ ان تمام یہودیوں کی نسبت مسلمانوں کو قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ لَنْ یَّضُرُّوْکُمْ اِلَّآ اَذًی تک جو مسلمانو تمہیں یہودی معمولی تکلیف کے سوا زیادہ نقصان نہیں پہونچا سکیں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودی مسلمانوں کو بجز زبانی دل آزاری کے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گھروں میں چھپکر گالی گلوچ اور طعن وتشنیع کرتے رہے مگر مسلمانوں کے قتل اور ان کے قید کرنے کی قدرت یہودیوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ کیا کسی قوم کے متعلق ایسا قطعی فیصلہ کرنا

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ تاریخ ابن خلدون۔ سیرۃ ابن ہشام ۲۔ جلالین بیضاوی

اور پھر ان کے خلاف نہ ہونے دینا کسی انسان کا کام ہے ہرگز نہیں۔ یہ قدرت خدائے قدوس کو حاصل ہے ؁

(...) ان تمام یہودیوں کے بارے میں دوسری خبر قرآن عزیز میں یہ دی گئی۔ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ۔ اگر یہودی تم سے جنگ کریں تو پشت پھیر کر بھاگیں گے کبھی تمہارے مقابلہ میں نہ ٹھہریں گے۔ چنانچہ ابتدائے ہجرت سے قبائل یہود میں سے کوئی قبیلہ بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر نہیں ٹھہرا۔ ہمیشہ قلعوں میں بند ہو کر دیواروں کے پیچھے لڑائی جاری رکھ سکتے ہیں وہ بھی کچھ دیر کے لئے۔ ورنہ اخیر میں اپنے مال و جان کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑتے رہے۔ یہود خیبر لڑائی کے شروع میں مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئے ہیں۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پشت دکھا کر بھاگے اور قلعوں میں جا گھسے۔ اس پیشگوئی کا پورا ہونا بتا رہا ہے کہ یہ خدائی فیصلہ تھا۔ کسی انسان کا فیصلہ نہ تھا۔

(...) اسی آیت کے آخر میں یہودیوں کی بابت اس فیصلہ کی خبر دی گئی۔ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ۔ مسلمانو! تمہارے مقابلہ میں یہودیوں کی کبھی مدد نہیں کی جائے گی۔ سو آج ساڑھے تیرہ سو برس ہوتے آئے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں کو کبھی کوئی فتح نصیب نہیں ہوئی اور جو ذلت اور رسوائی کا داغ یہودیوں کی پیشانی پر لگا تھا۔ وہ آج تک نہیں مٹ سکا اور قیامت تک یہی حال رہے گا۔ مسلمانوں کے خلاف کبھی ان کو کامیابی حاصل نہیں ہو گی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ فیصلہ

له ابن کثیر، بیضاوی، تاریخ ابن خلدون۔ سه بیضاوی

کسی انسان کا کیا ہوا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ فیصلہ اسی ذات کا کیا ہوا ہے جو تمام جہان کا واحد مالک اور مختار کل ہے۔

(۲۷) وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۳ ع ۲ اے عیسےٰ اللہ تعالےٰ تیرے ماننے والوں کو انکار کرنے والوں پر غالب رکھے گا۔ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو وعدہ انکے معتقدین کو منکرین پر غلبہ دینے کا کیا تھا۔ اسکو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے[1] وہ جماعت جو دنیا میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی عزت اور بزرگی تسلیم کرنے والی ہے وہ مسلمان اور نصاریٰ کی ہے۔ اور انکار کرنے والی یہودی ہیں۔ دنیا کی وہ جماعتیں جو نہ اقرار کرتی ہیں اور نہ ان کا خاص طور پر انکار کرتی ہیں وہ آیت کے مفہوم سے خارج ہیں۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت تک مسلمان اور نصاریٰ کا یہودیوں پر غلبہ رہے گا۔ چنانچہ اسلام کے ظاہر ہونے سے پہلے نصرانی یہودیوں پر غالب رہے اور بعد ظہور اسلام غلبہ مسلمان اور نصاریٰ کے درمیان تقسیم ہوگیا اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

(۲۸) وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۴ ع ۵ - اگر تم نے اسلام کو نہ چھوڑا اور خدا کے رسول کی مخالفت نہ کی۔ تو تم سب پر غالب اور حکمران بن کر رہو گے۔ یعنی[2] اگر تم نے شریعت محمدی کی پوری پابندی کی اور مخلص مسلمانوں کی طرح خداوندی احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے تو فتح اور نصرت تمہاری لونڈی اور غلام بنکر رہے گی ورنہ تم دنیا میں ذلیل و خوار رہوگے

ل[1] تفسیر فتح البیان از شوکانی [2] تفسیر بیضاوی تفسیر کبیر جلد ۳ جلد ۲

چنانچہ جس وقت جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور لڑائی کا سامان بہت کم تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان لڑائی کے واسطے تیار ہو کر بھی نہیں آئے تھے تو وہ قوی اور زبردست دشمن کے مقابلہ میں رسول اللہ صلعم کے حکم پر چلنے کی وجہ سے کامیاب رہے اور جنگ اُحد میں باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور لڑائی کا سامان بھی کافی تھا۔ جنگ کی تیاری بھی خوب کی گئی تھی مگر جو جگہ تیر اندازوں کے واسطے حضور نے تجویز فرمائی تھی۔ اسکو چھوڑ کر مسلمانوں نے رسول اللہ کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ اس لئے فتح کے بعد ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اسی طرح جب تک مسلمانوں نے اسلامی اصول کو نہ چھوڑا۔ دنیا پر غالب رہے اور جب سے اسلامی روایات کو خیرباد کہا۔ اسی وقت سے خوار اور ذلیل ہو گئے اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے

سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ع٥ (پ ۵)

غنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ تمہارے سے امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی بچے رہیں۔ اس آیت میں اس آنے والی جماعت کا ذکر کیا ہے جو خدمت نبوی صلعم میں آکر دل سے مسلمان نہ ہوگی بلکہ اپنا اسلام لانا اس غرض سے ظاہر کرے گی کہ وہ ایسا کر کے مسلمانوں کی طرف سے مطمئن ہو جائے اور دوسری طرف اپنی قوم کے ساتھ دل سے ملی ہوئی ہوگی۔ تاکہ وہ ان کی نظر میں بھی سرخرو بنی رہے یہ خبر اس جماعت کے آنے سے پہلے دی گئی تھی۔ جیسا کہ لفظ ستجدون سے ظاہر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند دن کے بعد قبیلہ اسد اور غطفان کے لوگ مدینہ میں وارد ہوئے

لہ تفسیر کبیر بیضاوی

اور رسول خدا صلعم کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گئے۔ اور جب اپنے قبیلہ میں پہونچے تو پھر کافر بن گئے۔

(نمبر ۲۹) یہود اور نصاریٰ ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن میں یہ خبر دی۔ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ ت ۶ ع ۳ ہم نے ان دونوں قوموں کے درمیان بغض اور عداوت لازم کردی ہے اور اسی طرح قیامت تک رہے گی۔ باوجودیکہ صدیاں[۱] گذر گئی ہیں لیکن آج تک اس کے خلاف نہیں ہوا۔ یہود اور نصاریٰ کی باہمی عداوت اور آپس کی دشمنی ہر خاص و عام پر ظاہر ہے ہر ایک جماعت دوسرے گروہ کی سخت دشمن اور خون کی پیاسی ہے اور دنیا کے ختم ہونے تک یہی حالت رہے گی۔ اور یہودی من حیث القوم نصرانیوں سے اور نصرانی یہودیوں سے کبھی خوش نہیں ہونگے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں قوموں میں ایسی عداوت اور دشمنی ڈال دینا محمد صلعم کا کام ہے ہرگز نہیں۔ اگر یہ حضرت محمد صلعم کا اپنا فیصلہ ہوتا۔ تو آپ کو اس بات پر کبھی قدرت حاصل نہ ہوتی۔ اور نہ کوئی انسان کسی قوم کے حالات اور واقعات کے متعلق قیامت تک کیلئے ایسی خبر دے سکتا ہے یہ اسی کی طاقت ہے جو انسانی دلوں کا مالک اور ان کے ارادوں پر غالب ہے اور وہ خدا ہی کی ذات ہے ٭

(نمبر ۳۰) احد کی لڑائی ختم ہونے کے بعد ابو سفیان نے مسلمانوں سے[۲] پکار کر کہا۔ کہ آئندہ سال لڑائی بدر میں ہوگی مسلمانوں نے آپ کے مشورہ

---

[۱] ابن کثیر ابو السعود [۲] ابن خلدون

اس اعلان کو منظور کر لیا۔ جب نبی کریم صلعم اگلے سال۔ مسلمان اپنے
ہمراہ لے کر بدر کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو قران میں ان سے یہ وعدہ
کیا گیا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پ۵ ع۔ مسلمانوں اللہ تعالے
کافروں کی تکلیف تم سے دور رکھیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوسفیان بڑی
جمعیت لے کر مکہ سے باہر نکلا۔ مگر اس پر مسلمانوں کی ہیبت اور ان کا خوف
اس قدر چھایا۔ کہ اسکو آگے بڑھنے کی جرات اور ہمت ہی نہوئی اور وہ مہرظہران
تک پہونچکر مکہ کی طرف واپس ہوگیا مسلمانوں نے ۸ روز تک بدر میں قیام کیا
اور تجارت وغیرہ سے بہت سا فایدہ اٹھا کر مدینہ کی طرف واپس چلے آئے +

۱۲ ۳۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ پ۶ ع۱۲ مسلمانوں
اگر تم میں سے بعض آدمی اسلام کو چھوڑ دیں اور کفر اختیار کر لیں تو فکر نہ کرنا
خدا تعالے ان سے بہتر اور جانثار لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا اس
آیت میں بعض جماعتوں اور آدمیوں کے مرتد ہونے اور دین حق سے پھر جانے
کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلعم کی رحلت اور وفات سے کچھ عرصہ پہلے
تین قبیلے اسلام سے پھر گئے۔ ایک بنو مدلج کے لوگ تھے۔ جن کا سردار اسود عنسی
تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعوے کیا۔ اور اس کے بعض شہروں پر غلبہ
حاصل کر لیا۔ آنحضرت صلعم نے فیروز دیلمی کو اپنی حیات کے آخری زمانہ میں
یمن کی طرف بنو مدلج سے لڑنے کے واسطے بھیجا جس رات نبی علیہ السلام
کا وصال ہوا اسی شب کو اسود عنسی فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ رسول خدا
صلعم نے وفات سے چند لمحے پہلے اس کے قتل کی مسلمانوں کو خبر دی چنانچہ

ا بیضاوی ۲ ابن کثیر۔ مدارک ۳ بیضاوی

تقریباً ۱۵ روز بعد اس کے قتل ہونے کی خبر مدینہ پہونچی۔ دوسرا قبیلہ بنو حنیفہ کا تھا جو مرتد ہوگیا۔ مسیلمہ کذاب جو اسی قبیلہ کا ایک آدمی تھا یمامہ میں نبوت کا مدعی ہوا حضرت ابوبکر کی خلافت کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کے ساتھ جنگ کی جس میں مسیلمہ مارا گیا۔ تیسرا قبیلہ بنی اسد کا تھا۔ جس میں طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعوے کیا۔ سرور کائنات صلعم نے خالد بن ولید کو اس سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ طلیحہ لڑائی میں شکست کھاکر ملک شام کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں جاکر اس نے توبہ کی اور سچے دل سے مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر رض کے زمانہ میں سات قومیں مرتد اور بے دین ہوگئیں۔ بنی فزارہ غطفان۔ بنی سلیم۔ بنی یربوع۔ بعض بنی تمیم۔ کندہ۔ بنی بکر۔ ان میں سے بعض انہی کے زمانہ میں مارے گئے۔ اور بعضوں نے توبہ کی۔ اور قبیلے غسان کے بعض آدمی حضرت عمر رض کے زمانہ میں نصرانی ہوگئے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کو قرآن میں یہی خبر دی گئی تھی کہ تم میں سے بعض آدمی اسلام سے پھر جائیں گے۔ سو وہ ہی ہوا۔

(۱۳) جب مسلمانوں کو قرآن میں اس بات کی خبر دی گئی کہ تم میں سے بعض آدمی مرتد اور بے دین ہوجائیں گے تو مسلمانوں کو اس کا صدمہ اور رنج ہونا لازمی امر تھا۔ اس لئے ان کو اس خبر کے ساتھ ساتھ یہ خوشخبری بھی سنا دی گئی۔ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ پ ۶ ع ۱۲۔ خدا تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں داخل کریگا۔ جو خدا کو پیارے ہیں اور خدا انکو پیارا ہوگا۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

تو ابو موسیٰ اشعری اس مجلس میں موجود تھے۔ رسول خدا صلعم نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ھم قوم ھذا۔ وہ قوم جس کو خدا دوست رکھیگا۔ اور وہ خدا سے محبت کریں گے۔ اس شخص کی قوم ہے۔ ابو موسیٰ جو یمن کے رہنے والے اور قبیلہ اشعر کے ایک فرد تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے وطن کے بہت سے آدمی مدینہ پہونچے۔ اور سردار دوجہان صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر بڑے شوق اور محبت سے مسلمان ہوگئے۔ نبی کریم صلعم ان کے بڑھے ہوئے ذوق و شوق اور سچے اخلاص کو دیکھکر مسرور ہوئے اور یہ ارشاد فرمایا۔ الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ۔ حکمت اور ایمان یمن والوں کا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وعدہ اس قوم کے ایمان لانے سے پہلے ہوا تھا۔ جیسا کہ سوف یاتی میں لفظ سوف سے ہویدا ہے کیونکہ عربی زبان میں یہ لفظ استقبال بعید کے واسطے آتا ہے چنانچہ وعدہ پورا ہوا ایک سچے اور مخلص آدمیوں کی جماعت اسلام میں داخل ہوگئی ایسا وعدہ کرنا اور پھر اسکو پورا کردینا خدا ہی کا کام ہے انسان کبھی نہیں کرسکتا۔

۱۴/۳۴ جب نبی کریم علیہ التحیۃ بعد ہجرت مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو وہاں یہودی کثرت سے رہتے تھے۔ چونکہ یہودی حضور کے جانی دشمن تھے۔ اور ان کی طرف سے نقصان پہونچنے کا سخت خطرہ تھا۔ اس وجہ سے مسلمان رات کو آپ کے دولت کدہ کی حفاظت کرتے۔ اور نوبت بنوبت پہرہ دیا کرتے تھے۔ ابن کثیر کا بیان ہے کہ دو سال تک یہی حالت رہی۔ اس کے بعد قرآن میں آپ کی حفاظت کا وعدہ ان لفظوں میں کیا گیا۔

۱؎ بیضاوی ۲؎ رواہ مسلم ۳؎ رواہ البخاری والترمذی عن عائشہ۔

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ پ ۶ ع ۱۴ اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیگا جب لوگ پہرہ پر تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ رسول خدا صلعم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں کو پہرہ سے ہٹا دیا اور یہ فرمایا کہ اب مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالی میرا محافظ اور نگہبان ہے۔ فخر عالم صلعم اس کے بعد ۱۰ سال تک زندہ رہے۔ لیکن کبھی مدینہ میں یا اس کے باہر سفر میں آپ کی حفاظت نہیں کی گئی۔ اگرچہ دشمنوں کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ آپ کے ساتھ کوئی باڈی گارڈ یا حفاظتی جماعت نہیں رہتی لیکن وہ کسی موقعہ پر بھی آپ کو اکیلا پاکر نقصان نہیں پہونچا سکے۔ قرآن کا یہی وعدہ تھا۔ کہ دشمنوں سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ اور وہ کبھی آپکے قتل پر قادر نہ ہوں گے۔ کیا کوئی شخص دشمنوں کے بیچ میں حفاظت کے ظاہری سامان دور کرنے کے بعد دعوے کے ساتھ خدائی امداد کے بغیر مامون و مصئون رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ یہ وعدہ خدائی وعدہ تھا۔ جو پورا ہوا ۔

(۵) وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا پ ۷ ع ۱۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ دو قومیں مسلمانوں کی سخت دشمن ہیں۔ ایک یہودی اور دوسرے مشرکین اور بت پرست تجربہ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کا موقعہ ان دونوں قوموں کے ہاتھ آیا وہ انکو تکلیف اور نقصان پہونچانے سے کبھی نہیں چوکے۔ ان کا دلی رنج اور عداوت باطنی فوراً ظاہر ہوگئی۔ کسی قوم کے متعلق ایسا صحیح اور سچا فیصلہ کرنا اسی کا کام ہے جو دلی جذبات اور ان کے اندرونی

خیالات سے واقف اور باخبر ہے اور وہ خدا کی ذات ہے انسان کی یہ طاقت نہیں ہے ؂

(۱۶/۳۵) سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا ۸ ع ۵ مشرکین آپ کے پاس آکر عنقریب یہ کہیں گے۔ اگر خدا تعالےٰ چاہتا۔ تو ہم کسی کو اس کا شریک نہ بناتے۔ اس آیت میں وقت سے پہلے اس بات کی خبر دی گئی ہے جیسا کہ لفظ سیقول کے س سے ظاہر ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں استقبال قریب کے واسطے آتا ہے۔ جس کا ترجمہ اردو میں عنقریب ہے[۱] چنانچہ ایک جماعت مشرکین کی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے وہی کہا جس کی قرآن میں خبر دی گئی تھی جیسا کہ آیت وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ سے ظاہر ہے یعنی مشرکین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو ہم اللہ کی عبادت نہ کرتے اور اس کی خدائی میں کسی کو اس کا شریک نہ بناتے ؂

(۱۷/۳۶) جب غزوہ خندق میں ۱۲ ہزار کافروں نے مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور تقریباً ایک مہینہ تک اس کو محاصرہ میں رکھا۔ اور اس طویل محاصرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی حالت غیر ہو گئی اور کئی وقت تک بھوکے رہے اور دشمنوں سے لڑنے کی ان میں طاقت نہ رہی تو خدا نے غیبی امداد فرمانے کا وعدہ کیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ پ ۴ ع ۱۶ - میں عنقریب کافروں

[۱] بیضاوی۔ تفسیر ابوالسعود جلد ۵ ص ۳۵ [۲] بیضاوی ص ۲

کے دلوں میں تمہارا رعب اور ہیبت ڈال دوں گا۔ اور پیغمبر اسلام صلعم نے
اس آیت کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کفاروں کے جمع ہونے
کی وجہ سے تمہیں سخت تکلیفیں پہونچیں گی۔ لیکن انجام تمہارے ہاتھ میں رہے گا
اور وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ دشمن کے لشکر میں پھوٹ
پڑ گئی۔ بنی قریظہ کے لوگ ان سے الگ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے
گئے۔ ایک تیز اور تند آندھی رات کے وقت اس زور سے چلی کہ دشمنوں
کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور جانور تتر بتر ہو گئے۔ اور بعض آدمی کہیں سے کہیں
جا پڑے اگرچہ یہ چیزیں پریشان کن اور تشویشناک ضرور تھیں۔ لیکن یہ
ایسے اسباب نہیں تھے۔ کہ ایک ہی رات میں ان کی وجہ سے دس ہزار کا محاصرہ
چھوڑ کر دشمن بھاگ جاتے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ بنی قریظہ کے نکل جانے
کے بعد دو مسلمانوں سے تعداد میں تین گنے زیادہ تھے۔ اور مسلمانوں کی
حالت بہت خراب اور خستہ ہو رہی تھی۔ اس لئے ان کی یقیناً یہی وجہ تھی
کہ انکو اس بات کا ڈر ہو گیا کہ کہیں مسلمان بھوکے شیروں کی طرح کیمپ کا حال
[illegible] ان کو بھاگ
جانے کی [illegible] رات میدان چھوڑ کر بھاگ گئے
اور قرآن کا بھی وعدہ تھا۔ کہ وہ دن اور ڈر کی وجہ سے میدان چھوڑ
کر بھاگ جائیں گے ۔

(سلہ مکہ فتح ہونے کے ایک سال بعد ۹ ہجری میں جب حضرت علیؓ
نے مکہ میں مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ آج کی تاریخ سے مسلمانوں کا

سلہ بیت دی

مشرکین سے کوئی معاہدہ نہیں ہا اور نہ کوئی کافر قدیم رسم کے مطابق برہنہ ہوکر خانہ کعبہ کا طواف کر سکتا ہے تو مکہ کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ مکہ میں غلہ کی قسم سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی کافر معاہدہ فسخ ہونے کے بعد غلہ یا سبزی اور پھل وغیرہ باہر سے لیکر آئے گا۔ تو اجناس کی کمی سے مکہ میں قحط اور گرانی رونما ہوجائے گی جس سے اہل مکہ کو سختی اور بھوک کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ خدا تعالے نے اہل مکہ کے تنگدستی میں مبتلا ہونے اور فقر و فاقہ کے خوف کو دور کرنے کے واسطے قرآن میں فارغ بالی اور خوشحالی عنایت کرنے کا اس طرح وعدہ فرمایا۔ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ[۱] ۔ اگر تمہیں مشرکین کے نہ آنے کی وجہ سے فقر و فاقہ میں مبتلا ہوجانے کا ڈر ہو تو پرواہ نہ کرو۔ خدا تعالے اپنے فضل سے تمہیں غنی اور دولت مند بنا دے گا۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ جرش اور تبالہ کے رہنے والے مسلمان ہوگئے۔ ہر قسم کا غلہ اور پھل وغیرہ لیکر مکہ میں آنے جانے لگے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں شہر فتح ہوگئے جن میں بہت سا مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ اور وہ دولتمند ہوگئے۔ نیز ہر طرف کے لوگ مکہ میں آکر جمع ہونے لگے۔ جن کی آمد و رفت سے اہل مکہ کو بے انتہا فائدہ پہونچنے لگا۔ غیب جنیکہ بغیر لئے دئے کسی قوم کو دولت مند بنا دینا اور غیب سے ایسے اسباب پیدا کرنا۔ کہ جن کی وجہ سے فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ اور تنگدستی کا ڈر نہ رہے رب العزت ہی کا کام ہے ورنہ انسان کی کیا مجال ہے جو کسی کو اس طرح غنی یا فقیر بنا سکے۔

[۱] تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۱ [۲] بیضاوی صفحہ ۲۸۶

(۔ ۲۸) شروع میں اسلام کی حالت اس کمزور اور ضعیف پودے کی طرح تھی۔ جو ایک خشک اور چٹیل میدان میں تن تنہا اکیلا کھڑا ہو۔ نہ موسم کی ہوا اس کے موافق ہو اور نہ آبیاری کے لئے اسکو پانی میسّر آتا ہو۔ پھر جھکڑ ہوائیں اسکو بیخ و بُن اور جڑ سے اکھاڑنے پر تُلی ہوئی ہوں جس طرح ان مصیبتوں میں گھر جانے کے بعد اس پودا کا سرسبز اور بار آور ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کفار کے نرغہ میں اسلامی خیالات کی نشر و اشاعت اور دین الٰہی کا پھلنا اور پھولنا۔ نبی کریم صلعم کا اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جانا سخت مشکل تھا۔ چاروں طرف کافروں کا غلبہ تھا۔ کامیابی کے جملہ وسائل اور ذریعے ان کے ہاتھ میں تھے اجتماعی قوت ان کو حاصل تھی۔ طاقت و قوت کے وہ مالک تھے دولت کی بھی وہاں کمی نہ تھی۔ وہ لوگ جنگجو اور بہادر تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسلامی خیالات کے پکے دشمن اور توحید کے سخت مخالف تھے دوسری طرف نبی عربی صلعم کی ایک ذات شریف تھی نہ کوئی یار تھا۔ نہ مددگار اپنے پرائے اور یگانے بیگانے ہو چکے تھے۔ ادھر آپ مفلس اور غریب تھے تعلیمی خوبیوں سے نا آشنا تھے اور جو آپ کے رفیق اور دم کے ساتھی بن گئے تھے۔ وہ بھی آپ کی طرح بیکس اور کمزور تھے۔ ان حالات کی موجودگی میں اس بات کی کسکو توقع تھی کہ مسلمان کسی وقت کافروں کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب ہونگے۔ یہی وجہ تھی کہ جب قرآن میں مسلمانوں نے غلبہ اور کامیابی کی یہ خبر دی گئی۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ

كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ
س ۲۳ ع ۹ (ہم نے رسولوں کی مدد اور نصرت کا یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ دین الٰہی کے مدد
کرنے والے ایک دن ضرور غالب ہو کر رہیں گے) تو کفار ول نے مسلمانو
سے استہزا کرنا اور آپ کا مذاق کرنا شروع کر دیا کبھی کہتے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ جو فتح سچوں کے لئے تھی وہ کیا ہوئی۔ کبھی کہتے کہ جو
مصیبت اور عذاب نافرمانی کی وجہ سے ہم پر آنے والا تھا۔ وہ کیوں نہیں
آیا۔ اس وقت خدا نے اپنے رسول سے اسلام کا وعدہ اور مسلمانوں کی
فتح و نصرت کے متعلق یہ خوشخبری سنائی۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ
بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ع ۱۱
کافر خدا کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ سچائی کے نور کو
ضرور روشن کریگا خواہ کافروں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار ہو اور اللہ کا
یہی وعدہ سورۂ نور میں اسطرح بیان کیا گیا ہے۔ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي
ارْتَضٰى لَهُمْ ۔ جس دین کو اللہ تعالے نے مسلمانوں کے لئے پسند کیا ہے۔ اسکو دوسر
دینوں پر ضرور ایک دن غالب کریگا۔ ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمادی اور بتادیا
کہ خدا کا وعدہ اٹل ہے ایک دن ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن آپ کافروں کے
اعتراضات اور طعن و تشنیع سے تنگ آکر بے صبری اور جلد بازی نہ کریں اور فرمایا
وَلَنَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ ۔ اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہو لیکن ہم آپ کی مدد
ضرور کرینگے اور کبھی فرمایا گیا۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ
الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ت ۲۱ ع ۶ آپ صبر کیجئے خدا کا وعدہ ضرور پورا ہو گا۔

کفار وں کی حرکتیں آپ کو جلد بازی پر نہ ابھاریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ قبائل عرب جوق درجوق اسلام میں داخل ہوئے اور جو قومیں کل تک اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر ادھار رکھائے بیٹھی تھیں وہ اس کے معاون اور مددگار بن گئیں۔ عرب کی زمین بت پرستی کی اندھیریوں ضلالت و گمراہی کی ظلمتوں سے پاک ہو کر توحید اور سچائی کے نور سے جگمگا اٹھی باطل پرستوں کے جھنڈے اسلامی پرچم کے آگے سرنگون ہو گئے کسی نے خوشی سے اسلام کی غلامی اختیار کی اور کوئی ذلت کے ساتھ سر جھکانے پر مجبور ہوا۔ عرب[1] سے بت پرستی ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوئی۔ ملک شام میں صلیب نے ہتھیار ڈال دئے اور فارس کے آتش کدے ٹھنڈے ہو گئے۔ صحابہ کے زمانہ میں اسلام اندلس اور بلاد قیروان سے گزرتا ہوا بحر محیط تک اور مشرق میں چین کی سرحد تک پھیل گیا۔ عرب۔ مصر۔ اسکندریہ۔ ملک عراق۔ اور شام فلسطین وغیرہ سب جگہ اسلام کی روشنی جگمگا اٹھی۔ ملک فارس کے تمام حصوں اور ہندوستان کے بعض شہروں تک اس زمانہ میں آفتاب اسلام کی نورانی شعاعیں پھیلی ہوئی تھیں۔ غرض قرآن نے اسلام کے تمام دینوں پر غالب ہونے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

(سنہ ۹ھ) روم کے بادشاہ ہرقل[2] نے مسلمانوں کی پیہم کامیابیوں سے متاثر ہو کر ان پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس ارادہ کی اطلاع ہو گئی آپ نے مسلمانوں کو اس خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے لڑائی کے واسطے تیار رہونے کا حکم فرمایا۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا

[1] اعجاز القرآن للباقلانی [2] ابن خلدون

مقابلہ میں دشمن زبردست اور قوی تھا۔ اور اس کی تعداد بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ سفر دور دراز کا اور لمبا تھا یہ ایسے حالات تھے۔ کہ ان کی موجودگی میں جنگ کے لئے تیار ہونا بظاہر نہایت مشکل تھا۔ لیکن مخلص اور دیندار مسلمان سردار دوجہان صلعم کا حکم سنتے ہی سرفروشی کے واسطے تیار ہو گئے چنانچہ آنحضرت[1] صلعم رجب ۹ھ ہجری میں تیس یا چالیس ہزار آدمیوں کی جمعیت لیکر مدینے سے باہر نکلے اور تبوک[2] کی طرف روانہ ہو گئے اس دفعہ مسلمانوں کے لشکر میں دس ہزار سوار تھے۔ مخلص مسلمانوں میں سے کوئی شخص بلا عذر لڑائی میں شریک ہونے سے پیچھے نہیں رہا۔ سوائے تین آدمیوں کے جو اپنی سستی اور سہل انگاری کی وجہ سے شریک ہونے کی سعادت سے محروم رہے اور حضور کی واپسی کے بعد انہوں نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے سچی توبہ کی اور معافی مانگی۔ عبداللہ[3] بن ابی منافق اور اس کی قوم سے بہت سے آدمی ثنیۃ الوداع کے قریب پہونچکر راستہ سے واپس ہو گئے اور وہ جنگ میں شریک ہوئے ان کے علاوہ قبیلہ غفار کے ۸۲ اور انصار میں سے تقریباً اسی قدر دوسرے منافقین تھے جو آنحضرت صلعم کے ساتھ اس سفر میں نہیں گئے۔ بلکہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بعضوں نے[4] مختلف بہانے کرکے نبی عربی صلعم سے واپسی کی اجازت لے لی۔ غرض رسول خدا صلعم مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے تبوک پہونچ گئے۔ وہاں چند روز قیام فرمانے کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ شریک نہ ہونے والے منافقین

[1] سیرت حلبی۔ بخاری ابن اسحاق وقسطلانی وغیرہ [2] تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جو مدینہ سے تقریباً ۱۷۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ [3] بیضاوی۔ [4] قسطلانی

کے متعلق قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ وَسَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا
مَعَکُمْ۔[1] پ ۱۰ ع ۶۔ جب آپ مدینہ پہونچیں گے تو منافقین اپنا عذر ظاہر
کرنے کے لئے آپ کے سامنے آکر یہ قسم کھائیں گے۔ کہ اگر ہمیں جنگ کی
طاقت ہوتی تو ہم تمہارے ساتھ ضرور اس جنگ میں شریک ہوتے۔ چنانچہ ایسا
ہی ہوا۔ جب نبی کریم صلعم رمضان ۹ ہجری میں مدینہ منورہ پہونچے
تو منافقین عذرخواہی کیلئے[2] آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں ۱۳
نے انہی لفظوں کے ساتھ قسم کھائی جس کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۳) رسول خدا صلعم رجب ۹ ہجری میں غزوہ تبوک کیلئے مدینہ سے
باہر نکلے اور تقریباً دو مہینے سفر میں گذار کر رمضان ۹ھ کو مدینہ
منورہ پہونچے۔ اس دو مہینے کے عرصہ میں منافقین کے حالات اور واقعات
کے متعلق برابر وحی نازل ہوتی رہی اور منافقین میں سے جو لوگ جنگ میں
شریک نہیں ہوئے تھے ان کی مذمت اور برائیاں بیان کی گئیں بعض
ایسے منافقوں کو جو اس سفر میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اپنے بھائیوں کے
عیب ظاہر ہونے سے صدمہ ہوا۔ چنانچہ جلاس بن سوید منافق نے اس بارے
میں دوسرے منافقین سے تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا۔ لَئِنْ کَانَ مَا یَقُوْلُ
مُحَمَّدٌ لِاِخْوَانِنَا حَقًّا لَنَحْنُ شَرٌّ مِّنَ الْحَمِیْرِ۔ جو کچھ محمد صلعم۔ ہمارے بھائیوں
کے بارے میں کہتے ہیں اگر وہ صحیح اور درست ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر
ٹھہرے۔ ان کے علاوہ آنحضرت صلعم کی شان مبارک میں بھی کچھ سخت
اور سست الفاظ زبان سے نکلے۔ حق تعالےٰ نے ان تمام واقعات

[1] ابن خلدون [2] بخاری ج ۲ صفحہ ۶۳۵ [3] بیضاوی صفحہ ۲۹۴

کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ یحلفون باللہ ما قالوا ولقد قالوا کلمۃ الکفر پ ۱۰ ع - ان لوگوں نے کفر کا کلمہ زبان سے ضرور نکالا ہے۔ لیکن وہ آپ کے سامنے اس بات کے کہنے سے انکار کرینگے اور اس پر حلف اٹھائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب نبی کریم صلعم نے آنکو بلا کر اس کے متعلق دریافت کیا۔ تو اونہوں نے قسم کھائی اور اس بات کے کہنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جلاس بن سوید کو جو ان کلمات کا کہنے والا تھا جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ حضرت محمد صلعم کو خدائے قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص ان واقعات کی خبر دینے والا نہیں ہے تو اس نے اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا اور سچی توبہ کر کے مخلص مسلمانوں میں داخل ہو گیا۔

(۲۲/۴۱) منافقین کی ایک جماعت نے جو غزوہ تبوک میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ہم سفر تھی۔ اثناء راہ میں ان کی طرف اشارہ کر کے آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگی۔ کہ دیکھو اس شخص کو یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ ملک شام کے محلات اور قلعوں کے فتح کرنے کے خیال سے جا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سردار دو جہان کو اس بات کی خبر کر دی۔ اور یہ آیت نازل فرمائی۔ ولئن سألتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب - جب آپ اس بارے میں ان سے سوال کریں گے۔ تو وہ یہ کہیں گے کہ ہمارا یہ کہنا دل سے نہیں تھا۔ بلکہ مذاق اور دل لگی کے طور پر تھا۔ چنانچہ رسول خدا صلعم نے ان کو بلا کر فرمایا کہ تم نے ایسا ایسا کہا ہے انہوں نے عرض کی کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ دلبستگی اور تفریح طبع کے واسطے کہا تھا۔ تاکہ راستہ ہنسی خوشی

کے ساتھ بآسانی طے ہو جائے ورنہ آپ سے ہمیں کوئی مخالفت اور عداوت نہیں ہے۔ جو ہم ایسے کلمات زبان سے نکالیں۔ غرض انہوں نے جواب میں وہ الفاظ کہے۔ جس کی قبل از وقت قرآن میں خبر دیگئی تھی۔

(۲۳) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ؈ اِ ع اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ ایک دن اسکو تمام دنیوں پر ضرور غلبہ دیگا۔ اگرچہ مشرکین اسکو اچھا نہ سمجھیں۔ یہ خبر اس وقت دیگئی جبکہ مجوس اور نصاریٰ کی بڑی زبردست سلطنتیں دنیا میں موجود تھیں اور عرب پر مشرکین کا تسلط اور غلبہ تھا۔ اور یہودی تمام عرب میں پھیلے ہوئے تھے اور مسلمان اس درجہ کمزور اور ضعیف تھے کہ آپ کی ایسی خبروں کو کوئی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ بلکہ اس پر ہنسی اور مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن قرآن کی خبر سچی ہو کر رہی اور اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر ایک دن غلبہ نصیب ہو گیا۔ دنیا نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ کہ مسلمانوں نے یہودیوں کو عرب سے نکالا قیصر روم پر جو نصاریٰ کی بڑی سلطنت تھی فتح حاصل کی۔ مجوسی اور آتش پرستوں کی حکومت کا تختہ الٹا۔ بلاد ترک اور ہندوستان پر جو بت پرستوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ قبضہ جمایا اور دیر تک حکمرانی کی۔ دنیا کے یہی چار مذہب ہیں جن پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ قرآن نے یہی خبر دی تھی کہ ایک وقت تمام ادیان باطلہ پر اسلام کو غلبہ ہو جائے گا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ مسلمان تمام دنیا میں چاروں مذہب کے

؎ تفسیر کبیر ج ۴ صفحہ ۴۲۲

رہنے والوں پر غالب ہوں گے یا قیامت تک یہ غلبہ رہے گا بلکہ ایک وقت کے لئے تمام دنیا پر غالب ہونے کو کہا تھا سو وہ پورا ہو گیا۔

(۴۴۲/۴۴۳) تبوک سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں نبی کریم صلعم پر یہ وحی نازل ہوئی۔ یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ الٰی قولہٖ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْھِمْ [1] اس آیت میں منافقوں کی اس جماعت کے متعلق جو آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہوئی تھی اور مدینہ ہی رہ گئی تھی۔ یہ خبر دی۔ کہ جب آپ خیریت کے ساتھ مدینہ پہونچیں گے تو منافق آپ کی خدمت میں آکر شریک نہ ہونے کا جھوٹا عذر بیان کرینگے اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ مگر آپ انکا ہرگز اعتبار نہ کریں وہ جان بچانے کی غرض سے ایسا کہیں گے۔ آپ ان سے کہدیں کہ تمہاری عذر خواہی فضول اور بے اثر ہے کیونکہ خدا تعالے نے تمہارے دلی ارادوں سے ہمیں باخبر اور آگاہ کر دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب رسول خدا صلعم مدینہ منورہ پہونچے۔ تو منافقین کی ایک جماعت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ ہمیں اس جنگ میں شریک ہونے کی قدرت نہیں تھی۔ ورنہ ہم ضرور آپ کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوتے۔ آپنے ان کے جھوٹے عذروں کو قبول نہ فرمایا۔ اور مسلمانوں کو ان سے سلام و کلام کرنے سے روک دیا۔ منافقین کا وہی کام کرنا جس کی قرآن میں قبل از وقت

[1] تفسیر کبیر ج۴ صفحہ ۴۸۹

خبر دی گئی تھی۔ اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ محمد صلعم نے جو کچھ فرمایا وہ خدا سے فیض پاکر فرمایا۔ اپنی طرف سے ایک حرف بھی نہیں کہا +

(۲۵) جب قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسول کے ماننے سے انکار کریں گے۔ ان پر خدا کا غضب اور غصہ نازل ہوگا۔ اور ایسے نافرمان ہلاک اور تباہ کردیئے جائیں گے اور ان کی جگہ مطیع اور فرمانبرداروں کو دیجائے گی۔ کافروں پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا۔ تو حیی بن اخطب اور مکہ کے دوسرے کافر مذاق اور دل لگی کے طور پر مسلمانوں سے کہتے۔ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۱ ع ۱۰۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر ابھی تک عذاب کیوں نہیں آیا۔ اور کبھی مسلمانوں کی کمزوری اور اپنی قوت اور طاقت کو دیکھتے ہوئے کہتے۔ اَحَقٌّ هُوَ ۱۱ ع ۱۰ کیا نافرمانوں پر عذاب کا آنا درست اور صحیح ہے ان سوالات کے جواب میں انکو یہ خبر دی گئی۔ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۱۱ ع ۱۰ اے محمد (صلعم) ان سے کہہ دیجئے۔ خدا کی قسم تم پر خدا کا عذاب ضرور آکر رہے گا۔ اور تم خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکو گے یہ قطعی اور یقینی فیصلہ اس وقت سنایا گیا جبکہ مسلمانوں کی ظاہری حالت انتہا درجہ کی ردی اور خراب تھی۔ اس کے بالمقابل دوسری طرف کفار مکہ قوی اور زبردست طاقتور تھے۔ لیکن خدائی فیصلہ پورا ہوکر رہا۔ تقریباً تمام سرداران مکہ اور اسلام کے دشمن مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کئے گئے اور ان کی طاقت اور شوکت ٹوٹ کر اس کی جگہ مسلمانوں کا زور اور دبدبہ قایم ہوگیا اور یہی قرآن کا وعدہ تھا۔

ل بیضاوی صفحہ ۲۱۵

(ب ۲۶ ۵ہ) منافقین میں سے جو لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ اُن کی بابت قرآن میں پیغمبر صلعم کو یہ خبر دی گئی۔ لَن تَخرُجُوا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَن تُقَاتِلُوا مَعِیَ عَدُوًّا ف ۱ ع اے محمد ان سے کہدو کہ اب تم میرے ساتھ جنگ میں شریک نہیں کئے جاؤ گے۔ اور میرے ساتھ مل کر نہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ غزوہ تبوک سنہ ۹ھ میں ہوا۔ اور رسول اللہ صلعم اس سے ایک سال بعد سنہ ۱۰ھ میں خدا کو پیارے ہوگئے اس عرصہ میں کوئی جنگ نہیں ہوا۔ اور نہ ہی منافقین کو اخیر دم تک آپکے ساتھ ہمرکاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی ؛

(ب ۲۷ ۵ہ) قرآن میں منافقین کی بابت یہ خبر دی گئی کہ جب مسلمانوں کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ لوگ شریک نہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اگر اُن کی فتح ہو جاتی ہے۔ اور مال غنیمت اُن کے ہاتھ آتا ہے تو پھر اپنی مودۃ اور دوستی کا اظہار کر کے اس میں سے حصہ لینا چاہتے ہیں۔ قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی فَاِن اَصَابَتکُم مُّصِیبَۃٌ قَالَ قَد اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیَّ اِذ لَم اَکُن مَّعَھُم شَھِیدًا وَلَئِن اَصَابَکُم فَضلٌ مِّنَ اللّٰہِ لَیَقُولَنَّ کَاَن لَّم تَکُن بَینَکُم وَبَینَہٗ مَوَدَّۃٌ یّٰلَیتَنِی کُنتُ مَعَھُم فَاَفُوزَ فَوزًا عَظِیمًا ف ۵ ع اگر تمہیں کوئی مصیبت پہونچے تو پھر یہ لوگ اس بات پر کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہ تھے۔ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اور اگر مال غنیمت حاصل ہو جائے تو پھر حسرت سے کہتے ہیں۔ کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ہمیں بھی یہ مال و دولت

سلہ اعجاز القرآن للباقلانی

مل جاتی۔ اس آیت کے تین سال بعد ۶ھ میں رسول خدا صلعم نے بیت اللہ
کی زیارت کا ارادہ کیا اور پندرہ سو مسلمان اپنے ساتھ لئے اور جب منافقین
کو سفر میں شرکت کی دعوت دی گئی تو ان کو اہل مکہ کی طرف سے لڑائی کا خوف
ہوا۔ اس لئے انہوں نے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور بہانہ یہ بنایا
کہ ہمارے گھر خالی ہیں پیچھے کوئی کاروبار سنبھالنے والا نہیں ہے اس لئے ہم شریک
ہونے سے معذور ہیں۔ جب ایک مہینہ کے بعد مسلمانوں نے خیبر کی لڑائی پر
جانے کا ارادہ کیا۔ اور منافقین کو مسلمانوں کی کامیابی کا غالب گمان ہوا تو
اس غزوہ میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اس
جنگ میں وہی لوگ جا سکتے ہیں جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ تو انہوں
نے کہا کہ تم اس خیال سے ہمیں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تا کہ انکو
غنیمت کے مال میں سے کچھ حصہ نہ دینا پڑے۔ اس بیان سے معلوم ہوا۔
کہ منافقین پیسے کے میت تھے۔ ان کے دل میں اسلام کی کوئی محبت
نہ تھی۔ جس جگہ اپنا نفع دیکھتے۔ وہاں دوڑ کر جاتے اور جہاں کسی تکلیف کے
پہونچنے کا ڈر ہوتا۔ اس سے کوسوں دور بھاگتے اور مسلمانوں کے دکھ درد
میں ہرگز شریک نہ ہوتے اور اس کی قرآن نے خبر دی تھی +

(۲۸/۴۷) ابھی تک ۳۳ مرد اور ۶ عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں۔ مگر مسلمان فرائضہ
الہیہ کے ادا کرنے میں آزاد نہیں تھے۔ گھر میں دروازہ بند کر کے نماز پڑھا
کرتے۔ اور چھپ کر قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اللہ سبحانہ
نے عمر بن خطاب کو ایمان کی دولت سے نوازا اور رسول خدا صلعم کی غلامی

بیضاوی صفحہ ۳۸

میں داخل کیا۔ جب آپ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلعم سے کعبہ میں نماز پڑھنے
کی درخواست کی آپنے فرمایا کہ ابھی مسلمان کمزور ہیں اور مشرکین کا غلبہ ہے
حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہمارا دین سچا ہے۔ یا انکا ؟ آپنے فرمایا کہ ہمارا
پھر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ کہ اللہ ہماری مدد کریگا۔ یا انکی۔ آپنے فرمایا کہ ہماری
تب حضرت عمرؓ نے گذارش کی۔ کہ یا رسول اللہ۔ جب کافر بتوں کی پرستش علانیہ
کرتے ہیں تو ہم خدا کی عبادت چھپ کر کیوں کریں خصوصاً جبکہ خدا کی مدد
ہمارے ساتھ ہے۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اے اللہ
کے نبی آپ کی مدد کے واسطے خدا تعالے اور مومنین کی یہ مٹھی بھر جماعت کافی ہے
اس کے بعد نبی علیہ السلام مسلمانوں کو لے کر بیت اللہ میں داخل ہوئے
اور وہاں جاکر کھلم کھلا نماز ادا کی اور جب کوئی کافر روکنے کے لئے آگے بڑھتا
اسکو حضرت عمرؓ مار کوٹ کے سیدھا کر لیتے۔ یہاں تک کہ کعبہ میں بلا خوف و خطر
نماز ہونے لگی۔ اور دن بدن اسلام کو قوت اور غلبہ ہونے لگا جس کا آخری نتیجہ
یہ نکلا کہ مکہ کی زمین بت پرستی اور گمراہی کی اندھیریوں سے نکل کر توحید
اور حق پرستی کی روشن اور چمکتی ہوئی کرنوں سے جگمگا اٹھی اور دنیا کے
ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک اسلام پھیل گیا۔ غرض جسطرح قرآن
نے اس جماعت کے متعلق کافی ہونے کی خبر دی تھی وہ درحقیقت اسلام کی
عزت اور وقار کو قایم رکھنے اور اپنی جانبازیوں سے اسلام کی کھیتی کو ہری بھری
اور سرسبز کرنے میں کافی نکلی ؂

لہ ابن خلدون ۲ہ بیضاوی

(۲۹/۴۸) اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۱۳ع ۱۰ یا آپ ان کے یعنی اہل کہ کے گھر کے قریب اتریں گے۔ یہاں تک خدا کا وعدہ آ جائے اور بیشک اللہ تعالےٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا

یہ آیت ۶ھ ہجری سے پہلے مدینہ منورہ میں اسوقت نازل ہوئی جبکہ کفار مکہ سے دشمنی اور عداوت کا زمانہ ہے طرفین میں سے کوئی جماعت اپنے مخالف کے مقبوضات اور اس کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس میں آنحضرت صلعم کو یہ خبر دیگئی کہ آپ مکہ کے قریب جا کر ٹھیریں گے مکہ میں داخل نہیں ہو گا جس کے بعد خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہو گی۔ اور مکہ فتح ہو جائے گا۔ بالکل ایسا ہی ہوا۔ آپ ذیقعد ۶ھ ہجری کی پہلی تاریخ کو پیر کے دن مدینہ سے باہر نکلے اور عمرہ کرنے کے لئے مکہ کیطرف روانہ ہوئے۔ اگرچہ آپ لڑائی کرنے کی غرض سے روانہ نہیں ہوئے تھے اور نہ آپ کی یہ نیت تھی۔ اس لئے آپنے مدینہ سے نکل کر ۱۰ میل کے بعد ذوالحلیفہ سے احرام باندھ لیا۔ اور آپکے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی احرام باندھے۔ لیکن مکہ والے پھر بھی مانع ہوئے اور آپکو داخل ہونے کی اجازت نہ دی اگرچہ کفار مکہ میں سے بعض آدمی آپ کو روکنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن قریش کی اکثریت اسی طرف رہی کہ انکو اس مرتبہ مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے اس ردو کد اور بحث تمحیص کے بعد صلح ہو گئی۔ اور مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر حدیبیہ سے واپس ہو گئے۔ لیکن دو سال کے بعد مکہ فتح ہو گیا اور مکہ والے آغوش اسلام میں آ گئے غرض قرآن نے جس بات کی وقت سے پہلے خبر دی تھی وہ بعینہا پوری ہوئی۔

(۳۰/۴۵) جب قرآن میں اہل حق کی فتح اور کفاروں کے شکست کی خبر دی گئی۔
لیکن مسلمانوں کی فتح اور نصرت میں کچھ دیر ہوئی تو کفاروں نے مسلمانوں کو چڑانا
اور اُن کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اُس وقت اُن کے جواب میں اسلام
کی سچائی اور حق پرستوں کے ساتھ نصرت کا وعدہ پورا کرنے کے لیے یہ نشانی
پیش کیگئی۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ع۱۳ ۱۲ع
کیا وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم روز بروز کافروں کی زمین ان کے قبضہ سے
نکال کر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں۔ اللہ نے اسلام کی فتح اور کفر کی
شکست کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے۔ اور کوئی شخص خدا کے اس فیصلہ کو
رد نہیں کرسکتا۔ اس آیت میں اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت اور رسوائی کی
قطعی اور یقینی خبر دی گئی۔ کفاروں نے اسلام کے مٹانے کے لئے ایڑی سے
چوٹی تک کا زور لگایا لیکن ناکام رہے۔ خود مٹ گئے مگر اسلام کو ذرہ
برابر نقصان نہ پہونچا سکے۔ بلکہ کفر و ضلالت کا غبار چھٹنے کے بعد اسلام
کا نور آفتاب بن کر چمکنے لگا۔ اور یہی قرآن کا وعدہ تھا۔
(۱۴/۵) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ف۱۴ ع۱ ہم نے یہ
ذکر نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے
یعنی جس طرح پہلی آسمانی کتابوں توریت انجیل میں تحریف اور رد و
بدل ہوتا رہا ہے۔ قرآن مجید میں نہیں ہوگا۔ اور ہر قسم کے تغیر اور کمی زیادتی
سے قیامت تک محفوظ رہیگا۔ اور اس میں کسی طرح کی تحریف اور تبدیلی
نہ ہوگی۔ اگر یہود و نصاری کی مثال کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنہوں نے

اپنی آسمانی[1] کتابوں میں صدہا تبدیلیاں کی ہیں۔ مسلمانوں یا کم از کم مخالف جماعتوں کے لئے یہ امر بہت آسان تھا۔ کہ وہ قرآن عزیز میں اپنی منشا کیموافق تحریف یا تبدیلی پیدا کر دیتے خصوصاً جبکہ مسلمان مذہبی ناواقفیت اور بے پرواہی کیوجہ سے اسلامی روایات اور مذہبی فیصلوں سے دور جا رہے ہیں۔ یہ کام اور بھی زیادہ آسان اور سہل تھا لیکن آج ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں ایک نقطہ کا فرق نہیں آیا۔ اور جو قرآن آج سے تیرہ سو برس پہلے حضرت محمد صلعم پر ظاہر ہوا تھا وہی قرآن آج بھی بلا کم و کاست موجود ہے۔ اگر قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ خدائی وعدہ نہ ہوتا بلکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے ہوتا۔ تو اس کتاب کا ہر قسم کی تحریف و تصحیف سے محفوظ رہنا نہایت مشکل ہو جاتا۔ زیادہ سے زیادہ پیغمبر خدا صلعم اپنی زندگی میں حفاظت کر سکتے تھے۔ لیکن اس عالم سے رخصت ہونے کے بعد دوست دشمن سے بچانیوالا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ باوجودیکہ سینکڑوں ملحد و بد دین یہود و نصاریٰ ایسے دنیا میں موجود ہیں جو اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں جن کی دن رات یہی آرزو ہے کہ وہ کسی طرح اسلام کا جھوٹا ہونا ثابت کریں اور موجودہ دین کو بدل دیں۔ لیکن وہ کبھی نہ کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے اب تک یہ خدا تعالےٰ ہی کی حمایت اور حفاظت کا اثر ہے جو قرآن ہر قسم کی تبدیلی سے بچا ہوا ہے۔ رہی طباعت کی غلطیاں سو اسکی تصحیح اور اصلاح کرنے کے لئے سینکڑوں انسان موجود ہیں۔

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۵

نیز اس میں کوئی غلطی ایسی مشتبہ اور چھپی ہوئی نہیں ہوتی۔ کہ جس سے اسکی اصلیت پر تاریکی کا پردہ پڑ جائے۔ اور حقیقت حال معلوم نہ ہو سکے۔ اور یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ قرآن مجید میں کسی طرف سے باطل کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳۲) مکہ کے سردار رسول خدا صلعم کیساتھ دل لگی کرتے۔ اور انکا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام بیت اللہ کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے چند ساتھیوں نے جب آپ کو دیکھا۔ تو عقبہ بن ابی معیط کو اشارہ کیا۔ وہ ایک ذبح کئے ہوئے جانور کی اوجھ جسمیں گندگی بھری ہوئی تھی۔ اٹھا لایا۔ اور جسوقت رسالت پناہ صلعم سجدہ میں گئے۔ تو اس بھری ہوئی اوجھ کو آپکی پشت پر رکھدیا۔ پھر اس حرکت کے بعد وہ دیر تک ہنستے رہے۔ یہانتک کہ حضرت فاطمہ رضو حضور کی چھوٹی صاحبزادی کو خبر ہوئی۔ اور انہوں نے اوجھ آپکے پشت سے اتار کر پھینکی۔ عبد اللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں بیان فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلعم نے ان بدذاتوں کے حق میں بددعا فرمائی۔ چنانچہ اس میں سے ۶ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور عمارہ بن ولید حبشہ جا کر دیوانہ ہو گیا۔ اور اسی حالت میں مر گیا۔ یہی سات آدمی تھے۔ جنکے بارے میں حضور نے بددعا فرمائی تھی۔ ان کے علاوہ ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) عدی بن قیس (۴) اسود بن مطلب۔ اسود بن عبد یغوث یہ پانچوں سردار رسو لخدا صلعم کی ہنسی اڑاتے۔ اور ایسا نہ بیہودہ مذاق کرنے میں سب سے آگے رہتے تھے۔ قرآن میں ان کے متعلق یہ خبر دی گئی۔

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ ۹۵ ع ۔ اے ہمارے پیارے نبی آپ ان مذاق اُڑانے والوں سے دلتنگ نہ ہوں۔ ہم ان سے اس گستاخی کا بدلہ لینے والے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونیکے چند دن بعد ان پانچوں (بدذات) آدمیوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ولید کا پاؤں اپنے تیر سے زخمی ہو گیا۔ اور وہ اسی صدمے سے مر گیا۔ عاص بن وائل کے پاؤں میں کانٹا چبھا۔ اور پاؤں سوج کر ہاتھی کیطرح ہو گیا۔ اور اسی حالت میں جہنم رسید ہوا۔ اسود بن مطلب کو آنکھوں کی تکلیف ہوئی تا آخر اندھا ہو کر مر گیا۔ عدی بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہو گئی۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اور اسود بن عبد یغوث ایک درخت کے نیچے بیٹھا بیٹھا دیوانہ اور پاگل ہو گیا۔ اس دیوانگی کی حالت میں درخت سے سر ٹکرا کر مر گیا۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ سزائیں ان گستاخوں کو قدرتی طور پر دی گئیں تھیں۔ پیغمبر خدا صلعم ان سزاؤں کے دینے پر ہرگز قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ اس سزا دہی کا وعدہ کرنیوالا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(۵۲) سورۃ نحل میں سواری کے جانوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً وَّیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۱۴ ع ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری سواری کیلئے زینت اور خوبصورتی حاصل کرنے کیواسطے گھوڑے گدھے خچر پیدا کئے ہیں۔ ابھی اور ایسی چیزیں پیدا کریگا۔ جسکو تم نہیں جانتے اس آیت میں سواری کی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسلئے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ سواری کا فائدہ دینے والی بعض چیزیں جو ابھی تک نہیں ہوئی ہیں۔ آئندہ بنائی جائینگی۔ دنیا جانتی ہے

کہ اب تک جانوروں میں سے کوئی ایسا جانور پیدا نہیں ہوا ہے۔ جس کی نسبت کہہ سکیں کہ ہزار سال پہلے جنس موجود نہ تھی۔ اور آج ہو گئی ہو۔ اسلیئے جانور کی قسم سے کوئی چیز مراد نہیں ہو سکتی۔ البتہ ایسی نئی چیز جس پر سوار ہوتے ہیں۔ اور اس سے سواری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ ریل اور موٹر ہوائی جہاز وغیرہ ہیں۔ چونکہ خدا نے انسان کے دماغ میں ان چیزوں کے ایجاد کی صورتیں پیدا کیں۔ اور انسانی خیالات کو اس طرف متوجہ کیا۔ انکو اس کام کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ اور باخبر بنایا ہے۔ اسلیئے یہ کہنا صحیح اور درست ہے کہ یہ چیزیں خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں۔ غرض قرآن نے ایسی سواریوں کی ظاہر کرنیکی اسوقت خبر دیگئی۔ جبکہ انسان کے دماغ میں ان کے وجود کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ بلکہ ایکہزار سال کے بعد ان چیزوں کا ظہور ہوا۔ یہ سواری کی چیزیں ایسی ہیں۔ جو شروع دنیا سے لیکر حضور کے زمانہ تک کہیں نہیں تھیں۔ اور نہ اس کے بعد ایکہزار سال تک کسی کو ایسی چیزوں کے ظاہر ہونیکا علم تھا۔ جو کچھ ہوا۔ اس دوسو سال کے عرصہ میں ہوا۔ اور چونکہ قرآن نے سواریوں میں سے ایسی نئی سواری ظاہر ہونیکی خبر دی تھی۔ جسکی نظیر دنیا میں پہلے نہیں ملتی۔ اس لیئے یہ بات کہنی بلا مبالغہ صحیح ہے۔ کہ قرآن مجید میں ریل موٹر وغیرہ کے ظاہر ہونیکی خبر دیگئی ہے۔ اور ایسی خبر وہی دے سکتا ہے جو قیامت تک کے حالات سے باخبر ہو۔ وہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام) محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قریش نے یہودیوں کے کہنے سے تین باتیں نبی کریم صلعم سے دریافت کیں تھیں۔ جن میں سے ایک سوال اصحاب کہف کے متعلق تھا۔ قرآن عزیز میں ان لوگوں کے متعلق تفصیلی بیان کرتے ہوئے یہ آیت بھی ذکر

گیگی۔ سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَۃٌ رَّابِعُھُمْ کَلْبُھُمْ وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَۃٌ سَادِسُھُمْ کَلْبُھُمْ رَجْمًا بِالْغَیْبِ ۱۶ ع ۱۵ ۔ عنقریب بعض اہل کتاب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصحاب کہف کی تعداد ۳ آدمی اور چوتھا کتا بتائیں گے۔ اور ان میں سے ایک جماعت ۵ آدمی اور چھٹا کتا کہیگی۔ آنحضرت صلعم کیخدمت میں اہل کتاب کے حاضر ہونے اور اصحاب کہف کی تعداد اور شمار میں جھگڑنے اور اختلاف کرنے کی خبر مکہ میں دیگئی۔ جب رسولخدا صلعم مدینہ منورہ پہونچے۔ اور آپ کی خدمت میں نجران کے عیسائیونکا ایک وفد حضرت عیسٰی کے متعلق بحث و مباحثہ کرنیکی غرض سے حاضر ہوا۔ سید اور عاقب اس وفد کے سردار تھے۔ سید[۱] یعقوبیہ مذہب کا نصرانی تھا۔ اور عاقب نسطوریہ خیال کا عیسائی تھا۔ مجلس نبوی میں اصحاب کہف کا ذکر شروع تھا۔ سید نے کہا۔ کہ اُن کی تعداد تین تھی۔ چوتھا اُنکا کتا تھا۔ عاقب بولا۔ کہ یہ غلط ہے۔ بلکہ وہ ۵ آدمی تھے۔ اور چھٹا کتا تھا قرآن نے قبل از وقت ہی خبر دی تھی۔ کہ اہل کتاب کی ایک جماعت آپکی خدمت میں حاضر ہو کر اصحاب کہف کی تعداد اور شمار میں ایسا اور ایسا اختلاف کریگی۔ سو ایسا ہی ہوا۔

(۳۵) وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ۱۸ ع ۱۳۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کے خوف کو ایکدن امن سے ضرور بدل دیگا۔ یعنی کفار کا خوف مسلمانوں کے دلوں سے جاتا رہیگا۔ وہ امن و امان کیساتھ زندگی گذارنیکے قابل ہو جائینگے۔ آپنے مکہ میں نبوت کے بعد ۱۳ سال قیام فرمایا۔ ایکدن بھی بیفکری اور امن نصیب نہ ہوا۔ کفار کی اذیتوں اور اُنکی تکلیفوں سے تنگ آکر وطن مالوف چھوڑنے

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۸۶

پر مجبور ہوئے۔ جب مدینہ منورہ پہونچے تو صبح و شام مسلمانوں کو دشمنوں کے
خوف سے مسلح رہنا پڑتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے امن اور سلامتی کا وعدہ پورا فرمایا۔
تمام عرب پر مسلمانوں کا غلبہ کرا دیا۔ مشرق و مغرب کے شہر مفتوح ہو کر اسلامی
سلطنت کا جزو بن گئے۔ جب حاتم طائی سخی مشہور کا بیٹا عدی اپنے وفد کیساتھ
سرداردوجہاں کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ تو آپ نے اُس
سے فرمایا۔ کہ عدی حیرہ شہر کو جانتے ہو۔ عدی نے عرض کی۔ کہ یا
رسول اللہ صلعم وہ شہر تو نہیں دیکھا۔ مگر نام سنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے فرمایا۔

کہ عدی اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اسلام کو
ایکدن ایسی قوت نصیب ہوگی۔ کہ ہودج نشین عورتیں حیرہ سے اکیلی چل
کر آئینگی۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کرینگی۔ اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں پر
مسلمانوں کا قبضہ ہو جائیگا۔ عدی کہتے ہیں۔ کہ مجھے اس وقت یہ بات
سنکر حیرت ہوئی۔ لیکن بخدا لایزال کسریٰ کے خزانوں کے لوٹنے میں میں
خود شریک تھا۔ اور پردہ نشین عورتوں کو اکیلے حیرہ سے مکہ کیطرف بیت اللہ
کی زیارت کرنیکی غرض سے سفر کرتے ہوئے دیکھا۔ اور کوئی شخص راستہ میں اُن
سے تعرض کرنیوالا نہیں تھا۔ کیونکہ راستہ اسقدر پُرامن اور ہر قسم کے خطرات
سے پاک تھا۔ کہ کوئی کسی کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

(۳۶ ؁ ۵۵) جب فارس کا لشکر روم پر غالب آیا۔ اور اُس نے ملک شام اور
اکثر شہر روم کے فتح کر لیے۔ تو روم کے بادشاہ ہرقل نے قسطنطنیہ میں پناہ

لی۔ اور اسمیں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ فارسیوں نے اُسکا محاصرہ کر لیا جب اہل فارس کے فتح کی مکہ والوں کو خبر ہوئی۔ تو بہت خوش ہوئے۔ اور مسلمانو سے کہا۔ کہ اہل فارس ہماری طرح خدا کے علاوہ غیر کو ماننے والے اور رسولوں کے منکر ہیں۔ اور رومی تمہاری طرح اہل کتاب ہیں۔ جسطرح فارس روم پر غالب آگیا۔ اسیطرح ہم تمہارے مقابلہ میں غالب ہو کر رہیں گے۔ مسلمانوں کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ اُسوقت قرآن مجید میں مسلمانوں کو فارس پر روم کے غالب ہونیکی یہ خبر دیگئی۔ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۔ روم یا قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے۔ اس کے بعد عنقریب ۹ سال کے اندر اندر پھر وہ اہل فارس پر غالب ہو جائینگے۔

ترمذی میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو ابوبکر رضؓ مکہ کی گلی کوچے میں اس کو پکار پکار کر پڑھتے پھرتے تھے۔ ابی ابن خلف نے جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا۔ یہ سنکر ابوبکر رضؓ سے کہا۔ کہ تمہارے درمیان سو سو اُونٹ کی شرط ہے۔ اگر روم آج کی تاریخ سے ۹ سال کے اندر اندر فارس پر غالب ہو گیا۔ تو ہم سو اُونٹ تمہاری نذر کریں گے۔ ورنہ تمہیں سو اُونٹ دینے پڑیں گے۔ ابوبکرؓ نے اس شرط کو قبول فرما لیا۔ ابن ماجہ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ کہ اس واقعہ کو پورے ۹ سال گذرنے نہیں پائے تھے۔ کہ روم فارس پر غالب ہو گیا۔ اور اُس نے کسریٰ کے مشہور شہر مدائن پر اپنا قبضہ جما لیا۔ صلح حدیبیہ کے دن یا جس روز خیبر فتح ہوا تھا۔ مسلمانوں کو روم

کے غالب ہونیکی اطلاع ملی۔ ابی بن خلف جس نے ابوبکر سے شرط باندھی تھی وہ جنگ احد ۳ھ میں آنحضرت صلعم کے خنجر سے زخمی ہوکر جہنم رسید ہو چکا تھا۔ مگر ابوبکر نے اُس کے وارثوں سے شرط کا مطالبہ کیا۔ اہل مکہ کو شرط کے موافق سو اُونٹ دینے پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ اونٹ لیکر فخر عالم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر آپنے اُن کے صدقہ کرنیکا حکم فرمایا۔ اسلئے وہ سب کے سب خیرات کر دیئے گئے۔ غرض قرآن نے جس بات کی نو سال پہلے خبر دی تھی۔ وہ پوری ہوئی۔ اور ایسی باتوں کا پورا کر دینا خدا ہی کا کام تھا انسان کیا کر سکتا تھا۔

(۳۷/۵۶) جب منافقین سے کہا گیا۔ کہ تُم نے دورنگی کیوں اختیار کر رکھی ہے۔ مسلمانوں اور کافروں میں سے ایک کی طرف ہوجاؤ۔ تو وہ اس کے جواب میں کہتے۔ مسلمانوں کیا تو ہم اسلیئے ملتے ہیں۔ کہ مدینہ کے اکثر لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم کھلم کھلا اُن کی مخالفت کریں۔ تو نقصان کا سخت اندیشہ ہے۔ یہود اور نصاریٰ نجران کے ہماری محبت اور دوستی اسلیئے ہے۔ کہ وہ دولتمند اور رئیس ہیں۔ اور ہمکو اُن سے ہر قسم کے فائدے پہونچتے ہیں۔ اور یہ ڈر بھی ہے۔ کہ شاید محمد صلعم اپنی کوشش میں ناکامیاب اور اپنی اسکیم میں فیل ہوجائیں۔ تو ان لوگوں کیطرف سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ نہ ہوگا۔ قرآن نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتح اور اہل کتاب کے اخراج اور جلا وطنی کا فیصلہ

کردے۔ اُسوقت منافقین اپنے خیال پر سخت نادم ہونگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودی ترک وطن پر مجبور کئے گئے۔ اور اسلام کو دن بدن غلبہ اور فتح نصیب ہوتی رہی۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۳۸/۵۷) مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ ۲۲ ع ۱۔ محمد صلعم مردوں میں کسی مرد کے باپ نہ ہونگے۔ یعنی آپ کی نرینہ اولاد اس عمر کو نہیں پہونچیگی جس عمر پر پہونچکر آدمی مرد کہلاتا ہے۔ آنحضرت صلعم[1] کے چار لڑکیاں زینب۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔ رقیہ تھیں۔ اور تین لڑکے۔ قاسم۔ عبداللہ۔ ابراہیم تھے۔ یہ سب اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئی۔

البتہ ابراہیم ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں پیدا ہوئے۔

لڑکیاں سب جوان ہوئیں اور بیاہی گئیں۔ اور بعضوں کے اولاد[2] بھی ہوئیں۔ لیکن تمام لڑکے صغر سنی اور لڑکپن ہی میں مرگئے۔ اور ایک بھی سن بلوغ تک نہ پہونچا۔ اور اس طرح آپ ایک مرد کے بھی باپ نہ بنے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۳۹/۵۸) مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ۲۱ ع ۱۔ اللہ نے کسی

---

[1] بستان العارفین للفقیہ ابی اللیث ص ۱۶۷۔

[2] ذریعۃ السعادات وغیرہا۔

شخص کے سینہ میں دو دل پیدا نہیں کئے۔ یہ قطعی فیصلہ کسی خاص جماعت
اور ایک شخص کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ انسانوں کے باپ آدم سے لیکر آج
تک جس قدر آدمی پیدا ہوئے۔ اور آئیندہ قیامت تک ہوتے رہیں گے
ان سب کے بارے میں یہ حکم سنایا گیا ہے۔ ماہرین علم تشریح
اور اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے۔ صورۃ مصورہ کی غلطی سے ہاتھ
پاؤں۔ سر۔ انگلیوں کی مقررہ تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے
لیکن دو دل کسی شخص کے سینہ میں نظر نہیں آئے۔ ایک دل کے پھٹ
کر دو ٹکڑے ہو جانا اور بات ہے۔ لیکن مستقل طور پر دو دل نہیں ہوتے
کسی نے سچ کہا ہے۔ شعر۔ ہم معتقد دعوی باطل نہیں ہوتے۔ سینہ میں کسی شخص
کے دو دل نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ انسان اپنے سینہ کے حال سے واقف
اور باخبر نہیں ہے۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کے اندرونی اعضاء کے
متعلق ایسا قطعی فیصلہ کرے۔ یقیناً ایسے حوصلہ کے ساتھ تمام انسانوں
کے بارے میں ایسے حکم لگانا علام الغیوب ہی کا کام ہے۔

(سنہ ۶ھ / 59) جب پیغمبر خدا صلعم نے سنہ ۶ ہجری میں جو سال صلح حدیبیہ کے
نام سے مشہور ہے۔ عمرہ کا ارادہ کیا۔ تو اپنے اور آپ کے ساتھ تمام مسلمانوں
نے مدینہ سے باہر ۲ میل کے فاصلہ پر احرام باندھ لیا۔ تاکہ لوگوں کو یہ
بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ مسلمان مکہ والوں سے لڑنے کے واسطے
نہیں جا رہے ہیں بلکہ انہوں نے بیت اللہ کی زیارت کرنے کی غرض*
سے اس سفر کا ارادہ کیا ہے۔ مگر رسول اللہ صلعم نے اس خیال سے کہ

شاید مکہ والے جنگ کی طرف پیش قدمی کریں اور مکہ میں داخل ہونے سے روکیں
۱۴ سو کی جمعیت اپنے ہمراہ لے لی۔ اور احتیاطاً قبیلہ غفار۔ مزینہ۔ جہینہ
اشجع۔ اسلم۔ دیل کو جو نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مدینہ کے مضافات اور ارد گرد
کے دیہاتوں میں رہتے تھے اس سفر میں شریک ہونے کے لئے بلایا لیکن ان گاؤں والوں
کو طبیعت کی کمزوری اور ضعف ایمانی کی وجہ سے یہ خطرہ لاحق ہو گیا۔ کہ وہ پیش
جو اب تک دُور دراز سفر اختیار کرنے کے بعد حملہ کرنے سے نہیں چُوکے اگر ان کے
گھر پر لڑائی چھڑ گئی۔ تو وہ ایسی جان بازی سے لڑیں گے۔ کہ مسلمانوں میں سے
ایک بھی زندہ اور سلامت واپس نہ ہوگا۔ اس لئے انہوں نے شرکت پذیر نہ ہونا چاہا۔
تب آنحضرت صلعم نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد کوچ کا حکم فرمایا۔ اور منزلیں
طے کرتے ہوئے حدیبیہ میں جا اُترے۔ اہل مکہ شہر میں داخل ہونے سے
مانع ہوئے۔ اور بڑی رد و کد کے بعد ۱۰ شرطوں پر صلح کر لی۔ جب نبی کریم
صلعم صلح کر کے مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو ابھی آپ راستہ ہی میں تھے
کہ ان چھ قبیلوں کے متعلق جو آپ کے بلانے پر بھی اس سفر میں آپ کے
ساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔ قرآن میں یہ خبر دی گئی سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ
مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا پ ۲۶ ع ۹ یعنی جب آپ مدینہ
پہونچیں گے۔ تو اس سفر میں شریک نہ ہونے والے قبیلے آپ کی خدمت میں
آ کر یہ جھوٹا عذر کریں گے۔ کہ ہمارے پیچھے اہل و عیال کو کوئی دیکھنے بھالنے والا
نہیں تھا اور نہ کاروبار کی وجہ سے فرصت ملی اس لئے ہم آپ کے ساتھ اس سفر
میں شریک نہ ہو سکے چنانچہ جس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ پہونچے

توان قبائل نے آپ کی خدمت میں آکر یہی عذر کیا جس کی قرآن نے خبر دی تھی
(پ ۲۶ ع ۹) انہی قبائل کے متعلق دوسری خبر قرآن میں یہ دی گئی ۔ سَیَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ
اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰی مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْکُمْ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا
کَلَامَ اللّٰہِ (پ ۲۶ ع ۹) یعنی جب تم غنیمت کا مال حاصل کرنے کے لئے خیبر کی طرف
جاؤ گے اور انکو بھی اس مال کے ملنے کی امید ہے تو تمہارے ساتھ چلنے
کی درخواست کریں گے اور اسباب کی خواہش کریں گے ۔ کہ ہمارا حصہ بھی کسی
طرح اس مال میں نکل آئے باوجودیکہ انکو یہ بات معلوم ہے کہ اس مال میں انہی
لوگوں کا حصہ ہے جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے آیت وَّمَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَهَا (پ ۲۶ ع ۱۱) (یہ لوگ بہت سا مال غنیمت
کا حاصل کریں گے) میں انہی لوگوں سے وعدہ کیا تھا جو حدیبیہ میں آپکے
شریک تھے ۔ لیکن وہ ایسا کر کے خدا کے کلام اور اس کے وعدہ کو جھوٹا ثابت
کرنا چاہتے تھے ۔ چنانچہ نبی کریم صلعم ذی الحجہ کے اخیر میں حدیبیہ سے واپس
ہوکر مدینہ منورہ پہونچے اور محرم کے شروع ایام تک وہیں رونق افروز
رہے ۔ جب محرم کے چند دن گذرنے کے بعد آپ نے خیبر کی طرف کوچ کا ارادہ
کیا ۔ توان قبائل نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمانوں کے ہمراہ جانے
کی خواہش ظاہر کی اور اسی بات کی قرآن نے قبل از وقت خبر دی تھی +
(پ ۲۶ ع ۹) ایک خبر انہی قبیلوں کے بارے میں یہ دی گئی کہ جب آپ ان کی شرکت
کی درخواست کو رد کرتے ہوئے یہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے
شریک کرنے سے ہمیں منع کیا ہے اور اس مال میں انہی لوگوں کا حصہ ہے

جو حدیبیہ میں شریک تھے تو وہ یہ کہیں گے۔ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ب۲۶ ع ۲
خدا نے تو کوئی ایسا حکم نہیں کیا ہے۔ البتہ تم حسد کی وجہ سے ہمیں اپنے ساتھ
نہیں لے جاتے۔ اس آیت میں ایک تو اس بات کو ظاہر کیا۔ کہ آنحضرت صلعم
کی اس خبر کو کہ یہ مال خالص حدیبیہ والوں کا ہے اور اللہ نے تمہاری شرکت سے
منع کیا ہے اونہوں نے جھوٹ سمجھا ۔ دوسرے قبل از وقت اس واقعہ کی
خبر دی۔ چنانچہ اس بات کے جواب میں کہ ہم شریک نہیں ہو سکتے۔ وہی کہا
جس کی قرآن عزیز نے خبر دی تھی ÷

(۴۳/۶۲) وہی چھ قبیلے جو ابھی تک منافق تھے۔ مخلص مسلمان نہیں بنے تھے
ان کے متعلق قرآن میں یہ خبر دی گئی۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ
إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ ب۲۶ ع ۱۲۔ ان گاؤں والوں سے جو آپ کے
ساتھ سفر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کہہ دیجئے کہ عنقریب تمہیں طاقتور
دشمن کیطرف بلایا جائے گا۔ اول اس آیت میں اس بات کی خبر دی کہ یہ لوگ
کچھ عرصہ کے بعد مخلص مسلمان بن جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ امام رازی
نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ثعلبہ کے علاوہ تمام منافقین حضور کے بعد مخلص
مسلمان بن گئے۔ دوسرے اس بات کی وقت سے پہلے خبر دی گئی۔ کہ یہ لوگ
عنقریب ایک زبردست دشمن کے مقابلہ میں بلائے جائیں گے۔ چنانچہ جب ابو بکر
صدیق رضی نے مسلیمہ کذاب سے مقابلہ کے لئے لشکر تیار کیا۔ تو تمام قبائل بھی مسلمانوں
کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے اور اس کے بعد حضرت عمر کے زمانہ میں
فارس اور روم کی جنگوں میں شریک ہوتے ÷

٤٤/٦٢ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔
وَمَغَانِمَ کَثِیرَۃً یَاخُذُونَھَا ۲٦ ع ا خیبر کی فتح میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں
کو ملیگا۔ اس آیت میں مسلمانوں سے فتح خیبر کے ساتھ کثیر مال و دولت کے ملنے
کا وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے ایک مہینہ بعد جب
مسلمانوں نے خیبر کو فتح کرلیا۔ تو اس فتح میں بانزات اور زمینوں کے علاوہ
اونٹ گائیں۔ اور دیگر مال و اسباب مسلمان غازیوں کے ہاتھ لگا اور سونے
سے بھری ہوئی اونٹ کی کھال ملی جسکو ابوالحقیق یہودی نے زمین میں دفن
کر رکھا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ یہودی جب اپنا مال دشمن کے قبضہ میں جاتا ہوا
دیکھتے۔ تو جانوروں کو مار ڈالتے۔ اور سامان و اسباب کو آگ لگا دیتے۔ یا
کسی اور طرح سے اسکو ضائع کر دیتے۔ مگر مسلمانوں کے کار آمد نہ چھوڑتے لیکن
وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ وعدہ خدائی فیصلہ پر مبنی تھا ورنہ
کسی شہر کے فتح ہونے کے باوجود مال اور اسباب کا حاصل ہوجانا کوئی ضروری
اور لازمی امر نہیں ہے ❖

(٤٥/٦٤) مکہ اور خیبر فتح ہوجانے کے علاوہ مزید خوشخبری مسلمانوں کو اس سورت
میں یہ سنائی گئی۔ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیرَۃً تَاخُذُونَھَا ۲٦ ع ا مسلمانوں
خدا تعالے اور بہت سا مال غنیمت دینے کا تم سے وعدہ کرتا ہے یہ اسی وعدہ
کا نتیجہ تھا۔ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے لٹ کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہونچے
غریب اور مفلس مسلمان جنگوں میں شریک ہونے کی وجہ سے دولت مند
اور مالدار بنگئے حضرت زبیر کی زمین جو غابہ میں تھی اور دوسرے مکانات

اور اموال کی قیمت جو آپ کے وارثوں نے ان کے بعد لگائی تو ۵ کروڑ دو لاکھ تھی۔ یہ
تمام مال غنیمت ہی میں حاصل کیا تھا۔ خالد بن ولیدؓ شاہ سوار اسلام کو غزوہ
ذات السلاسل میں ہرمز کو قتل کرنے کے بعد ایک ٹوپی ملی جس کی قیمت
ایک لاکھ درہم تھی۔ اس قسم کی پیشین گوئیاں تھیں جن کی وجہ سے
حضرت ابوبکرؓ جب کسی اسلامی لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں بھیجا کرتے
تو ان کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنایا کرتے تھے۔ اور ان کے بعد
حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے رہے اور وہ ویسی ہی سچی رہیں۔ غرض
تنگدستی اور افلاس کو دور کر کے تونگری اور دولتمندی عطا کرنے کا جو
وعدہ مسلمانوں سے قرآن میں کیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

(۴۶/۶۵) وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا۔ ۲۶ ع ۱ خدا تعالیٰ مال دینے کا
تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہے جن کے حاصل کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے
اور وہ فارس اور روم کی دولت تھی جن کی طاقت کے مقابلہ میں مسلمان
کسی گنتی اور شمار میں نہ تھے۔ مگر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کمزور اور ضعیف لوگوں
سے قوی اور طاقتوروں کو پٹوا دیا۔ اور جو سلطنت اور دولت ان کو دی
گئی تھی۔ ان سے چھین کر کمزوروں کو دلوادی۔ آخرکار یہ کہنا پڑتا ہے
کہ درحقیقت ان جنگوں میں خدائی طاقت ہی کام کر رہی تھی ورنہ چند
ہزار سپاہی فوجی سامان سے محروم اور خالی ہونے کے باوجود لاکھوں
جوان مرد ہتھیار بند اور مسلح کے مقابلہ میں کیونکر کامیاب ہو جاتے

(۴۷/۶۶) وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۔ ۲۶ ع ۱۔ اے محمد اللہ تعالیٰ آپ کی

زبردست اور کھلی ہوئی مدد کرے گا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ عنقریب آپ کے ہاتھوں پر مکہ فتح کرا دیا جائے۔ پھر وہ فتح کوئی معمولی فتح نہ ہوگی۔ بلکہ وہ دوسری فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ آپ کی شہرت اور چرچا عرب کے گھر گھر ہو جائے گا۔ لوگ جوق در جوق اسلام کی غلامی میں داخل ہونگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عرب کی جو قومیں قریش کے انتظار میں اور مکہ کے فتح ہونے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اہل مکہ کے مسلمان ہوتے ہی سب نے اسلام قبول کر لیا۔ نیز جنگ ہبات کی قوی امید نہ ہو جائے گی۔ کہ اب اسلام کی تعلیم دنیا میں پھیل کر رہے گی۔ اور کوئی طاقت اسکی ترقی میں مانع نہ ہوگی۔ اس وقت تک آپ اس عالم سے تشریف نہیں لے جائیں گے۔ اور جب تک آپ اسلام کا پھیلنا پھولنا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔ آپ کی موت نہ آئے گی یہ خبر اسے پہلے ہی دی گئی تھی۔ مسلمان ابھی تک پہلی کی طرح کمزور اور ضعیف تھے۔ ان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا تھا۔ کہ اسلام کسی دن اس درجہ قوی اور زبردست ہو جائے گا لیکن قرآن میں جو وعدہ اسلام کی مدد اور عزت کے متعلق تھا۔ وہ پورا ہو کر رہا۔ اور کوئی طاقت اس وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکی ؛

(۶۲۸/۶ھ) رسول خدا صلعم نے سنہ ۶ ہجری میں حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے۔ خواب دیکھا۔ کہ آپ مسلمانوں کے ہمراہ احرام باندھے ہوئے امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ اور احرام سے نکلنے کے لئے سر منڈوایا۔ آپ نے اس خواب کو صحابہ سے ذکر کیا۔ وہ اس کو سنکر بہت خوش ہوئے۔ اس خواب کے چند دن بعد آپ نے مکہ کا ارادہ کیا۔ اور عمرہ کے خیال سے ذوالحلیفہ پہونچکر احرام باندھ لیا۔ مسلمان جب مکہ کے قریب پہونچے۔ تو مکہ والوں نے مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ اور اس بات پر رضامند ہو گئے۔ کہ اس سال بغیر عمرہ کے مدینہ واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آکر ۳ دن تک مکہ میں رہیں۔ اور مکہ کا طواف کریں۔ آنحضرت صلعم نے اس شرط کو قبول فرمالیا۔ اور صلحنامہ پر دستخط کر دئے۔ حضرت عمرؓ کو اس خواب کی وجہ سے شک ہوا کہ حضور نے ہمیں مکہ میں داخل ہونے کی خبر دی تھی۔ لیکن مسلمان اس میں داخل نہیں ہوئے اونہوں نے یہ شبہہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا

حضور نے فرمایا ہے۔ کہ کیا میں نے یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ اسی سال داخل ہونگے
اُنہوں نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ آپ نے یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ اس کے
بعد حضور نے فرمایا۔ کہ عمرؓ انشاء اللہ ایکدن یہ خواب ضرور پورا ہوگا۔ حضرت
عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ سے اسی قسم کا سوال کیا۔ اُنہوں نے وہی جواب دیا۔
جو رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا۔ ادہر عبداللہ بن ابی اور رفاعہ بن حارث
وغیرہ منافقین نے اس بات کو زیادہ اُڑایا اُسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ

۲۶ ع ۱۲ ۔ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کرنیکا فیصلہ کردیا ہے۔ مسلمان
ایکدن ضرور مسجد حرام میں امن اور سلامتی کیساتھ داخل ہونگے۔ اور
اپنے سروں کا حلق اور قصر بھی کرینگے۔ اور یہ تمام کام نہائت اطمینان سے
پورا ہوگا۔ اگرچہ اس پیشنگوئی کا عملاً ظہور سنہ ۷ ہجری میں خواب دیکھنے
سے ایک سال بعد ہوا۔ لیکن اجازت داخلہ کی اسی سال ہوگئی تھی۔
غرض ایک سال بعد نبی کریم صلعم عمرہ کی قضا کرنیکے واسطے مدینہ سے باہر نکلے
اور احرام باندھ کر مکہ کیطرف روانہ ہوئے۔ مکہ والوں نے شرط کیموافق مسلمانوں
کو مکہ میں ۳ دن رہنے کی اجازت دیدی۔ مسلمانوں نے نہائت امن کیساتھ
عمرہ کیا۔ اور سر منڈا کر مکہ سے باہر نکل آئے۔ اگرچہ حدیبیہ میں صلح دس
سال کیلئے ہوئی تھی۔ دوسرے سال کفار مکہ کیطرف سے صلح کیخلاف ورزی
ہوگئی۔ جسکی وجہ سے صلح نامہ ردی ہوگیا۔ اسی طرح بہت ممکن تھا۔

کہ ایک ہی سال میں صلح ٹوٹ جاتی ۔ اور کفار مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیتے ۔ لیکن جس واقعہ کی قرآن نے خبر دی تھی ۔ وہی ہوا ۔ اُس کے خلاف نہوا ۔

(۹/۸) ولید بن مغیرہ قرآن مجید کے جھٹلانے اور رسول خدا صلعم کیساتھ تمسخر کرنے میں سب سے آگے رہتا تھا ۔ اگرچہ اسکی یہ حرکت مسلمانوں کو ناگوار گذرتی تھی ۔ لیکن ولید مکہ والوں میں باعزت اور مالدار آدمی تھا ۔ اس لئے اُس کو اس فعل سے روکنے کی مسلمانوں میں سے کسیکو جرأت نہیں ہوتی تھی اُسوقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے صدمہ اور رنج کو دور کرنے کیلئے قرآن میں مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا ۔ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْم ۲۹ ع ۳ ہم عنقریب اس کی ناک پر ذلت اور رُسوائی کا نشان لگائیں گے ۔ یہ خبر مکہ میں اُس وقت دیگئی جبکہ مسلمانوں میں دُشمنوں سے مقابلہ کرنیکی معمولی طاقت بھی نہ تھی ۔ بلکہ اُنہیں اپنی جان بچانی مشکل ہو رہی تھی ۔ مگر جب ہجرت کے دو سال بعد بدر کی لڑائی ہوئی ۔ تو ولید کی ناک پر تلوار کا ایسا گہرا زخم آیا ۔ کہ اچھے ہونیکے بعد بھی اُس کا نشان نہ مٹ سکا ۔ یہ زخم جنگ میں تلوار کیساتھ آیا ۔ تلوار سے صحیح نشانہ پر زخم لگانا اور وہ بھی جنگ کی حالت میں سخت دشوار ہے ۔ پھر ہاتھ اتنا تُلا ہوا مارنا کہ ناک پر اتنا زخم پہونچے ۔ کہ جس سے اُس کا جبڑا یا ناک کٹکر بالکل الگ نہ ہو ۔ بلکہ اُس میں ایک ایسا گھاؤ یا نشان پڑ جائے جسکی قرآن عزیز نے خبر دی ہے ۔ یقیناً اس بات کی کھُلی ہوئی شہادت ہے ۔ کہ یہ جو کچھ ہوا ۔ خدائی تائید اور اُسی

کی مدد سے ہوا۔ انسانی ارادہ اور اُسکی طاقت کا اسمیں ذرہ برابر دخل نہ
تھا۔

(۵۰/۴۹) ولید[1] مکہ کا رئیس اور بڑا مالدار آدمی تھا۔ دولتمندی اور ریاست کیوجہ سے لوگ اُس کو ریحانہ قریش یعنی قریش کا گلدستہ کہا کرتے تھے مکہ میں سوداگری کرتا تھا۔ اور اُس کو اس سے کافی نفع تھا۔ چاندی سونے کے علاوہ مال مویشی کی اُس کے پاس کوئی کمی نہ تھی زمین اور جائیداد کا مالک تھا۔ دس اُس کے لڑکے تھے۔ مگر جتنی اُس کے پاس دولت زیادہ تھی۔ اسیقدر خدا اور رسول کا نافرمان بھی زیادہ تھا۔ جب اُس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے اور اُسکے سچے رسول کی توہین اور تضحیک کرنیمیں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ اور پیغمبر خدا صلعم کی سرکشی اور انکار کرنیمیں حد سے گذر گیا۔ تو اُسوقت قرآن میں اُسکی یہ سزا سنائی گئی۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ کَلَّا اِنَّهٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۲۹ ع ۵ چونکہ یہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتا رہتا ہے[2]۔ اس لئے اب اُسکی دولت ہرگز نہیں بڑھیگی۔ بلکہ گھٹتی ہی جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد اُس کی تجارت گھٹ گئی۔ اور کاروبار میں نقصان رہنے لگا۔ یہاں تک کہ مفلس اور نادار ہو کر اس رنج میں ذلت کیساتھ مر گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ظاہری اسباب کے بغیر کسی کو مفلس بنانے والا خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

(۵۱/۵۲) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے قاسم کے مرنے پر عاص[3]

[1] بیضاوی صفحہ ۷۷۴ [2] بیضاوی صفحہ ۷۷۶ [3] جلالین

بن وائل نے حضور کا نام ابتر رکھا - ابتر اُس شخص کو کہتے ہیں - جسکی نسل دُنیا سے گم ہو جائے - اور اُسکی اولاد میں سے کوئی زندہ نہ رہے - قرآن عزیز میں اس دریدہ دہن کو جواب دیتے ہوئے - یہ ارشاد ہوا - اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ نا ۳۲ع آپسے دُشمنی کرنیوالا ہی ابتر اور منقطع النسل ہے - دُنیا نے دیکھ لیا - کہ سادات عظام کا سلسلہ دنیا میں کس طرح قائم ہے - اور قیامت تک رہیگا - اور عاص بن وائل کی اولاد کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا -

(۲۵ ۱) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۳ ۳۵ع جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے - اور آپ دیکھیں کہ لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے - تو آپ اللہ کی تسبیح اور تقدیس میں لگ جائیں - یہ سُورت مکہ کے فتح ہونیسے پہلے نازل ہوئی تھی - فتح مکہ سے پہلے اسلام میں ایک ایک دو دو آدمی داخل ہوتے تھے - اس آیت میں یہ خبر دیگئی - کہ فتح ہونیکے بعد لوگوں کی جماعتیں اور قبیلے آکر اسلام قبول کرینگے - چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو عرب کے وہ قبیلے جو اس فتح کے انتظار میں تھے - ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے - اور جن کا یہ خیال تھا - کہ اگر حضرت محمد صلعم باطل پر ہیں - تو وہ کبھی مکہ پر فتح حاصل نہ کر سکینگے - جس طرح اصحاب فیل ہلاک کر دیئے گئے تھے - اسی طرح یہ بھی وہاں سے زندہ اور سلامت واپس نہ ہونگے - اور اگر اُنکو کامیابی نصیب ہو گئی - اور قریش نے اُنکی اطاعت قبول کرلی تو بیشک

ا؎ تفسیر کبیر صفحہ ۵۰۴ جلد ۸ ۲؎ تفسیر کبیر صفحہ ۸ جلد ۱۸ ۳؎ تفسیر کبیر صفحہ ۸ جلد ۵۱۹

وہ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول ہیں۔ ایسے تمام قبیلے مکہ فتح ہونیکے بعد جوق در جوق نبی کریم صلعم کی خدمتمیں حاضر ہوکر مشرف با اسلام ہوئے۔ مکہ طائف یمن کے بسنے والے اور بنی ہوازن سب دفعتہً مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے قبیلوں نے بھی گروہ در گروہ مجلس نبوی میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا۔ یَا مَنْ یَعْلَمُ مَا فِی غَیْبٍ اجْعَلْ عَاقِبَتِیْ مَحْمُوْدًا۔

باب کشف الضمائر والسرائر

اُن آیتوں کا بیان جنمیں دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ خالق اور مخلوق کے علم میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی ہے۔ کہ ربّ العزت کا علم وسیع اور تمام جہاں پر پھیلا ہوا ہے۔ اسکی کوئی حد یا انتہا نہیں ہے۔ جسپر وہ جاکر ٹھہر جائے۔ بلکہ وہ ذرّہ ہو یا پہاڑ قطرہ ہو کہ دریا اندھیرا ہو یا اُجالا غرض زمین اور آسمان کی کوئی چیز اُسکے علم سے باہر نہیں ہے۔ مخلوق کا علم متعین اور محدود ہے۔ خدائی علم کیطرح لامتناہی اور پھیلا ہوا نہیں ہے۔ اس لئے وُسعت علمی خدا کیساتھ خاص ہے۔ اور وہی اس صفت سے متصف ہے۔ جیسا کہ قرآن عزیز کا فیصلہ ہے۔ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (اے محمد کہہ دیجئے) کہ میرے رب کا علم بہت وسیع اور پھیلا ہوا ہے۔ مولانا روم اس مضمون کو اپنی مثنوی میں یوں بیان

فرماتے ہیں شعر علمہا از بحر علمش قطرۂ ۔ آن چوں خورشید است اینہا ذرۂ۔
گر کسے در علم صد لقمان بود ۔ پیش علم کاملش نادان بود ۔ چونکہ خدا تعالیٰ وسیع
العلم ہے ۔ اور کوئی شے زمین آسمان کی اُس کے علمی احاطہ سے بچی ہوئی
نہیں ہے ۔ اس لیے دلوں کے بھیدوں سے واقف ہونا اور دو آدمیوں
کی باہمی سرگوشیوں اور رازداری کی باتونکو جاننا ۔ اور اُنسے باخبر رہنا بھی
خدا ہی کیساتھ خاص ہے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ قرآن میں کسی جگہ ربّ العزت
نے اپنے آپکو علیم بذات الصدور دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا کہا ہے۔
اور کہیں یہ فرمایا ۔ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا
خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ ۲۸ ع ۲ یعنی تین سرگوشی کرنے والوں میں
چوتھا خدا ہے ۔ اور پانچ سرگوشی کرنے والوں میں وہ چھٹا ہے ۔ اس لیے
انسان کبھی کسی کے دلی بھیدوں تنہائی اور رازداری کی باتوں سے دوسرے
کے اطلاع دیئے بغیر آگاہ اور باخبر نہیں ہو سکتا ۔ اگر کبھی کسی نے قرآن سے
کوئی بات معلوم کر لی ۔ تو اسمیں بھی سینکڑوں غلطیاں اُسکے ساتھ ملی ہوئی
ہوتی ہیں ۔ سینہ کے چھپے ہوئے رازونکو جاننا اور دو آدمیوں کی خفیہ تدبیروں
اور سرگوشیوں سے واقف اور باخبر ہونا خدا ہی کا کام ہے ۔ اور یہ دونوں
صفتیں وسعت علمی کیطرح اس کیساتھ خاص ہیں ۔ اس لئے قرآن مجید
کی وہ آیتیں جنکے ذریعہ سے اخفا اور پردہ کی باتوں کو منظر عام میں لایا گیا ہے۔
یا کسی شخص کے دلی جذبات اور چھپے ہوئے باطنی احساسات کو ظاہر کیا ہے۔
یقیناً خدا ہی کیطرف سے ہو سکتی ہیں ۔ ایسی خبریں کسی انسان کی بتائی ہوئی نہیں ہو

سکتیں۔ ہم اس باب میں قرآن عزیز کی وُہی آیتیں پیش کرینگے۔ جنہیں کسی شخص کے دلی بھیدونکو ظاہر کیا گیا ہے۔ یا دشمنوں کی خفیہ چالوں رازاور پردہ کی باتوں کو بغیر کسی اطلاع کے بیان فرمایا ہے۔ اس لیئے اس باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اُن آیتوں کا بیان ہوگا۔ جن میں دلی بھیدوں اور اندرونی خیالات کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور وہ ایسی خبریں تھیں۔ جنکا مخالفین سے کوئی انکار نہ ہوسکا۔ اور اگر کبھی انکار کیا۔ تو آئندہ کے حالات اور واقعات نے اُنکی تردید کردی۔ اسکے علاوہ جب قرآن عزیز میں خدا تعالی کیمتعلق یہ خبر دیگئی۔ کہ وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے۔ ادہر کافروں کو مسلمانوں کے اس دعوٰی کا بھی علم تھا۔ کہ خدا تعالے حضرت محمد صلعم سے ہمکلام ہوتا ہے۔ تو اُنہوں نے خاموشی اختیار کی۔ اور اس بات کے تسلیم کرنیسے کبھی انکار نہیں کیا۔ اگر اُنکو اسمیں شک ہوتا تو کم از کم ایک دفعہ دل کی بات دریافت کرنے کیلیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔ اُنکا ایسا نہ کرنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ محمد صلعم کو ہمارے دلی رازوں کی اطلاع ہو جایا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ کفار مکہ آپ کو ایسی خبروں کی وجہ سے کاہن اور جادوگر کہتے تھے۔ دوسری طرف منافقین اس ڈر اور خوف سے کہ ہماری رازونکی محمد صلعم کو خبر ہوجاتی ہے۔ اپنی تنہائی کی مجلسوں میں اسلام کیخلاف کوئی بات اطمینان سے نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ ہر وقت ذلت اور رسوائی کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید

میں اُنکی اس حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ یَحْذَرُ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں۔ کہ مبادا مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے۔ جو ہمارے دلی ارادوں اور چھپے ہوئے رازوں کو ظاہر کر دے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں دل کی چھپی ہوئی باتوں کے متعلق جو کچھ خبر دیگئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔ اور اُنکا انکار نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا منجملہ ایسی خبروں کے ایک خبر یہ ہے۔

(۲) ہجرت سے پہلے مدینہ میں بڑی تین قومیں آباد تھیں۔ اوس اور خزرج اور یہود جب نبی کریم صلعم مدینہ منوّرہ پہونچے۔ تو قبیلے اوس اور خزرج کے اکثر آدمی مسلمان ہو گئے۔ اور یہی لوگ انصار کہلائے۔ یہودیوں میں سے بہت تھوڑے آدمی اسلام میں داخل ہوئے۔ زیادہ تعداد اُنمیں ایسے لوگوں کی تھی۔ جو کھُلّم کھُلّا اسلام کے منکر اور رسول اللہ صلعم کے مخالف تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی نظر میں دو ہی جماعتیں تھیں۔ ایک مسلمان جو ظاہر اور باطن میں ہر حیثیت سے اسلام کے سچے جان نثار اور خیر خواہ تھے۔ اور دوسرے کافروں کی جماعت تھی۔ جنکی نسبت قطعی طور پر یہ معلوم تھا۔ کہ یہ لوگ حق کی مخالف اور اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ ایسے لوگوں سے مسلمان پوری احتیاط رکھتے تھے۔ لیکن مدینہ ہی میں بعض ایسے آدمی بھی تھے۔ جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے۔ اور حقیقت میں وہ کافر تھے ظاہر میں مسلمانوں سے ملتے۔ اور جب تنہائی ہوتی۔ تو کافروں سے تعلقات رکھتے۔

اور انکی ہاں میں ہاں ملاتے۔ اور لڑائی کے زمانہ میں مسلمانوں کی راز کی
باتیں کفار و نسے جاکر نقل کرتے تھے۔ مخلص مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی مطلقاً
کوئی خبر نہ تھی۔ وہ اس جماعت کو اپنی طرح مخلص اور سچے مسلمان سمجھتے تھے
چونکہ ایسی جماعت سے مسلمانوں کو نقصان پہونچنے کا سخت اندیشہ تھا اس
لئے قرآن عزیز میں انکے متعلق یہ خبر دیگئی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۱ ع ۔ بعض آدمی ایسے ہیں۔ جو آپ سے
کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ لیکن وہ ہرگز
مسلمان نہیں ہیں۔ وہ ایسا کہہ کر اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو دھوکا دینا
چاہتے ہیں۔ اس آیت میں جن لوگوں کے نفاق کو ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ
عبداللہ[۱] بن ابی۔ معتب بن قشیر۔ جد بن قیس اور ان کے ساتھی
تھے۔ ان آدمیوں کے متعلق جو کچھ خبر دیگئی ہے۔ وہ تجربہ کے بعد درست
اور صحیح نکلی۔ عبداللہ بن ابی جو ان سبکا سردار تھا۔ ضرورت کیوقت
اسلام کی مدد سے ہاتھ کھینچتا رہا۔ اس نے ۳ سو آدمیوں کو احد میں
شریک ہونیسے روکا۔ اور یہی تھا جس نے مسلمانوں کیخلاف یہودیوں سے
سازباز کی۔ اسی نے رسول اللہ صلعم کی نسبت کہا تھا۔ کہ ہم ان کو مدینہ
سے نکال دینگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہر موقعہ پر ایسے لوگوں کا
چھپا ہوا بغض اور کینہ اسلام کیخلاف ظاہر ہوا۔ جس کی تفصیل آئندہ واقعات
کے ضمن میں آجائیگی۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ ایمان دل کا فعل ہے۔ انسانوں

۱ تفسیر ابن کثیر

میں سے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ مسلمان ہونیکا اقرار اس نے زبان
سے کیا ہے۔ یا درحقیقت دل سے ایمان کا معترف اور شیدائی ہے۔
اسکا صحیح علم ربُّ العزّت کے سوا کسی کو حاصل ہو نہیں سکتا۔ اس سے معلوم
ہؤا۔ کہ یہ خدا کی بتائی ہوئی خبر ہے۔ کسی انسان کی نہیں ہے۔

(۳) رسولخدا صلعم سے مخاطبہ اور ہم کلامی کیوقت مسلمان راعنا یا رسول اللہ
کہا کرتے تھے۔ جس کے یہ معنے تھے۔ کہ یا رسول اللہ ہمارا خیال کیجئے۔ اور
توقف فرمائیے۔ تاکہ ہم آپکے کلام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ لفظ رعی مصدر
سے مشتق تھا۔ جسکے معنے حفاظت کرنا یا رعایت کرنے کے تھے۔ یہودیوں
نے جب یہ لفظ سنا۔ تو اُسکو رعُونَۃ مصدر کے اسم فاعل میں استعمال
کرنے لگے۔ اسوقت اس لفظ کے معنی احمق اور بیوقوف کے ہو گئے۔
نیز عبرانی زبان میں اس لفظ سے گالی دی جاتی تھی۔ اسلیئے انہوں نے اَور
بھی اس لفظ کو زیادہ کہنا شروع کیا۔ لیکن مسلمانوں کو اُن کے اس خبث
باطنی اور نیّت بد کی۔ کوئی اطلاع نہ ہوئی۔ یہانتک کہ قرآن میں اُنکی خباثت
کو ظاہر کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنیسے منع فرمایا۔
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوْا اُنْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا
۱۳ع۔ مسلمانوں راعنا کہنا چھوڑ دو۔ ہماری طرف دیکھیئے۔ اور غور فرمائیے۔
کہا کرو۔ جب یہودیوں کو معلوم ہوگیا۔ کہ ہمارا راز کھُل گیا۔ تو وہ دل ہی میں
نادم ہوئے۔ اور خاموشی کے سوا کوئی راستہ اُنکو نظر نہ آیا۔ اگر اُنکو
اس واقعہ کی اصلیّت کے تسلیم کرنیسے انکار ہوتا۔ تو وہ کبھی انکار کرنیسے نہ

ؔلہ بیضاوی

جو کہتے۔ اور صحابہ کی وہ جماعت جو ہر بات کی تحقیق اور اصلیت پر پوری نظر رکھتی ہے۔ اگر یہ واقعہ ظہور میں نہ آیا ہوتا۔ تو وہ رسول اللہ صلعم سے اس کے متعلق سوال وجواب ضرور کرتے۔ اور ایسی خبر پر کبھی مطمئن نہ ہوتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انکار کرنے والوں میں سے ایک آدمی بھی نظر نہیں آتا۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ قرآن عزیز میں اس لفظ کے استعمال کی وجہ سے یہودیوں کے خیال کے متعلق جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔

(۳۷) مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ ب ۱ ع ۱۳ مشرکین اور اہل کتاب اس بات کو پسند نہیں کرتے۔ کہ وحی الٰہی آپ پر نازل ہو۔ تمنّا اور آرزو کیساتھ کسی چیز کی خواہش کرنیکا نام وُدّ ہے۔ خواہش اور تمنّا دل کا فعل ہے۔ اور زبان سے ظاہر ہونیوالی چیز نہیں ہے۔ جب تک دل سے کسی شئے کی لگن نہ ہو۔ زبان کیساتھ تمنّا کا اظہار کرنیسے اصلی خواہش کا پتہ نہیں چل سکتا۔ غرض اس آیت میں اہل کتاب اور مشرکین کی دلی تمنّا اور آرزو کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جسکا صحیح علم علام الغیوب کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی تصدیق کہ درحقیقت ان دونوں جماعتوں کے دلمیں یہ تمنّا اور آرزو موجود تھی۔ اس امر سے ظاہر ہوتی ہے۔ کہ مشرکین مکہ رسولخدا صلعم کے بارے میں کبھی یہ خیال ظاہر کرتے اَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا۔ کیا ہم سب کو چھوڑ کر انہی پر قرآن

نازل ہونا چاہیئے تھا۔ باوجودیکہ ہم میں ان سے زیادہ باعزت اور دولتمند آدمی موجود تھے۔ کبھی یہ کہتے۔ لَوْلَا اُنْزِلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔ یعنی قرآن عزیز ولید بن مغیرہ پر جو مکہ کا رئیس ہے۔ یا عروہ بن مسعود ثقفی پر جو طائف کا سردار اور امیر ہے۔ نازل ہونا چاہیئے تھا۔ ان دونوں رئیسوں کو چھوڑ کر ایک غریب اور مفلس آدمی پر کیوں نازل کیا گیا ہے۔ ان دونوں جملوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مشرکین مکہ زیادہ تر مخالفت حسد کیوجہ سے کرتے تھے۔ اگر یہی باتیں دونوں رئیسوں میں کسی ایک کے ذریعہ سے ظاہر ہوتیں۔ تو وہ اسکو ضرور مان لیتے۔ اور یہی حال اہل کتاب کا تھا۔ بلکہ اُنپر حق بہ نسبت مشرکین کے زیادہ واضح ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ نبی کریم صلعم کے مقابلہ میں مباہلہ کرنے اور اپنی سچائی پر قسم کھانیکے واسطے کبھی تیار نہیں ہوئے۔ اور نہ یہودیوں نے باوجود طاقت رکھنے کے کبھی آپ کے مقابلہ میں جھگڑا لڑائی کو جاری رکھا۔ جب کبھی ایسا موقعہ پیش آیا۔ تو دب کر ذلت کیساتھ صلح کر لی۔ اِسی طرح جب رسولِ خدا صلعم کا نامہ مبارک ہرقل شاہ روم کے دربار میں پہونچا۔ تو اُس نے آپ کے حالات دریافت کرنے کیلئے بڑی تلاش[1] کے بعد اُن لوگوں کو اپنے پاس بلوایا۔ جو آپ کی قوم کے اُس ملک میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ ابوسفیان سے جو ابھی تک کافر حضور کا قریبی رشتہ دار اور اُس جماعت کا سردار تھا۔ آپ کے حالات دریافت کئے۔ جب ہرقل کو آپ کے واقعات سے پوری

[1] بخاری۔ ابن خلدون۔

تشفی ہو گئی۔ اور اُس نے سمجھ لیا۔ کہ حضرت محمد صلعم خدا کے سچے نبی ہیں۔ تو اُس وقت اُس نے ارکانِ دولت کو جمع کر کے رسول اللہ صلعم کو جزیہ دینے کی بابت اُنسے مشورہ کیا۔ اور اُس نے یہ بھی کہا۔ کہ بہتر ہے۔ کہ ارض سوریہ یعنی فلسطین اور بلاد شام دیگر اُن سے مصالحت کیجائے۔ لیکن ارا کین سلطنت اس پر راضی نہ ہوئے۔ بخاری کا بیان ہے۔ کہ ہرقل نے ابوسُفیان سے حالات دریافت کرنے کے بعد یہ کہا۔ اگر تُو نے یہ سب باتیں سچ بتلائی ہیں۔ تو بلاشُبہ وہ اس چیز پر غالب ہو جائیگا۔ جو میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔ اور اگر ممکن ہوتا۔ تو میں اُسکے پاؤں دھو کر پیتا۔ ان حالات سے معلوم ہوا۔ کہ نصارٰی کو بھی آپ کی سچائی کا پورا یقین ہو چکا تھا۔ لیکن حبِّ جاہ اور طمع دنیاوی کیوجہ سے وہ ایمان کی دولت کو حاصل نہ کر سکے۔ اور اُسی کی قرآن نے ان لوگوں کے متعلق یہ خبر دی۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ پ ۱۳ ع بہت سے اہل کتاب حق ظاہر ہونیکے بعد حسد سے اس بات کی آرزو کرتے ہیں۔ کہ تم سے ایمان کی دولت چھین لیجائے۔ اور تم پھر کفر کی طرف واپس ہو جاؤ۔ غرض قرآن نے ان کے متعلق جو کچھ خبر دی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔ کسی جماعت کے دلی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کرنا خدا ہی کا کام ہے۔ کسی انسان سے ایسا نہیں ہو سکتا۔

لہ سیرۃ ابن اسحاق

(بیع ۵) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۲

ع۔ جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل کا علم دیا ہے۔ وہ اسمیں لکھی ہوئی نشانیوں کیوجہ سے آپ کے نبی ہونے کو ایسا یقین کیسا تھ جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اس آیت میں آپ کے متعلق جو اہل کتاب کو علم اور یقین حاصل ہے۔ اُسکی اطلاع دیگئی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ علم اور معرفت کا تعلق دل سے ہے۔ جس کا پتہ خدا کے سوا کسی غیر کو نہیں چل سکتا۔ حضرت عمر[له] رضی اللہ نے عبداللہ بن سلام سے جو شروع میں یہودیوں کے زبردست عالم تھے۔ اور بعد میں مسلمان ہوگئے۔ اس آیت کے متعلق دریافت کیا۔ کہ کیا تم ایمان لانیسے پہلے آپ کے نبی ہونیکو یقینی طور پر جانتے تھے۔ اُنہوں نے جواب میں کہا۔ کہ عمر خدا کی قسم ہمیں اپنی اولاد ہونمیں شک ہو سکتا ہے۔ شاید اُس کی ماں نے کوئی خیانت کرلی ہو۔ لیکن ہمیں آپ کے نبی ہونے میں ذرہ برابر شک اور شبہ نہیں ہے۔ حضرت عمر نے یہ جواب سنکر حضرت عبداللہ بن سلام کی پیشانی چوم لی۔ ایک مرتبہ یہودیوں نے نبی کریم صلعم کیخدمتمیں حاضر ہوکر عرض کی۔ کہ توریت میں زانی کی سزا سنگسار کرنا نہیں لکھی۔ بلکہ ایسی عورت اور مرد کی یہ سزا ہے۔ کہ اسکا منہ کالا کریں۔ اور گدھے پر سوار کرکے گلی کوچوں میں اُسکو ذلیل اور رُسوا کریں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ تم غلط کہتے ہو۔ اور توریت میں زانی مرد و عورت کی سزا سنگسار کرنا اور پتھروں کیساتھ مار ڈالنا لکھی ہے۔ یہودی جانتے تھے۔ کہ حضور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ اور توریت

له ابن کثیر۔ ابوالسعود

سے واقف نہیں۔ جو وہ اُس سے ثبوت پیش کر سکیں۔ اس لئے وہ انکار پر مصر رہے۔ رسولخدا صلعم نے اس صوریا یہودی کو جو یہودیوں میں مانا ہوا عالم تھا قسم دی۔ کہ تجھے اُس ذات پاک کی قسم ہے۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی۔ اور اُنکو فرعون کے پنجے سے نجات دی۔ کیا توریت میں زانی کی سزا رجم کرنا نہیں ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ بیشک توریت کا یہی حکم ہے۔ جو آپنے فرمایا۔ یہودی یہ سنکر اُسکے پیچھے پڑ گئے۔ اور بُرا بھلا کہا۔ اُس صوریا نے کہا۔ کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بولتا۔ تو عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیا جاتا۔ ورقہ بن نوفل نے جو مکہ کے رہنے والے نصرانی اور انجیل کے عالم تھے۔ اُنکی بعثت کی خبر سنکر یہ کہا تھا۔ کہ یہ وہی نبی ہیں۔ جن کے آنے کی عیسےٰ بن مریم نے بشارت دی تھی۔ ہرقل شاہ روم نے آپ کے حالات سُنکر آپ کے نبی ہونیکی تصدیق کی اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن نے جو کچھ اہلِ کتاب کے متعلق خبر دی تھی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔

(۴۷) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۲ ع ۔ بعض ایسے آدمی ہیں جنکی باتیں آپکو میل جول کیوقت بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُس کے دلی جذبات سے خوب واقف ہے۔ وہ آپ سے سخت خصومت رکھنے والا اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے۔ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اخنس طائف کا رہنے والا بڑا شیریں کلام آدمی تھا۔

لہ تفسیر کبیر ص۳ جلد۵ لہ الوالسعود

رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میٹھی میٹھی باتیں کرتا۔ اور اپنے آپ کو مسلمانوں کا خیر خواہ اور نبی کریم صلعم کا سچا جان نثار کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو اسکی باتوں پر یقین آگیا۔ اور وہ اس کو سچا اور مخلص مسلمان سمجھنے لگے۔ اُسوقت مسلمانوں کو حقیقت حال سے مطلع کرنیکے لیئے قرآن میں یہ خبر دیگئی۔ کہ اگرچہ اسکی زبان بہت رسیلی اور میٹھی ہے۔ اور ظاہر میں وہ تمہارا خیر خواہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اُس کا دل تمہاری عداوت اور دشمنی سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ اس خبر کی اُسوقت پوری تصدیق ہو گئی۔ جب وہ نبی کریم صلعم سے رخصت ہو کر[1] طائف کیطرف روانہ ہوا۔ اور جاتے ہوئے راستہ میں کسی مسلمان کے کھیت کے باہر سے گذرا۔ تو اسکو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اور اسی کے قریب مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے۔ اُنکو ہلاک کر کے بھاگ گیا۔ اور اسی طرح اسلام کی مخالفت کا جذبہ جو اُس کی دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ظاہر ہو گیا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ مسلمان تو اُس کے ظاہری حالات سے دھوکے میں آچکے تھے۔ اگر قرآن اسکی اطلاع نہ دیتا۔ تو اسکے دلی جذبات پر مطلع ہونا نہائت مشکل کام تھا۔ اس لیئے معلوم ہوا۔ کہ یہ خبر علام الغیوب ہی کی بتائی ہوئی تھی۔ کسی غیر کی نہیں تھی۔

(۲۷) براء بن عازب سے مروی ہے۔ کہ جب رسولخدا صلعم نے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔ تو ۱۶ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن[2] آپ مسجد بنی سلمہ میں جنگ بدر سے دو مہینہ پہلے ماہ رجب میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے (ابھی

[1] جلالین [2] تفسیر ابوالسعود

آپ نے دو رکعت نماز ہی پڑھی تھی۔ کہ خانہ کعبہ کیطرف منہ کر کے نماز
پڑھنے کا حکم نازل ہوگیا۔ اس حکم کے نازل ہوتے ہی سب نے اپنا رُخ
مکہ کیطرف کر لیا۔ بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کیطرف نماز میں منہ
کرنے اور اُسکو قبلہ بنانے پر کُفّار مکہ اور منافقین نے اعتراضات کئے۔
اور یہودی بھی اُن کیساتھ شریک ہوگئے۔ باوجودیکہ توریت[له] میں نبی آخر
الزماں کی یہ پہچان اور شناخت لکھی ہوئی تھی۔ کہ آپ بیت المقدس
اور خانہ کعبہ دونوں قبلوں کیطرف نماز پڑھیں گے۔ لیکن عُلمار یہود نے
کچھ عداوت اور حسد سے اور کچھ عام یہودیوں سے آپ کی علامت چھپانے
کیلئے اس واقعہ کے اظہار پر انکار کیا۔ لیکن وہ دلمیں اس کی حقیقت
کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اُسوقت قرآن نے اُنکے دلی احساسات
اور اندرونی خیالات کو ظاہر کرنے کیلئے یہ خبر دی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ اہل کتاب اس بات
کو خوب جانتے ہیں۔ کہ تحویل قبلہ کا حکم خدا کی جانب سے ہے۔ اگرچہ
وہ زبان سے اس کے حق ہونیکا اقرار نہ کریں۔ اور ظاہر میں وہ آپ پر
اعتراض کرتے رہیں۔ لیکن اُنکا دل اس بات کی سچائی اور صداقت کو
اچھی طرح جانتا ہے۔ اس امر کی تصدیق کہ اُن کے دلمیں اس
بات کا پورا یقین تھا۔ کہ قبلہ کی تبدیلی توریت میں لکھی ہوئی نشانی کیوجہ سے
بالکل صحیح ہے۔ اس سے ہوتی ہے۔ کہ جب قرآن نے اُنکی بے ایمانی
اور خیانت کا پردہ چاک کیا۔ تو اُنکو اس سے انکار کرنیکی مطلقاً جرأت

[له] تفسیر ابوالسعود۔ بیضاوی

نہ ہوئی۔ اگر قرآن کا یہ دعویٰ اُنکی نظر میں غلط ہوتا۔ تو وہ اس کے انکار کرنے سے کبھی نہ چوکتے۔ اور صاف طور پر مسلمانوں سے اُس کے ثبوت کا مطالبہ کرتے۔ لیکن وہ اپنے دلمیں سمجھے ہوئے تھے۔ کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۷۸) مسلمان منافقوں کی ظاہری باتوں پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے اُنکو اپنی طرح مسلمانوں کا خیر خواہ اور مخلص مسلمان سمجھتے۔ اور بطور مشورہ اُن سے لپنے پردہ اور راز کی باتیں بیان کر دیتے تھے۔ لیکن قرآن نے اُن کے متعلق یہ خبر دی۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ ع ۳ مسلمانوں تم دوسرے مذہب والوں کو اپنا سچا دوست نہ سمجھو۔ وہ تمہارے نقصان پہونچانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ وہ تمہاری تکلیف کے آرزومند رہتے ہیں۔ اُن کے منہ سے کئی مرتبہ ایسے الفاظ بے سوچے سمجھے نکل چکے ہیں۔ جن سے اُن کے بغض اور عداوت کا پتہ چلتا ہے۔ اور جو تمہاری مخالفت اور دشمنی کے جذبات اُن کے دلوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اس خطرناک غلطی سے بچانے کیلئے یہ بتایا گیا ہے۔ کہ جن لوگوں کی دوستی پر تمہیں اعتماد اور بھروسہ ہے وہ تمہارے دوست نہیں ہیں۔ بلکہ سخت دشمن ہیں۔ تم اُنسے ہزار محبت

کرو۔ وہ کبھی تمہارے خیر خواہ اور دوست نہیں ہو سکتے۔ اُنکو تمہاری تکلیفوں سے خوشی اور تمہارے آرام اور راحت سے صدمہ اور رنج ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ تمہارے نقصان پہونچانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں ابتدا میں مسلمانوں کو منافقین کی ظاہری حالت اور اسلام پرستی کے دعووں کیوجہ سے اُنکے متعلق کوئی بُرا خیال نہیں تھا۔ لیکن تجربے کے بعد اُن تمام باتوں کی تصدیق ہوگئی جسکی قرآن نے خبر دی تھی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں منافقین نے مسلمانوںکو نقصان پہونچانیکی پوری کوشش کی اور عین اُسوقت جبکہ فریقین کے لشکر ایکدوسرے کے آمنے سامنے ہوئے عبداللہ بن ابی منافق ۳ سو آدمی کو لیکر اسلامی لشکر سے جدا ہو گیا۔ ایسا کرنے سے اُسکی یہ غرض تھی۔ کہ باقی مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے اور وہ ھزیمت اُٹھاکر میدان جنگ سے بھاگیں۔ اور اُس کے مقابلے میں کفاروں کے حوصلے اسقدر بڑھ جائیں۔ کہ وہ مسلمانوں کو کافی نقصان پہونچا سکیں۔ اسی طرح انہوں نے بنونضیر کو مسلمانوں کے خلاف اُکسا کر ان کے مقابلے میں کھڑا کیا تھا۔ اس کے علاوہ غزوہ تبوک میں جبکہ مسلمانوں کو امداد اور اعانت کی سخت ضرورت تھی۔ یہ لوگ گھروں میں بیٹھ گئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے اُن کی عداوت اور دشمنی کا وقتاً فوقتاً پتہ چلتا رہا۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔ ظاہر ہے۔ کہ کسی جماعت کے اندرونی خیالات اور دلی جذبات کا ایسا صحیح نقشہ پیش کرنا خدا کے سوا

لہ تفسیر کبیر ص۲ جلد ۲۱

دوسرے سے نہیں ہو سکتا ؛

(۹۵ ﷺ) ایک دفعہ رسول خدا صلعم نے مسلمانوں کو خدا کا یہ وعدہ سنایا کہ اسلام ایک دن عرب کے تمام دینوں پر ضرور غالب ہو کر رہیگا۔ اگرچہ ابتدا میں کچھ تکلیفیں اٹھانی پڑینگی۔ لیکن آخر میں کامیابی مسلمانوں ہی کو نصیب ہو گی۔ مخلص مسلمانوں کو اس وعدہ کے پورا ہو جانے کا پختہ یقین تھا۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت میں گھر جانے کے بعد بھی انکو دین حق کے غالب ہونیمیں تردد نہیں ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ جنگ اُحد میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے الگ ہو جانیکے بعد بعض منافقین معتب بن قشیر وغیرہ مسلمانوں کیساتھ لڑائی میں شریک تھے۔ اسلیئے جب اُنہوں نے اس لڑائی میں کفار کا غلبہ اور ستر مسلمانوں کو شہید اور کچھ آدمیوں کو زخمی دیکھا۔ تو اُن کے دل میں یہ وسوسہ اور خیال پیدا ہوا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے غلبہ کی جو خبر دی تھی۔ وہ پوری نہیں ہو گی۔ بلکہ آج ہی اس کی طاقت اور قوت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ سچے مسلمان اس قسم کی تکلیفوں کو عارضی تکلیف اور اور اس نقصان کو رسول خدا صلعم کے حکم کی مخالفت کرنیکی وجہ سے سمجھتے تھے۔ اس لئے اُن کو اس وعدہ کے متعلق کبھی ذرہ بھر تردد نہیں ہوا۔ مگر منافقین نے اس ہزیمت سے یہ خیال دلمیں جما لیا۔ کہ آج اسلام کی طاقت فنا ہو جائیگی۔ اور جو نصرت اور غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ محض سراب کا دھوکا تھا۔ جسپر اعتماد اور بھروسہ کرنا فضول ہے۔ ابھی

۵ تفسیر کبیر صہ ۳ جلد ۲

تک کہ خیال اُن کے دل ہی میں تھا۔ زبان پر نہیں لائے تھے۔ مگر
قرآن نے اُس کو ان لفظوں کے ساتھ ظاہر فرمایا۔ وَطَائِفَةٌ قَدْ
أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ لے ع
ایک جماعت کو اپنی جان کی پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ جہالت اور بیوقوفی
سے خدا کے ساتھ بدگمان رکھتے تھے۔ یعنی انکو خدا کی نسبت یہ بدگمانی
پیدا ہو گئی ہے۔ کہ خدا کے رسول نے اسلام کے غلبہ اور فتح کی جو خبر
دی ہے۔ وہ پوری نہیں ہوگی۔ جو کچھ قرآن میں اُن کے متعلق کہا گیا اگر
وہ محض ایک الزام تھا۔ اور درحقیقت اُن کے دل میں ایسا کوئی خیال یا
وسوسہ نہیں گذرا تھا۔ تو انکو اس کے تسلیم کرنے سے انکار کر دینا چاہیے تھا
اس موقعہ پر اُن کی خاموشی اس امر کی شہادت ہے۔ کہ قرآن نے جو کچھ ان
کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا۔ وہ بالکل صحیح تھا۔ اُس کے علاوہ حضرت
زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت کفار کا غلبہ ہوا۔ اور بہت سے
مسلمان مارے گئے۔ تو معتب بن قشیر کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا۔ لَوْ
كَانَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ اگر ہمارا اختیار ہوتا۔ تو ہم قتل ہونے
کیلئے یہاں کبھی نہ آتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وہ یہ بات سمجھ
چکے تھے۔ کہ آج میدان جنگ میں سے بچ کر جانا بہت مشکل ہے۔ اور
سب کے سب یہیں مارے جائینگے۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ انکو اسلام کے
غلبہ اور نصرت کے وعدہ پر کوئی بھروسہ یا اعتماد نہیں رہا تھا۔ اور اسی
خیال کو قرآن عزیز نے ظاہر کیا ہے۔ اس کے علاوہ منافقین کے

لے تفسیر کبیر صفحہ جلد ۳

اس وسوسہ اور خیال کو ظن جاہلیتہ یعنی جہالت اور بیوقوفی کا خیال بتلایا ہے۔ یعنی جسطرح جہالت اور بیوقوفی کی بات لغو اور فضول سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلام کے غالب نہ ہونیکا خیال سراسر بیہودہ اور باطل ہے۔ اس ہزیمت سے وعدہ الٰہی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور ایکدن اسلام کو عرب کے تمام دینوں پر ضرور غلبہ حاصل ہوگا۔

(۹/۸) جب جنگ اُحُد میں عبداللہ بن ابی منافق مسلمانونکو نقصان پہنچانے کی نیّت سے ۳۰۰ آدمی لیکر اسلامی لشکر سے الگ ہوگیا۔ تو ابو جابر بن عبداللہ انصاری رضؓ نے ان سے کہا۔ کہ تمہیں دشمن کے مقابلہ میں اپنی قوم اور رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر کہیں نہ جانا چاہیئے۔ اگر تم دین کی خاطر نہیں لڑتے۔ تو تمہیں اپنی جان و مال کی حفاظت اور اہل وعیال کے بچانیکی غرض سے لڑائی میں شریک ہوجانا چاہیئے تھا۔ عبداللہ بن ابی نے جوابدیا۔ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ ۸ع یعنی اگر ہم لڑائی سے واقف ہوتے۔ تو تمہارے[۱] ضرور شریک ہوجاتے۔ مگر قرآن نے اس جواب میں اُن کی تکذیب کی اور انکو اس دعوٰی میں جھوٹا ٹھراتے ہوئے یہ کہا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ۚ ۸ع یہ زبان سے وہ بات کہہ رہے ہیں۔ جو اُن کے دلمیں نہیں ہے۔ خدا اُن کے دلی بھید ونکو خوب جانتا ہے۔ اور یہ لوگ اس عذر میں کاذب اور جھوٹے ہیں اصلی حقیقت کچھ اور ہے۔ جس کو انھوں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ان کے جھوٹ کی اُسیوقت قلعی کھل گئی۔ جب

[۱] تفسیر کبیر ج ۳

اُنکو بعض ایسے مسلمانوں کے شہید ہونیکی خبر ملی۔ جو اُن کے قریبی رشتہ دار تھے۔ تو اُنہوں نے حسرت اور افسوس ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا۔ کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے۔ تو کبھی نہ مارے جاتے۔ اس خیال کے ظاہر کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ وہ محض موت کے ڈر سے میدان جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ قواعد جنگ سے واقف نہ ہونیکا جو عذر اُنہوں نے کھڑا کیا تھا۔ وہ ہرگز صحیح نہ تھا۔ دوسرے جب تمام منافقین علاوہ دو چار آدمیوں کے سچے مسلمان بنگئے تھے۔ جیساکہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ تو صحابہ کے زمانہ میں یہی لوگ مختلف جنگوں میں کفاروں کے ساتھ لڑنے کیلئے جاتے رہے۔ باوجودیکہ وہ قواعدداں فوجوں کے مقابلے میں ہوتے تھے۔ مگر کبھی ناواقفیت کا عذر رکھکر لڑائی سے نہیں بھاگے۔ اس کے علاوہ دوسرے مسلمان انہی کیطرح بے قاعدہ سپاہی تھے۔ انہی کو جنگی طریقوں سے واقف ہونیکی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کا عذر کوئی معقول عذر نہیں تھا۔ اور قرآن نے جو کچھ خبر دی تھی۔ وہ درست اور صحیح تھی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۱۸۴) مدت سے یہودیوں کی یہ دلی تمنا تھی۔ کہ مسلمان دین حق کو چھوڑ کر باطل پرستی اختیار کرلیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اس آرزو کو پورا کرنیکے واسطے مسلمانوں کے سامنے یہ شبہ پیش کیا کہ توریت میں لکھا ہوا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک واجب العمل رہے گی۔ اُس کا کوئی

ؒ تفسیر کبیر صـ ۲ جلد ۸

حکم منسوخ نہ ہوگا۔ محمد صلعم باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونیکو
تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اُن کے اس فیصلہ کو نہیں مانتے۔ اسوقت قرآن
نے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے یہ کہا۔ یَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۳ ع ۵ اے اہل کتاب
تم جان بوجھ کر کیوں حق کو چھپاتے ہو۔ اور اُس کے بدلے میں باطل کو پیش
کرتے ہو۔ یعنی یہودیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ توریت میں شریعت موسوی
کے منسوخ نہ ہونیکا فیصلہ لکھا ہوا ہے۔ سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔
توریت میں کسی جگہ ایسی خبر نہیں دیکھی۔ یہودی اس تردید کو سنکر
خاموش ہوگئے۔ اور اُنکو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں
توریت کی کوئی آیت پیش کرکے قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت کرسکیں۔ ظاہر ہے
کہ حضرت محمد صلعم اور اُن کے ساتھی توریت سے بالکل ہی ناواقف اور
بے خبر تھے۔ اس لیئے اس قسم کی تردید اُن کی طرف سے کبھی نہیں ہو
سکتی۔ یقیناً یہ اسی بزرگ ہستی کا کلام ہے۔ جو انسان کے دلی بھیدوں
سے باخبر اور چھپے ہوئے رازوں کو جاننے والا ہے۔ ہو اللہ سبحانہٗ

دلیل ۸۲ ایک مرتبہ چند یہودیوں نے مجلس نبوی میں حاضر ہوکر رسول خدا
صلعم سے ایسے ذو معنی لفظوں میں گفتگو شروع کی۔ جسکے ظاہری معنے
اچھے تھے۔ مگر دوسرے معنے میں مذمت اور برائی کا پہلو نکلتا تھا۔ دل
میں انہی معنوں کا ارادہ کرکے حضور سے بات چیت کرتے تھے۔ ایسا کرنے
سے ان کی یہ غرض تھی[۵]۔ کہ اگر یہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ تو اُنکو ہماری نیت

۵ مدارک

بدکی اطلاع ضرور ہو جائیگی - ورنہ ہمارے اندرونی خیالات اور دلی جذبات کا انکو مطلقاً پتہ نہ چلیگا - چنانچہ[1] اثنار گفتگو میں جب کوئی بات نبی کریم صلعم کیطرف سے ہوتی تو یہ اس کو سُن کر کہتے - کہ سَمِعْنَا یعنی آپ نے جو کچھ فرمایا - ہم نے اس کو خوب غور سے سُنا - اور مان لیا - اور دل میں یہ نیّت ہوتی - کہ عَصَیْنَا یعنی ہم آپکی ایک بات بھی نہیں مانتے - اور جب خود کوئی بات کہنا چاہتے - تو ظاہر میں زبان سے کہتے - اِسْمَعْ یعنی ہماری بات سُنیئے اور دل سے غیر مُسْمَع کہتے - یعنی خدا آپکو سُننے کی توفیق ہی نہ دے - اور آپ کے کان بہرے ہو جائیں - اور جب کسی بات کو دوبارہ کہلانا چاہتے - تو رَاعِنَا کہتے - جس کے ظاہری معنے "ہماری رعایت کیجیے" اور ارادہ دوسرے معنے کا کرتے - جس کے معنے احمق اور بیوقوف کے ہیں - یا رَاعِنَا کے عین کے زیر کو ذرا کھینچ کر پڑھتے - جس کے معنے یہ ہو جاتے - کہ آپ ہمارے چرواہے ہیں - یا اسی لفظ کو وہ عبرانی یا سُریانی زبانمیں گالی کیواسطے استعمال کرتے تھے - اور ان الفاظ کو استعمال کرتیوقت تمسخر یہ اور مذاق کے طور پر مُنہ بناتے - جس سے اپنے ساتھیوں پر یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہوتی - کہ ہم اتنی دیر سے ان کیساتھ مذاق اور دل لگی کر رہے ہیں - مگر ان کو ہماری نیتوں کی مطلقاً خبر نہیں ہوئی - قرآن میں اُسوقت اُن کے خباثت باطنی اور نیّت کے فساد کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی - وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ

[1] تفسیر کبیر صہ ۳ جلد ۲۳۱

عَصَیْنَا وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ وَطَعْنًا فِی الدِّیْنِ ۔
ہرع ۔ بعض یہودی ایسے ہیں ۔ جو توریت میں ردّوبدل کرتے ہیں ۔ اور آپکی باتیں سن کر زبان سے سَمِعْنَا اور دل سے عَصَیْنَا کہتے ہیں ۔ اور اِسْمَعْ کہہ کر دل سے اُس کے آرزومند ہیں ۔ کہ آپ سننے کے قابل نہ رہیں ۔ اور رَاعِنَا کہتے ہوئے آپ کا تمسخر اُڑانا چاہتے ہیں ۔ اور یہ سب کچھ اسلیئے کرتے ہیں ۔ کہ وہ اسلام کے سچے اور خدائی دین ہونیسے انکاری ہیں ۔ اور اسپر طعن کرنا چاہتے ہیں ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا ۔ کہ یہودی چند باتیں دل میں چھپا کر آپ کی نبوّت کو پرکھنا چاہتے تھے ۔ بحمد اللہ قرآن نے نبی کریم صلعم کی صداقت اور سچائی کو روز روشن کیطرح ثابت کردیا ۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے ۔ کہ دلی بھید ونکا ظاہر کرنیوالا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا ۔ یہی وجہ تھی ۔ کہ اس آئیت کے نازل ہونے تک آپکو یہودیوں کے خبث باطنی کی کوئی اطلاع نہ ہوئی ۔

د $\frac{۱۱}{۸۴}$ حضرت ابن عباس سے روایت ہے ۔ کہ ایک مرتبہ کسی چیز پر یہودی اور منافق کے درمیان جھگڑا ہوگیا ۔ حق یہودی کیجانب تھا ۔ یہودی نے اس جھگڑے کے فیصلہ کرنیکلیئے نبی کریم صلعم کو منتخب کیا ۔ لیکن منافق جانتا تھا ۔ کہ وہاں حق کے سوا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہوگا ۔ اسی لیے اس نے مجلس نبوی میں ظاہر ہونیسے انکار کیا ۔ اور یہ کہا ۔ کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو ۔ جو تمہارے مذہب کا ایک عالم ہے ۔ اُسی کا فیصلہ مجھے ہر طرح منظور ہے ۔ یہودی کعب بن اشرف کے پاس جانیکیلئے تیار نہیں تھا ۔

ل تفسیر ابو السعود و تفسیر کبیر

کیونکہ اسے معلوم تھا۔ کہ کعب رشوت لیکر جھوٹا اور غلط فیصلہ کردیا کرتا ہے۔ آخر یہودی نے بمشکل تمام منافق کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے راضی کر لیا۔ جب وہ وہاں پہنچے۔ تو آپ نے طرفین کے بیانات سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ منافق کو جس بات کا ڈر تھا۔ وہ سامنے آگئی۔ مجلس نبوی سے باہر نکلکر اُس نے اِس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا۔ جب یہودی نے دیکھا۔ تو وہ اُس کو فیصلہ کیلئے حضرت عمرؓ کے پاس لیگیا۔ اُن کی خدمت میں پہنچکر یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ کہ رسول خدا صلعم نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ مگر اُس نے اس کو منظور نہیں کیا۔ اب آپکی رائے میں جو فیصلہ مناسب ہو۔ فرما دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا۔ کہ جو کچھ یہودی کہتا ہے۔ یہ بات اسی طرح ہے۔ اُس نے کہا۔ "ہاں" حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ ذرا ٹھیرو۔ اور اندر گھر میں سے تلوار نکالکر لائے۔ اور منافق کی گردن اُڑادی۔ اور یہ فرمایا۔ "کہ جو شخص رسول خدا صلعم کے حکم کو نہ مانے۔ میں اسکے حق میں یہی فیصلہ کیا کرتا ہوں"۔ منافق کے وارث سردار دو جہاں صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قاتل سے خون کا مطالبہ کیا۔ جب اُن سے یہ پوچھا گیا۔ کہ خدا اور اُس کے رسول کے فیصلہ کے بعد وہ دوسری طرف کیوں گیا۔ کیا اس کی اس حرکت سے خدا کے حکم سے اعراض اور انکار نہیں پایا جاتا۔ تو اُس کے وارثوں نے جھوٹی قسم کھا کر کہا۔ کہ وہاں جانا آپ کے فیصلہ کو نہ ماننے کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اس لیے تھا۔ کہ حضرت

۱؎ اسی واقعہ پر دربار رسالت سے حضرت عمرؓ کو فاروق کا خطاب عنایت ہوا تھا۔ تفسیر ابوالسعود
۲؎ تفسیر ابوسعود صفحہ ۳ جلد ۱۸۹

عمرؓ کوئی ایسا درمیانی راستہ نکالدینگے۔ جس سے یہ معاملہ رضامندی کیساتھ طے ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسَانًا وَّ تَوْفِیْقًا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَ عِظْھُمْ شروع یہ لوگ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ کہ ہم موافقت اور نیکی کے ارادے سے اُن کے پاس گئے تھے۔ اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے ہمیں انکار نہیں تھا۔ اللہ تعالےٰ اُن کے دلی بھیدونکو خوب جانتا ہے۔ آپ اُن سے اعراض فرمائیے۔ ان لوگوں کا جھوٹ تو شروع ہی سے ظاہر تھا۔ کیونکہ منافق نے ابتدا میں اس لیئے آپسے فیصلہ کرانا نہیں چاہا تھا۔ پھر اُس نے فیصلے کے بعد اُس کے تسلیم کرنیسے انکار کیا۔ جب حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچا۔ تو وہاں یہودی کے موافق حضور کے فیصلہ کرنیکا اُس نے اقرار کیا۔ مگر جھوٹی قسم کھانے والوں نے جو اُس کیطرح منافق تھے۔ یہ سمجھا۔ کہ ہمارے آدمی نے صریح لفظوں میں آنحضرت کے فیصلے کو ماننے سے انکار نہیں کیا تھا۔ جس کی انکو خبر ہو جاتی۔ اور دلی جذبات اور اندرونی خیالات کی آپکو کیا اطلاع ہو سکتی ہے۔ اس لیئے ہماری قسم کا اعتبار ہوگا۔ اور دوسرے ہمارے مقابلہ میں جھوٹے سمجھے جائینگے۔ مگر وہ نہیں سمجھتے تھے۔ کہ خدا تعالیٰ دلوں کے بھیدونسے واقف ہے۔ اور وہ علیم و خبیر اپنے رسول کو ایسے واقعات کی خبریں دیدیا کرتا ہے۔

(۱۳۱ / ۸) منافقین اسی خیال سے کہ مسلمانوں پر اُنکا اصل راز نہ

کھل جائے۔ مسجد میں آتے اور سب کے سامنے نمازیں پڑھتے تھے قرآن نے انکے متعلق یہ خبر دی۔ کہ یہ شوق اور محبت سے مسجد میں نہیں آتے اور نہ دل سے نماز پڑھتے ہیں۔ بلکہ اُن کی باطنی حالت یہ ہے۔ وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا پ۵ ع جب وہ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو سستی اور بیدلی کیساتھ ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھلانے کیلئے نماز پڑھتے ہیں۔ اسلیئے وہ خدا کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ سستی۔ بیدلی۔ اور ریاکاری یہ سب چیزیں دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور دلی حالات کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد مسلمانوں نے منافقین کی نمازوں پر نظر رکھنی شروع کر دی۔ چنانچہ ابی بن کعب رضی سے نقل ہے۔ کہ ایک روز نبی کریم صلعم صبح کی نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے۔ کہ فلاں شخص حاضر ہے۔ لوگوں نے کہا "نہیں" پھر آپنے فرمایا۔ کہ فلاں عرض کیا گیا۔ کہ "وہ بھی حاضر نہیں" اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ یہ دونوں نمازیں منافقوں پر گراں ہیں۔ یعنی صبح اور عشاء کی نماز پڑھنا منافقوں کیلئے سخت مشکل ہے۔ عشاء کی نمازمیں تو وہ اس لئے نہیں آتے تھے۔ کہ مسجد کے اندر کوئی چراغ نہ تھا۔ اور اندھیری کیوجہ سے کسی کے آنے اور نہ آنے کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اور صبح کی نماز بالعموم سویرے ہوتی ہے۔ وہ اسوقت سوئے رہتے تھے۔ اگر واقعی انکو نماز سے محبت ہوتی۔ تو دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مسجد میں ضرور حاضر ہوتے۔ راحت

اور آرام کیوجہ سے نماز کو کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن اُنکی تو یہ حالت تھی۔ کہ ایکدفعہ رسول خدا صلعم نے جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی لوگوں کو ترغیب اور تحریص فرمائی۔ عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد تمام مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے آتے تھے۔ مگر منافقین پھر بھی ہر نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان حالات سے معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ ریاکاری اور دکھلاوے کی نماز پڑھتے تھے۔ دل سے اُنکو اس بات کا شوق تھا۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی تھی۔

(۱۴) چند یہودی نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور آپ بھی اُن کو وعظ و نصیحت کی باتیں سنایا کرتے تھے قرآن نے ان لوگوں کی نسبت یہ خبر دی۔ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۔ پ ۶ ع ۱۳ وہ تمہارے پاس آکر اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن وہ جسطرح آپکی مجلس میں آنیسے پہلے کافر تھے۔ اسیطرح وہ یہاں سے جانیکے بعد بھی کافر ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے دلی حالات سے واقف ہے۔ یعنی اُنہوں نے آپ کے وعظ اور نصیحتوں کو کبھی دل سے نہیں سنا۔ بلکہ اُن کے دل میں تمہاری طرف سے سخت عداوت اور دشمنی موجود ہے۔ تمہیں دھوکا دینے کیواسطے مسلمان بنکر تمہاری مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان اُن لوگوں کی ظاہری حالت سے دھوکے میں آچکے تھے۔ مگر قرآن نے اُن کے دلی جذبات اور اندرونی خیالات کو ظاہر کرکے حقیقت حال سے مسلمانوں کو مطلع کر دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو مجلس

ا؎ تفسیر کبیر ص ۱۳ جلد ۲۵

نبوی میں منافقانہ حاضر ہونیکی کبھی جرأت نہ ہوئی۔

(۱۵) وَالَّذِیْنَ آتَیْنَاھُمُ الْکِتَابَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّکَ
۸۶
بِالْحَقِّ۔ جن لوگونکو توریت اور انجیل کا علم ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں
کہ قرآن عزیز سچا اور خدا کا نازل کیا ہوا ہے۔ یعنی علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ
حسد اور تعصب کیوجہ سے قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونیکا زبان سے اقرار
نہ کریں۔ لیکن وہ دل سے اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ قرآن محمد
صلعم کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے۔ اس
امر کی تصدیق کہ وہ درحقیقت قرآن کریم کی صداقت اور سچائی پر
دل سے یقین رکھتے تھے۔ ذیل کے چند واقعات سے ظاہر ہوتی ہے۔ ابن کثیر
اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ جب یہودیوں نے حضرت محمد صلعم کے سامنے
اپنے آپکو خدا کا دوست اور بیٹا کہا۔ اور یہ دعویٰ کیا۔ کہ ہمارے سوا کوئی
جماعت جنت میں نہ جائیگی۔ تو رسول اللہ صلعم نے اُنکو مباہلہ کی دعوت
دی اور فرمایا۔ کہ یہ دعا کرو۔ کہ خدایا ہم دونوں میں سے جو جماعت تیرے
نزدیک جھوٹی ہو۔ اسکو تباہ اور برباد کر دے۔ تو علماء یہودی میں سے ایک
شخص بھی اس کیلئے تیار نہ ہوا۔ ان کا مباہلہ سے انکار کرنا اس بات کی
صریح دلیل ہے۔ کہ وہ قرآن کے فیصلے کو سچا اور اپنے دعوے کو جھوٹا سمجھتے
تھے۔ دوسرے جب قرآن میں یہ خبر دیگئی۔ کہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی
شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ تو اُنکی صورتیں مسخ کر دی جائینگی۔ اور اس
بات کو ظاہر کرنیکے واسطے یہ آیت اُتری۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ

آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا پ ۵
ع ۴ اسوقت عبد اللہ بن سلام نے جو یہودی مذہب کے عالم تھے جب
شام کے سفر سے واپس آئے۔ اور یہ آیت سُنی۔ تو گھر جانیسے پہلے سردار
دوجہاں صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ فرمایا۔ مَا كُنْتُ اَنْ اَصِلَ
اِلٰى اَهْلِىْ قَبْلَ اَنْ يَّطْمِسَ اللّٰهُ وَجْهِىْ۔ قبل ازیں کہ میری صورت ایمان نہ
لانے کی وجہ سے مسخ ہو گھر جانے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ یہ کہکر فوراً مسلمان
ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ وہ یہ سمجھ چکے تھے۔ کہ اگر محمد عربی صلعم پر ایمان
نہ لایا گیا۔ تو جو کچھ قرآن میں کہا گیا ہے۔ وہ ضرور پورا ہو کر رہیگا۔ اسی
طرح علماء نصارٰی کا وفد نجران سے رسول اللہ صلعم کیخدمت میں
مناظرہ کیلئے حاضر ہوا تھا۔ جب اُس نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے
بارہ میں غلط بیانیاں کیں۔ تو قرآن شریف میں اُسکی پُر زور تردید کیگئی
لیکن اُنہوں نے اُس کے تسلیم کرنیسے انکار کر دیا۔ اور وہ اس طرح
اپنی ضد پر قائم رہے۔ اسوقت جھوٹ اور سچ کا فیصلہ کرنیکے واسطے اُنکو
مباہلہ کی دعوت دیگئی۔ اور یہ تجویز ہوئی۔ کہ دونوں جماعتیں ملکر خدا تعالیٰ
کی بارگاہ میں یہ التجا کریں۔ کہ خدایا ہم دونوں جماعتوں میں سے جو جماعت
اپنے دعوٰی میں جھوٹی ہو۔ اُسکو ہلاک کر دے۔ مگر نصارٰی کے وفد نے
مُباہلہ کرنیسے انکار کر دیا۔ اور اس کے بدلے میں ہر سال جزیہ دینے
کیواسطے تیار ہوگئے۔ جزیہ اور ٹیکس دینے کیلئے راضی ہونا۔ اور حق و باطل کا
فیصلہ کرنے کے واسطے بد دُعا اور مُباہلہ پر تیار نہ ہونا۔ اس امر کی کھُلی شہادت

لہ تفسیر مدارک ۲ تفسیر ابن کثیر

ہے۔ وہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ قرآن شریف کا
فیصلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں بالکل صحیح اور درست ہے
اور اس کا فیصلہ خدائی فیصلہ ہے۔ اگر اس کے مقابلے میں مباہلہ کی تیاری
کی گئی۔ تو سب کے سب ہلاک اور برباد ہو جائینگے۔ ان حالات سے معلوم
ہوا۔ کہ اہلِ کتاب قرآن مجید کو بالکل سچا سمجھتے تھے۔ اور سچی ہی قرآن
نے خبر دی تھی۔

(۱۶/۸۷) صلح حدیبیہ کے بعد اہل مکہ مسلمانوں سے ملتے۔ اور اُن سے میٹھی باتیں
کرتے تھے۔ اور کبھی معاہدہ کی پابندی کا وعدہ کرتے۔ اُنکو ہر طرح اطمینان
دلاتے تھے۔ مگر دل سے موقع کے منتظر رہتے۔ اور غصہ کے ٹھنڈا کرنے کی تدبیریں
کرتے تھے۔ مسلمان اُن کی شیریں کلامی اور ظاہری برتاؤ کو دیکھکر
اُن پر بھروسہ اور اعتماد کرنے لگے۔ بیخبر مسلمانوں کو حقیقت حال سے مطلع
کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔

یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ پ ۱۰ ع ۵ ۹
میٹھی باتیں کرکے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اُن کا دل ایسی باتوں
سے راضی نہیں ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ جھوٹے اور بدعہد ہیں۔ یعنی
یہ اُن کی محض زبانی باتیں ہیں۔ ورنہ حقیقت میں مسلمانوں کیساتھ کبھی
معاہدہ کے پابند ہوکر رہنا نہیں چاہتے۔ اور ایک مسلمان کو نقصان پہنچانے
کے وقت کسی رشتہ داری اور عہد و پیمان کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا سنہ ۸ ہجری میں اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان (ترمذی)

پر صلح ہوئی۔ اُن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ کوئی فریق دُوسرے فریق کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھائے۔ اور نہ اُس کے حلیف کے خلاف[1] اپنے حلیف کی مدد کرے۔ مگر اہلِ مکہ نے معاہدہ کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے حلیف بنی بکر کی رسول خدا صلعم کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابلہ میں مدد کی۔ اور جب بنی بکر کے مقاومت کی تاب نہ لا کر بنی خزاعہ نے حرم میں پناہ لی تو اہل مکہ بھی بنی بکر کیساتھ اُن کے قتل میں شریک ہو گئے۔ اور اُن کی ہتیار وغیرہ سے اعانت اور امداد کی۔

ابو[2] سُفیان نے اپنے حلیفونکو کھانا کھلایا۔ اور رسول خدا کے حلیفونکو بالکل نہ پوچھا۔ باوجودیکہ وہ ابھی تک اُنہی کے ہم مذہب تھے۔ مگر محض اسلئے کہ وہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ موردِ عتاب اور سزا کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

اس[3] کے علاوہ جب ہرقل شاہ رُوم نے رسول خدا صلعم کے حالات دریافت کرنے کیلئے ابو سُفیان کو اپنے دربار میں بُلایا۔ تو صلح حدیبیہ کے بعد کا زمانہ تھا۔ ابو سُفیان کہتا ہے۔ کہ مجھے اپنے ساتھیوں کے طرف سے تکذیب کرنے اور جھٹلانے کا ڈر تھا۔ ورنہ ہرقل نے جو باتیں حضور علیہ السلام کے متعلق دریافت کیں۔ میں ضرور غلط بیانی کرتا۔ محض رسوائی کا ڈر ایسا کرنے سے مانع رہا۔ اسی روایت میں ہے۔ کہ جب ہرقل نے یہ سوال کیا۔ کہ وہ عہد شکنی تو نہیں کرتے۔ ابو سُفیان کہتا ہے۔ کہ میرا دل انکار[4] کرنے کیلئے تیار تھا۔ مگر میری زبان سے وہ بات نکلی۔ جو سچی تھی۔ کہ اُنہوں نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ یہ صلح کے زمانہ میں اُسکی عداوت اور دُشمنی کے دلی جذبات تھے

[1] تفسیر کبیر صفحہ جلد ۴ ابن خلدون۔ [2] تفسیر کبیر صفحہ جلد ۴ [3] بُخاری [4] ابن خلدون

جو موقع بموقعہ ظاہر ہوتے رہے ۔ اور اُسی کی قرآن میں خبر دیگئی تھی ۔
(۸۸) منافقین اپنا اعتبار بڑھانیکے لیئے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مخلص اور سچا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ۔ اور مسلمانوں سے قسمیں کھاکر کہتے ۔ کہ ہم اگرچہ ظاہر میں کافروں سے ملتے ہیں ۔ لیکن دل ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ مگر قرآن نے انکو اس دعویٰ پہ جھوٹا ٹھیرایا ۔ اور اُنکی تکذیب کرتے ہوئے یہ فرمایا ۔ وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ٹ ۱۳ ع اگرچہ منافقین خدا کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں ۔ کہ ہم تم میں سے ہیں ۔ لیکن وہ جھوٹے ہیں ۔ اور تمہارے ساتھ نہیں ہیں ۔ انہوں نے ایمان اور اسلام کو جان بچانیکا ذریعہ بنا رکھا ہے ۔ چنانچہ بعد میں تجربہ سے ظاہر ہوا ۔ کہ جو کچھ قرآن میں اُن کے متعلق خبر دیگئی ۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی چنانچہ منافقین نے اسلامی لشکر سے الگ ہوکر مسلمانوں کو نقصان پہنچانیکی کوشش کی ۔ اور غزوہ تبوک میں جبکہ مسلمانوں کو امداد کی سخت ضرورت تھی ۔ وہ شریک نہ ہوئے اور مسلمانوں[۱] کو بھی روکا ۔ اور جو منافقین کسی قدر جی اٹھ سے شریک ہوگئے تھے ۔ اُنہوں نے واپسی کیوقت رستہ میں رسول خدا کو قتل کرنیکی سعی کی ۔ اور اسلام کیخلاف سازشوں میں یہودیوں کیساتھ شریک ہوئے ۔ غرض منافقین نے ہر موقعہ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانیکی کوشش کی ۔ اور اسلام کے خیرخواہ کبھی ثابت نہ ہوئے ۔ اور اسی کی قرآن میں خبر دیگئی تھی ۔

۱ ابن خلدون ج ۲ تتمہ روایات ابن کثیر عن حذیفہ و قصہ من المنافقین

(۱۸/۸۹) رسول خدا صلعم کو غزوہ تبوک میں ۲ مہینے لگ گئے۔ اس دو مہینے
کے عرصہ میں قرآن کا جو حصہ یا آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں اکثر ان
منافقین کے حالات بیان کئے گئے۔ جو اس جنگ میں مسلمانوں کیساتھ
شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بانئ اسلام محمد صلعم
اور مسلمانوں کی مذمت اور برائیاں کرتے۔ اور انکو برا کہتے تھے۔ اور
اس خیال سے کہ مسلمان اس سفر میں زندہ اور سلامت نہ بچیں گے۔ اپنے
شریک نہ ہونے پر بغلیں بجاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے منافقین کی ان حرکتوں
سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ اور انہی منافقانہ چالوں پر مذمت اور برائی بیان
کی۔ ان بعض منافقین کو جو اس غزوہ میں مسلمانوں کیساتھ شریک تھے
یہ بات بہت گراں گذری۔ مگر وہ اپنے غیظ و غضب کو ظاہر کرنے سے مجبور رہے
لیکن ایکدن جلاس بن سوید منافق نے اپنی جماعت میں یہ کہا۔ کہ محمد صلعم
ہمارے آدمیوں پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ انمیں ہرگز یہ عیب نہیں
ہیں۔ اور اگر محمد صلعم کی کہی ہوئی باتیں سچی مان لیجائیں۔ تو ہم اور ہمارے
بیشک سب کے سب گدھے اور بیوقوف ٹھہرے۔ اتفاق سے اس جماعت
میں عامر بن قیس انصاری سچے اور مخلص مسلمان بھی موجود تھے۔ جب
انہوں نے اسکی زبان سے یہ الفاظ سنے۔ تو غیرت ایمانی جوش میں آگئی
اور غصہ ہوکر یہ فرمایا۔ کہ بیشک تم سب گدھے ہو۔ اور رسولخدا صلعم نے
جو کچھ خبر دی ہے۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضور کو بھی اس واقعہ
کی اطلاع ہوگئی۔ جلاس بن سوید کو بلا بھیجا۔ اس نے اس سے صاف انکار کیا

لہ تفسیر کبیر صـ۳۳ جلد ۴

اور قسم کھائی۔ کہ عامر نے جو کچھ کہا۔ وہ بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ اب عامر کے پاس کوئی گواہ نہ تھا۔ جو انکی تصدیق کرتا۔ مجبورا ہوکر خاموش ہونا پڑا۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ التجا کرنے لگے۔ الٰہی حق کی حمایت اور سچ کو ظاہر فرما۔ خدا تعالیٰ نے انکی آواز سنی۔ اور حق کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَکَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ پ ۱۰ ع ۱۶۔ وہ قسم کھاتے ہیں۔ کہ ہم نے نہیں کہا۔ بیشک انہوں نے ایسا کلمہ کہا ہے۔ جس کے کہنے سے وہ اسلام ظاہر کرنے کے بعد پھر کافر ہوگئے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونیکے بعد جلاس نے رسول اللہ صلعم کیخدمت میں حاضر ہوکر اپنی خطا اور عامر کے سچا ہونیکا اقرار کیا۔ اور پھر سچّی توبہ کر کے مخلص اور دیندار مسلمانوں میں داخل ہوگیا۔ اس آیت پر جلاس کا فوراً اپنی خطا کا اقرار کرنا۔ اور اسپر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے سچّی توبہ کرلینا۔ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اُس کے نزدیک قسم کے بعد حضرت محمد صلعم کے خیال کو بدلنے والا اور اسکی اصلیت سے انکو مطلع اور خبردار کرنے والا خدا کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ جس طرح میرے متعلق آپکو صحیح اطلاع دیگئی ہے اسی طرح مدینہ کے رہنے والے منافقین کے بارے میں بھی جو کچھ خبریں دیگئیں ہیں۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہیں۔

(۹/۱۹) مدینہ کے اطراف وجوانب میں ان چار قبیلوں۔ اسلم۔ جہینہ۔ مزینہ اور غفار کے ضعیف العقیدہ مسلمان آباد تھے۔ جب رسول اللہ صلعم

نے سنہ ۶ھ میں بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ تو اُن لوگوں کو بھی اس سعادت کے حاصل کرنیکی دعوت دی۔ مگر یہ لوگ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہے۔ اور اس سفر میں آپ کیساتھ شریک نہ ہوئے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ اہل مکہ اب تک مدینہ پہونچکر مسلمانوں پر حملہ کرتے رہے ہیں۔ اگر کہیں مسلمان خود بخود اُن کے گھر چلے گئے۔ تو وہ سب کو موت کے آغوش میں سلا دینگے۔ گیدڑ کی جب موت آتی ہے۔ تو وہ شہر کا رُخ کرتا ہے مسلمانو کا مکہ کیطرف جانا گویا موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے۔ اسلیئے وہ حضور کے فرمانے پر بھی اس سفر میں جانے کیلیئے تیار نہ ہوئے۔ اور نہ کسی مسلمان پر اپنا خیال ظاہر کیا۔ بلکہ دعوت نامہ کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔ اور گھروں سے باہر نہ نکلے۔ جب رسول خدا صلعم اہل مکہ سے صلح کرکے واپس ہو رہے تھے۔ اسوقت سورہ فتح نازل ہوئی۔ اور اُس میں ان لوگوں کے شریک نہ ہونیکی اصلی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا گیا۔ کہ جب آپ صحیح اور سلامت مدینہ پہونچینگے۔ تو یہ لوگ عذرخواہی کیلیئے خدمت میں حاضر ہونگے۔ اور وہ معافی چاہیں گے۔ یَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِم مَالَيْسَ فِي قُلُوبِهِم ۲۸ ع مگر اُنکا عذر جھوٹا ہوگا۔ اور نہ وہ دل سے اپنے گناہونکی معافی طلب کرینگے۔ بلکہ ایسا کرنا محض آپکو خوش کرنے اور دہوکا دینے کیواسطے ہوگا۔ اسلیئے آپ ہرگز اُنکا اعتبار نہ کریں جب آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ تو یہ لوگ خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جیسا پہلے ہی عذر کیا کہ ہمارے پیچھے کوئی شخص کاروبار کو سنبھالنے والا اور اہل و عیال کا

خبر گیراں نہیں تھا۔ اس لیئے ہم آپ کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ مگر اُنکا یہ جھوٹ اُسوقت صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ جب بیس روز کے بعد نبی کریم صلعم نے غزوۂ خیبر کی تیاری کی۔ اور اُنکو معلوم ہو گیا۔ کہ خدا تعالیٰ نے حدیبیہ میں شریک ہونیوالوں سے خیبر کی فتح کا وعدہ کیا ہے۔ اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہونیکی اُمید دلائی ہے۔ تو اُنہوں نے بھی اس غزوہ میں شریک ہونیکی آمادگی ظاہر کی۔ اور اسپر سخت اصرار کیا۔ اور جب اُن سے یہ کہا گیا۔ کہ یہ وعدہ خالص اُن لوگوں کیلیئے ہوا ہے۔ جو حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ تو اعتبار نہ آیا۔ اور یہ کہا۔ کہ تم اسلیئے ہمیں اپنے ساتھ نہیں لیجانا چاہتے۔ تاکہ مال غنیمت میں سے کچھ نہ دینا پڑے۔ اگر وہ اس عذر خواہی میں جھوٹے نہ تھے۔ تو وہ ۲۰ روز کے بعد اُنکا بیان کردہ عذر کہاں چلا گیا۔ اس لیئے معلوم ہوا۔ کہ وہ اپنے دعویٰ میں یقیناً جھوٹے تھے۔ اور قرآن نے جو اُنکے دل کا راز بتایا تھا۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

فصل ۸

اُن آیتوں کا بیان جنمیں مخالفین کی پوشیدہ باتوں اور چھپے ہوئے

بھیدوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ لوگ اس بات کا پورا اہتمام کرتے۔ کہ اُن کے مجلس کی کوئی بات باہر نہ نکلے۔ اور نہ کسی غیر آدمی کو اپنے مشورے میں شریک ہونے دیتے۔ لیکن باوجود اس احتیاط کے نبی کریم صلعم کو اطلاع ہو جاتی۔ اور کبھی اکیلا آدمی تنہائی میں کوئی کام کرتا۔ اور اُس کے متعلق کسی کے سامنے ایک حرف زبان پر نہ لاتا۔ مگر رسول خدا صلعم کو اس کی خبر مل جاتی۔ اور آپ تمام واقعہ بیان فرما دیتے۔ مخالفین اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ محمد عربی صلعم کے پاس قرآن عزیز کے سوا اور کوئی ذریعہ خبر رسانی کا نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ انہوں نے اسقدر طویل مدّت میں ایکدن بھی کسی شخص پر جاسوسی کا الزام نہیں لگایا۔ وہ ان حالات کیوجہ سے آپکو ساحر اور کاہن ضرور بتاتے رہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں کہا۔ کہ فلاں جاسوس نے تمہیں یہ خبریں پہنچائی ہیں۔ اسلیئے اسطرح کی خبریں دینے والا وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہر ایک کا رازدان اور بھید و نکا جاننے والا ہے۔ ایسکے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اسلیئے اس قسم کی چیزیں کہ جنکے جاننے کا ظاہر میں کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ خدا ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ کسی انسان کی گھڑی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

(۱۶) منافقین ظاہر میں مسلمانوں سے ملتے۔ اور دل سے اُنکی مخالفت کرتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں سے ملنا ہوتا۔ تو اُنپر اپنا ایماندار ہونا ثابت کرتے۔ اور اُنکی نظروں میں اپنے اعتبار بڑھانیکی کوشش کرتے رہتے تھے۔

لیکن تنہائی کی مجلسوں میں کافر دوستوں کے ساتھ مل کر اس بات پہ مذاق اڑاتے اور آپس میں بیٹھکر کہتے۔ کہ آج مسلمانوں کو خوب بیوقوف بنایا۔ ایسی باتیں بنائیں۔ کہ اُنکو ہمارے سچے ہونیکا یقین آگیا۔ قرآن میں اُنکی اس خباثت اور عیاری کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ

ب ۱ ع ۲ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں۔ تو اپنا مسلمان ہونا جتاتے ہیں اور جب اپنے سردار اور لیڈروں سے تنہائی ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہم دل سے تمہارے ساتھ ہیں۔ اُنکا تو ہم مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت میں منافقین کی دو باتیں ظاہر کی گئیں۔ (۱) مسلمانوں کو اپنے مومن اور مسلمان ہونیکا دہوکا دینا۔ (۲) اپنی مجلسوں میں مسلمانوں کی تضحیک کرنی اور اُنکا مذاق اُڑانا ظاہر ہے۔ کہ جو شخص کسی کی نظر میں اپنا اعتبار بڑھانے اور اپنے آپکو سچا ثابت کرنیکی کوشش کرتا ہو۔ اُس سے بعید ہے۔ کہ وہ کھُلم کھُلا ایسا کوئی کام کرے۔ جس سے اُسکا جھوٹا اور بے اعتبار ہونا ظاہر ہو جائے۔ اس لئے منافقین مسلمانونکو بیوقوف کہتے۔ اور اُنکی مذمت یا بُرائی کرنے میں یقیناً سخت اخفا کرتے۔ اور اُسکے چھپانے میں پوری احتیاط کرتے تھے۔ ادہر مسلمانوں کو اُنکی خیانت اور دورنگی کا آخر وقت تک پتہ نہ چلا۔ اور وہ اُنکو اپنی طرح سچا اور مخلص مسلمان سمجھتے رہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ منافقین اپنی مجلسوں میں مسلمانونکو سفیہ اور بے وقوف بتایا کرتے تھے۔ ایسے حالات میں اصلیت کا پتہ چلانا مسلمانوں کے امکان سے

باہر ہو چکا تھا۔ اگر علام الغیوب اور بھیدوں کا جاننے والا اس راز کو فاش نہ کرتا۔ تو مسلمان ہمیشہ اُنکے دہوکے اور فریب میں پھنسے رہتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق اُنکی خفیہ اور پوشیدہ باتوں کی اطلاع دینے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(۹۲) یہودیوں کی ایک جماعت نے لوگوں کو اسلام کیطرف سے بدظن کرنے اور مسلمانوں کے دلوں میں تشکوک اور شبہات پیدا کرنیکے واسطے یہ حیلہ بنایا۔ کہ پڑھے لکھے یہودیوں کی ایک جماعت صبح کیوقت نبی عربی صلعم پر ایمان لائے۔ اور دن ڈوبنے سے پہلے یہ کہکر اسلام سے بیزاری کا اعلان کردے۔ کہ ہم نے اپنی کتابوں کو خوب دیکھا۔ اور اہل علم سے حضرت محمد صلعم کے بارے میں دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں۔ جنکی صفت توریت اور دُوسری آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ ایسا کرنیسے شاید بعض لوگوں کو شک ہو۔ اور وہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے آبائی دین کیطرف لوٹ جائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اس غرض سے ایک خفیہ جلسہ کیا۔ جسمیں ۱۲ آدمی خیبر کے رہنے والے اس کام کیلئے تیار کیئے۔ جب وہ اس ارادہ سے مجلس نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور اُنہوں نے اپنے ایمان لانیکا شوق ظاہر کیا۔ تو قرآن نے اُنکا راز فاش کردیا۔ اور اُنکی خفیہ کاروائی کو سب پر ظاہر کرتے اور اُنکے مکر کا تار و پود بکھیرنے کیلئے یہ آیت نازل کیگئی۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ ع ۱۶ آل عمران

لہ ابوسعود۔ خازن۔ بیضاوی وغیرہ

کی ایک جماعت نے یہ مشورہ کیا۔ کہ دن نکلتے ہی قرآن پر ایمان لے آؤ۔
اور شام کیوقت اُسکا انکار کردو۔ شاید اس دھوکے سے مسلمان اپنا
دین چھوڑدیں۔ اس آیت کے نازل ہونیسے پہلے مسلمانوں کو اس مشورہ
کا بالکل علم نہ تھا۔ کیونکہ اس کے معلوم ہونیکی دو ہی صورتیں ہوسکتیں
تھیں۔ اوّل یہ کہ یہودی یہ مشورہ سب کے سامنے کرتے۔ اور کسی سے نہ
چھپاتے۔ مگر یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو شخص کسی کو
دہوکا دینا چاہے۔ وہ اپنی کاروائی کے چھپانے میں پُوری کوشش
کرتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے دہوکے اور فریب میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا
دوسری صورت یہ تھی۔ کہ کوئی ایسا جاسوس ہوتا۔ جو اُن کے مجلس کی خفیہ
کارروائیوں سے پیغمبر خدا صلعم کو مطلع اور باخبر کرتا۔ مگر ایسا آدمی بھی
کوئی نظر نہیں آتا۔ اسلیئے اس خبر کا ذریعہ علّام الغیوب کے سوا کوئی اور نہیں
ہوسکتا۔ پھر اس مشورہ کے بارے میں جو کچھ خبر دیگئی۔ وہ بالکل صحیح
اور درست تھی۔ کیونکہ جب اُن کے متعلق قرآن میں یہ اطلاع دیگئی۔ تو
آنے والے یہودیوں میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں ہوا۔ بلکہ وہ شرمندگی
اور ندامت کیساتھ مجلس نبوی سے اُٹھکر چلے گئے۔ اگر وہ اس ارادے
سے نہ آتے۔ بلکہ اسلام کی محبت اُنکو کھینچکر لاتی۔ تو وہ اس واقعہ سے
ضرور اپنی بے تعلقی کا اظہار کرتے۔ اور بغیر ایمان لائے۔ مجلس نبوی
سے نہ اُٹھتے۔ مگر اُنہوں نے ایسا نہ کیا۔ اسلیئے اُنکا ایمان نہ لانا اس امر
کی صریح دلیل ہے۔ کہ وہ آپکی خدمتمیں بُری نیّت سے آئے تھے۔ اور

اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(۳۷) پہلی آسمانی کتابوں خصوصًا توریت اور انجیل میں نبی آخر الزّمان صلعم کے شناخت اور پہچان کی علامات اور نشانیاں تین قسم کی مذکور تھیں۔ (۱) نبی عربی صلعم کا اسم گرامی (۲) اخلاق اور واقعات کے متعلق خاص خاص باتیں (۳) حلیہ شریف خمیسی[1] نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ توریت میں آپ کا نام "مُنحَمنّا" ہے۔ جسکے معنے محمدؐ ہیں۔ اور انجیل میں "فارقلیطا" جو احمدؐ کے ہم معنی ہے۔ کعبُ الاحبار[2] فرماتے ہیں۔ کہ توریت میں حضور کا نام "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا ہے۔ حسن بن محمد الدامغنی نے اپنے کتاب شوق العروس وانس النفوس میں لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کا نام توریت میں "موذ موذ" اور انجیل میں طاب طاب زبور میں فاروق اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں عاقب ہے۔ کعب[3] الاحبار فرماتے ہیں۔ کہ آپ[4] کے اخلاق حمیدہ اور بعض خصوصی حالات کیمتعلق توریت میں یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ محمد اللہ کے سچے رسول اور اُس کے پسندیدہ بندہ ہیں۔ تُند خو اور سخت طبیعت نہیں ہیں۔ نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ بُرائی کا بُرائی کیساتھ بدلہ دینے والے ہیں۔ بلکہ عفو اور درگذر کرنیوالے ہیں۔ اُنکا مولد اور پیدائش کی جگہ مکہ اور ہجرت گاہ مدینہ ہوگا۔ حکومت اُنکی ملک شام میں قائم ہوگی عبداللہ بن سلام[5] سے روایت ہے۔ کہ توریت میں رسول خدا صلعم کی یہ صفت بھی لکھی ہوئی ہے۔ کہ آپکے پاس عیسٰی بن مریم علٰی نبینا وعلیہ السلام

[1] ماخوذ از جمل ص۳ جلد ۲۵ [2] کعب پہلے یہودی مذہب کے عالم تھے۔ بعد میں مسلمان ہوگئے۔
[3] مشکوٰۃ جلد ۱ ص۵۱۰ [4] ابتدا میں یہودیوں کے عالم تھے۔ بعد میں مسلمان ہوئے۔ [5] مشکوٰۃ جلد ۱ ص۵۱۵

مدفون ہونگے۔ توریت[1] میں رسول اللہ صلعم کی ایک نشانی یہ بیان کیگئی کہ آپ شروع میں چند دن بیت المقدس کیطرف نماز میں اپنا رخ کرینگے پھر ہمیشہ کیلئے خانہ کعبہ آپکا قبلہ بنا دیا جاویگا۔ توریت[2] میں آپکا حُلیہ شریف اسطرح بیان کیا گیا ہے۔ خوبصورت چہرہ۔ سر کے بال خوشنما آنکھوں میں قدرتی طور پر سُرمہ کے ڈورے قد درمیانہ مگر جب آپ نے مکہ چھوڑکر مدینہ منورہ میں مُستقل قیام کا ارادہ فرمایا۔ تو یہودی مذہب کے عالمونکو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ عام یہودیوں اور ناواقف لوگوں کو نبی آخرالزمان کی سچی نشانیاں اور اُنکا صحیح حُلیہ بتا دیا گیا۔ تو یہ لوگ ہماری پیروی اور اتباع کو چھوڑکر محمد عربی صلعم کیساتھ لگ جائینگے۔ اور جو فائدے ہمکو متبعین اور عقیدتمندوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب جاتے رہینگے۔ ہماری پیشوائی اور سرداری خاک میں مل جائیگی۔ اسلیئے علماء یہود نے آپکا اصلی حُلیہ توریت سے مٹا کر اُسجگہ یہ لکھدیا۔ دراز قد۔ نیلگوں آنکھیں۔ بال سیدھے۔ جب کوئی اُن کے متبعین میں سے نبی آخرالزمان کا حُلیہ دریافت کرتا۔ تو خود ساختہ حُلیہ پڑھکر سُنا دیتے۔ جو نبی عربی کریم صلعم پر چسپاں نہ ہوتا۔ اور آپکی دوسری نشانیوں اور حالات کو ظاہر نہ کرتے۔ اور بالکل چُھپا لیتے تھے۔ ان کے اس مکروفریب کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن میں دو آیتیں نازل ہوئیں پہلی آیت جن میں یہودیونکی اس تعریف اور حُلیہ شریف کے بدلنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ ع ۹ ان لوگونکا ٹھکانا جہنم ہے۔ جو خدا

[1] تفسیر ابوالسعود جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ [2] تفسیر ابوسعود صفحہ ۱ جلد ۲۸۷

کی کتاب توریت میں اپنی طرف سے ایک بات لکھکر اُس کو اللہ کی جانب منسوب
کرتے ہیں۔ تاکہ اُس کے بدلہ میں دُنیا کا کچھ نفع حاصل کریں۔ اور اس[۱]
بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ یہودی علمار نے نبی آخر الزمان کی دُوسری نشانیونکو
چھپالیا ہے۔ یہ آیت اُتری۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ
وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ۔ یہودیوں
میں سے جو لوگ خدا کی نازل کی ہوئی آیتوں کو چھپاتے۔ اور اُس کے بدلہ میں
دُنیا کا مال کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مال آگ بنجائیگا۔ اسی قسم کی
ایک آیت یہ ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ
لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ نبی آخر الزّمان کو اِن اوصاف کیوجہ
سے جو اُنکی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جانتے ہیں۔ جیسا کہ وہ
اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر انہیں سے ایک فریق حق کو جان بوجھکر چھپاتا
ہے۔ اِن واقعات کے صحیح ہونے اور نبی عربی صلعم کے اصلی نشانات
پر ہم عُلمار یہود کی شہادتیں اور بیانات پیش کر چکے ہیں۔ جو رسول اللہ کی
زندگی میں توریت کی نشانیوں کو دیکھکر مسلمان ہوئے۔ اور آپ کے نبی
آخر الزّمان ہونیکی تصدیق کی۔ اس کے علاوہ بعض ایسے یہودی علمار کی
گواہیاں بھی موجود ہیں۔ جو آخر دم تک ایمان کی دولت سے محروم رہے۔
مگر اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کے نبی مبشّر ہونیکو تسلیم کیا۔ . . . . . .
. . . . ظاہر ہے کہ جس بات کو اُنہوں نے عام یہودیوں سے چھپا
کر رکھا تھا۔ اُس کو مسلمانوں پر کسطرح ظاہر کر سکتے تھے۔ اسلیئے یہ احتمال نکالنا

[۱] ابو السعود صفحہ ۱ حلبہ ۱۸۴۴

کہ شاید علماء یہود نے اِن واقعات کے چھپانے میں پوری احتیاط نہ کی ہوگی۔ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ دوسری طرف رسول خدا صلعم توریت کے مضامین سے بالکل بیخبر تھے۔ نہ خود پڑھنا جانتے تھے۔ اور نہ کبھی کسی نے اس کے مضامین سے آپ کو آگاہ اور مطلع کیا۔ لہٰذا اس ناواقفیت اور بے خبری کے باوجود یہودیوں کی خفیہ چالوں اور پوشیدہ حرکات پر مطلع ہو جانا۔ خدائی خبر اور آسمانی اطلاع کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(۹) جب اُحُد[1] کی لڑائی میں میدان کارزار گرم ہوا۔ تو منافقین کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٍ۔ کیا ہمیں کوئی کامیابی نصیب ہو گی۔ اس کے جواب میں رسول خدا صلعم کو بذریعہ وحی یہ ہدایت کیگئی۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ اے محمدؐ اُن سے کہدیجئے۔ کہ آخری غلبہ اللہ تعالیٰ ہی کیواسطے ہے۔ اور ایک دن اُسی کی جماعت کو غلبہ نصیب ہوگا۔ منافقین اس آیت کو سُنکر ظاہر میں چُپ ہو گئے۔ اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ مگر دل سے اِس بات کی تصدیق نہ کی۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ اگر آخری غلبہ خدا اور اُسکے رسول کیواسطے ہوتا۔ تو ہم میں سے بعض آدمی اسجگہ کیوں قتل ہوتے۔ اگرچہ جنگ شروع ہونیسے پہلے قرآن میں یہ ظاہر کر دیا گیا تھا۔ کہ آج مسلمانوں کو فتح اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ رسول اللہ صلعم کے حکم کے خلاف ورزی نہ کریں مگر اُنہوں نے پہاڑی درّہ کو چھوڑ کر نبی کریم صلعم کی عدول حکمی کی۔ جسکا نتیجہ شکست کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مگر منافقین

[1] ابوالسعود ص۲ جلد ۱۴۱

نے اس شرط کو نظر انداز کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے منافقین کی اس بے اطمینانی کو جو انہوں نے آپس میں ظاہر کی تھی۔ اپنے رسول کو بذریعہ وحی ظاہر کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ انہوں اپنے دلوں میں یہ بات چھپا رکھی ہے۔ جسکو وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر آخری فتح اور کامیابی کا وعدہ ہمارے لیے ہوتا۔ تو ہم کبھی اس جگہ قتل نہ کیے جاتے۔ ظاہر ہے کہ خدا اور اُسکے رسول کے فیصلہ پر منافقین کا بد اعتمادی ظاہر کرنا۔ کبھی مسلمانوں کے سامنے اور کھلم کھلا نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے قتل کر دیئے جاتے۔ اس لیئے اُنکی خفیہ بے اطمینانی اور اس خیال فاسد کا پتہ خدائی خبر کے بغیر کبھی نہیں ہو سکتا۔

(۵/۹۵) جب منافقین کو جنگ اُحد میں شریک ہونے کیلئے کہا گیا۔ تو عبد اللہ[له] ابن ابی اور اُس کے ساتھیوں نے یہ عذر پیش کیا۔ کہ ہم فنون حرب سے بالکل ناواقف ہیں۔ اگر ہم لڑائی کے کرتب جانتے۔ تو تمہارے ساتھ ضرور چلتے اسلیئے ہم مجبور ہیں۔ اور یہ کہکر تین سو منافق اسلامی لشکر سے جدا ہو گئے جنگ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اور ان منافقین میں سے جو لوگ مسلمانوں کے ہمراہ چلے آئے تھے۔ اُن سے چند آدمی مارے گئے۔ اور کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے۔ جب ابن ابی منافق اور اُسکے ساتھیوں کو ان لوگوں کے مرنے کا علم ہوا۔ تو افسوس ظاہر کیا۔ اور یہ کہا۔ کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے۔ اور جسطرح ہم بہانہ کر کے چلے آئے تھے۔ وہ بھی ہمارے

له ابو السعود ص۲ جلد ۱ لم ۵ له ابو السعود ص۲ جلد ۲ لم ۶

ساتھ چلے آتے۔ تو کیوں قتل ہوتے۔ خدا نے منافقین کے اس خیال کو اپنے رسول پر ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا۔ خدا ان لوگوں کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔ جو گھروں میں بیٹھے ہوئے مرنے والے بھائیوں کے حق میں کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری اتباع کرتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ ظاہر ہے۔ کہ منافقین نے یہ بات مسلمانوں کے روبرو ہرگز نہیں کہی۔ اگر وہ مسلمانوں کے سامنے یہ بات کہتے۔ تو وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یَکْتُمُوْنَ۔ کہ جس بات کو وہ چھپاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ اُسکو خوب جانتا ہے۔ اس جملہ پر مسلمان ضرور معترض ہوتے۔ جیسے اُنکی عادت ہے۔ اور منافقین بھی اس اعتراض میں اُن کیساتھ مل جاتے۔ دوسرے جب منافقین نے جنگ میں شریک نہ ہونیکا پہلے یہ عذر بیان کیا تھا۔ کہ ہم قواعد جنگ سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ تو ایسی بات مسلمانوں کے سامنے کب کہہ سکتے تھے۔ جسمیں اُنکا بہانہ کرنا اور جھوٹ بولنا ثابت ہوتا۔ اس لیئے یہ بات ضرور ماننی پڑیگی۔ کہ منافقین نے جو کچھ کہا تھا۔ وہ مسلمانوں سے چھپا کر اور پوشیدہ کہا تھا۔ اور ایسی خفیہ گفتگو اور پوشیدہ راز کی اطلاع نبی کریم صلعم کو بغیر خدا کے بتلانے کبھی نہیں ہوسکتی۔ اس لیئے یہ خبر یقیناً خدا کی بتائی ہوئی تھی۔

پیشینگوئی ۹۶ الرابع۔ حیی بن اخطب۔ مالک بن صیف۔ کعب بن اشرف

۱ ابوسعود صہ ۲ جلد ۲ ۲ ابوسعود صہ ۲ جلد ۲

جیسے یہودی علماء نے نبی عربی صلعم کے اوصاف اور نشانیوں کو جو توریت میں لکھی ہوئی نہیں۔ بدل کر اس کی جگہ اپنی طرف سے چند من گھڑت باتیں لکھدیں۔ جب کوئی شخص نبی آخر الزمان کی علامتیں اور اُن کے اوصاف دریافت کرنے کیلئے اُن کے پاس آتا۔ اور توریت میں لکھی ہوئی نشانیاں پوچھتا۔ تو وہ اپنی بنائی ہوئی عبارت توریت کی آیتوں کیساتھ اسطرح پڑھتے۔ کہ سُننے والا اُسکو توریت کی ایک آیت سمجھتا۔ اور پھر کہتے۔ کہ ہم نے جو کچھ سُنایا ہے۔ وہ خدا کی نازل کردہ کتاب توریت کی آیتیں ہیں۔ اور ایک روائت میں یوں آیا ہے۔ کہ رسول خدا صلعم نے توریت کی چند باتیں یہودیوں سے دریافت کیں۔ مگر اُنہوں نے حق بات کے ظاہر کرنے سے گریز کیا۔ اور اپنی طرف سے چند جھوٹی اور غلط باتیں بناکر توریت کی طرف منسوب کردیں۔ اور اُنکو اسے طرح پڑھکر سُنایا جس سے اُس کے کلام الٰہی اور توریت کی ایک آیت[1] ہونیکا دھوکا ہونیگا۔ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہودیوں کی شرارت اور اصل حقیقت سے مطلع اور خبردار کرنیکے لیئے یہ نازل فرمائی۔ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ یعنی یہودیوں کی ایک جماعت ایسی ہے۔ جو اپنی طرف سے ایک بات لکھتی ہے۔ اور پھر اُسکو توریت کے ساتھ ملاکر اسطرح پڑھتی ہے۔ جس سے تم سمجھنے لگتے ہو۔ کہ یہ بھی توریت

[1] ابو سعود ص۳ جلد۱

کی ایک آیت ہے۔ باوجودیکہ وہ توریت کی آیت نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ
جانتے ہیں۔ کہ یہ خدا کیطرف سے نہیں ہے۔ مگر پھر جھوٹ بولتے ہیں۔ اور
اُنکو خدا کا کلام بناتے ہیں۔ یہ دہوکا اور فریب جو یہودیوں نے مسلمانوں
کو دینا چاہا۔ اور انسانی کلام کو خدا کیطرف منسوب کرنیکی کوشش کی
یقیناً اُنہوں نے پہلے سے اُسکا مواد مسلمانوں سے چھپا کر پوشیدہ طور پر
اکٹھا کیا تھا۔ اگر اس تحریف کا علم مسلمانوں کو ہوتا۔ تو یہودی اُنکو دہوکا
دینے کی کبھی جرأت نہ کرتے۔ اور توریت کیطرح اُسکو پڑھکر نہ سُناتے
خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہونیکے باوجود کسی انسان کو ایسی پوشیدہ
باتوں کی اطلاع وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اسلیئے معلوم ہوا۔
کہ یہ خبر خدا کی بتائی ہوئی تھی۔

(۳) ابوسفیان[۱] نے جنگ اُحد سے واپس ہوتے ہوئے پکار کر یہ کہا
کہ آئندہ سال ہمارے اور تمہارے درمیان بدر کے مقام پر لڑائی ہوگی
مسلمانوں نے اِس اعلان کو منظور کرلیا۔ جب ایک سال بعد بدر میں
جمع ہونیکا دن آیا۔ تو ابوسفیان لڑائی کے ارادہ سے بدر کیطرف روانہ ہوا۔
جب وہ مرظہران میں پہنچا۔ جو مکہ اور بدر کے درمیان ایک جگہ ہے۔ تو مسلمانوں
کا رُعب اور ہیبت الٰہی اُسکے دل پر ایسی چھا گئی۔ کہ اُس کو ایک قدم
آگے بڑھنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ اتفاق سے ایک جماعت بنی عبد قیس کی
یا نعیم ابن مسعود اشجعی مدینہ کیطرف جارہا تھا۔ ابوسفیان نے اُسکو کچھ
اُجرت دی۔ اور یہ کہا۔ کہ مدینہ پہنچکر مسلمانوں سے کہنا۔ کہ ابوسفیان ایک زبردست لشکر
لیکر تم سے لڑنے کیلئے آرہا ہے۔ تمہاری جان کی خیر . . . . . .

[۱] ابو سعود ص۳ جلد۳ ص۴۲ ۵۲ مدارک و ابن کثیر

نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ تم اُن سے لڑنے کے لیئے نہ جاؤ۔ اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ اُسوقت خداوند تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ خبر دی۔ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ یہ شیطان ہے۔ جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈرانا چاہتا ہے۔ تم اُن سے ہرگز نہ ڈرو۔ اور میرا خوف اپنے دل میں رکھو۔ اس آیت میں صاف بتادیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ اُس کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض تمہیں ڈرانے کیلئے جھوٹی باتیں بنا رہا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلعم مسلمانوں کا لشکر لیکر بدر کے میدان میں جا اُترے۔ اور آٹھ دن تک وہاں رہے[۱] مگر ابوسفیان نے صورت تک نہ دکھائی۔ ظاہر ہے۔ کہ جب ابوسفیان اپنے آدمی کو مسلمانوں کے ڈرانے بھیج رہا تھا۔ تو اُسوقت ان میں سے ایک آدمی بھی اس کے پاس نہ تھا۔ اس واسطے مسلمانوں کیلئے خدا کی خبر کے علاوہ اس واقعہ سے مطلع ہونیکا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔

(۸ھ/۴)[۲] حیی بن اخطب خیبری اور کعب بن اشرف ستر یہودی سواروں کو لیکر مکّہ میں پہنچے۔ اور سرداران مکّہ کو جمع کرکے رسول خدا صلعم کیخلاف جنگ کرنیپر اُن سے عہد و پیماں کرنے لگے۔ اہل مکّہ نے کہا۔ کہ تم اور مسلمان دونوں اہل کتاب ہو جو خیال تمہیں اُنکا ہوگا۔ وہ ہمارا نہیں ہوسکتا۔ اسلیئے جبتک تم ہمارے معبودوں کو سجدہ نہیں کروگے اس وقت تک ہم تمہارا اعتبار نہیں کرسکتے۔ یہودیوں نے بتوں کے آگے سر رکھدیا۔ اور اس کے بعد دونوں جماعتوں نے معاہدہ پر دستخط

[۱] ابن خلدون [۲] تفسیر ابوسعود صـ۳ جلد ۱۷۲

کردیئے۔ اسی اثناء میں ابوسفیان نے کعب بن اشرف سے پوچھا۔ کہ محمد صلعم توحید کیطرف بلاتے ہیں۔ اور شرک سے منع کرتے ہیں۔ ہم لوگ بیت اللہ کی دربانی کرتے۔ اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اور مہمان نواز ہیں۔ ہم دونوں میں ہدایت اور راستی پر کون ہے۔ کعب نے جواب دیا۔ کہ تم صحیح راستہ پر ہو۔ مدینہ سے دو سو میل فاصلہ پر اسلام کی دو مخالف جماعتوں میں گفتگو ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا کوئی آدمی اس مجلس میں موجود نہیں ہے۔ مگر اس واقعہ کو ظاہر کرنے کیلئے پیغمبر خدا صلعم کی زبان مبارک پر قرآن کے یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰؤُلَاءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا۔ پ ۵ ع ۶ کیا آپ اُن لوگوں کو نہیں دیکھتے۔ جو توریت کا علم رکھنے کے باوجود بتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اُنکو سجدہ کرتے ہیں۔ مشرکین کو ایمانداروں سے اچھا بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ اسقدر دوری کے باوجود اس واقعہ کے ظاہر ہونیکا ذریعہ خدائی خبر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۹۹) جب[۵۱] سردار دوجہاں صلعم منافقین کو کسی کام کے کرنیکا حکم فرماتے۔ تو وہ اُسکو خوشی سے قبول کر لیتے۔ اور اُس پر اپنی رضامندی ظاہر کرتے۔ لیکن جب مجلس نبوی سے باہر نکلتے۔ اور مسلمانوں سے الگ ہوتے۔ تو اُنکی مخالفت کرتے۔ اور فرمان نبوی سے منہ موڑ لیتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی اس دورنگی اور منافقانہ چال کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔ یَقُوْلُوْنَ طَاعَۃٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ غَیْرَ الَّذِیْ

[۵۱] ابوالسعود ص ۳ جلد ۲ بیضاوی

تَقُوْلُ وَاللّٰہُ یَکْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ نسا ع ۸ ۔ جب آپ کے پاس رہتے ہیں تو فرمانبرداری کا وعدہ کرتے ہیں۔ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں۔ تو اُن ہی سے ایک جماعت آپ کے فرمانیکے خلاف آپس ہیں مشورہ اور تدبیریں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے مشوروں کو لکھتا۔ اور آپ کو اُن سے مطلع کرتا ہے۔ جب منافقین رسول خدا صلعم کی خدمت اقدس میں کسی بات کا اقرار کرکے آتے تھے۔ تو وہ مسلمانوں کے روبرو اس کیخلاف کبھی نہیں کہہ سکتے تھے اس لئے جو کچھ وہ کہتے تھے۔ یقیناً تنہائی میں اور مسلمانوں سے چھپا کر کہتے تھے۔ لہٰذا بغیر کسی ظاہری ذریعے کے ایک چھپی ہوئی بات کی خبر دینا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۲) طعمہ[1] بن ابیرق منافق نے زرہ چوری کرکے ایک یہودی کے پاس چھپادی۔ مسلمانوں نے نشان لگاتے لگاتے یہودی کو جا پکڑا۔ یہودی نے کہا۔ کہ طعمہ میرے پاس زرہ امانت کے طور پر رکھ گیا ہے۔ اور بخدا میں نے چوری نہیں کی۔ جب یہودی نے اپنی براۃ پیش کردی۔ تو مسلمانوں نے طعمہ کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا۔ طعمہ کے رشتہ داروں اور اسکی جماعت کے دوسرے منافقین نے رات کو یہ مشورہ کیا۔ کہ صبح مجلس نبوی میں جاکر طعمہ کے بیگناہ ہونے پر قسمیں کھائیں۔ اور چوری کا الزام جسطرح بھی ہو۔ یہودی کے سر مڑھیں۔ رات کو یہ مشورہ ہوا۔ صبح سویرے آپکی خدمت میں حاضر ہونیسے پہلے نبی کریم صلعم کو تمام واقعہ کی بذریعہ وحی اطلاع ہوگئی۔ اور آپ پر یہ آیت نازل ہوئی یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا

[1] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۴

یُرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ۱۴ع۔ وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ اور خدا سے نہیں چھپاتے۔ باوجودیکہ وہ اسوقت بھی ان کیساتھ تھا۔ جب وہ ایک بیگناہ کو پھنسانے کا مشورہ کر رہے تھے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں خداتعالٰی کے احاطۂ علمی سے وہ چیز باہر نہیں ہے۔ خدائی اطلاع کے بغیر اس مشورہ سے واقف ہونیکا کوئی ذریعہ مسلمانوں کے پاس نہیں تھا۔ اسلیئے معلوم ہُوا۔ کہ یہ خبر بھی خدا ہی کی بتائی ہوئی ہے۔

(۱۰۱) جب کسی جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوتی۔ اور اُنکو مال غنیمت حاصل ہوتا۔ تو منافقین کہتے۔ کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں۔ اس مال میں ہمارا بھی حصّہ ہونا چاہیئے۔ اور جب کفّاروں کا غلبہ ہوتا۔ تو اُن سے یہ کہتے کہ تمہیں کامیابی اسلیئے نصیب ہوئی ہے۔ کہ ہم نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اگر ہم اُن کے دوش بدوش ہو کر تم سے لڑتے۔ تو تمہیں کبھی فتح حاصل نہ ہوتی۔ ہم نے مسلمانوں کا ساتھ اسلیئے چھوڑا تھا۔ کہ تمہیں اُن کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہو۔ لہٰذا جو کچھ لڑائی میں مال و دولت تمہیں ملی ہے۔ اسمیں ہمارا بھی حصّہ ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۱۷ع۔ اگر تمہاری فتح ہوتی ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ اور اگر کافروں کو کامیابی حاصل ہو جائے۔ تو اُنسے کہتے۔ کہ اگر تم مسلمانوں کیساتھ جنگ میں شریک رہتے۔ تو کیا ہم تم پر غالب نہ آتے۔ اور

کیا ہم نے مسلمانوں کو تمپر کامیاب ہونیسے نہیں روکا۔ ظاہر ہے۔ کہ منافقین نے مسلمانوں سے جو کچھ کہا۔ وہ اُنکے رُو برو نہیں کہا اور کفار ول کیساتھ اُن کی گفتگو مسلمانوں کی موجودگی میں نہ تھی۔ لہٰذا ایسی پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننا۔ جبکہ خبر رسانی کا ذریعہ موجود نہ تھا۔ خدائی خبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(١٢/١٠٢) تورات[۵۱] میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم اور سنگسار کرنا لکھی ہوئی تھی۔ لیکن علماء یہود نے شرفاء اور دولتمندوں کیلئے تورات کے خلاف یہ سزا اپنی طرفسے تجویز کی۔ کہ زانی مرد عورت کا منہ کالا کر کے اُس کی بازار میں تشہیر کیجائے۔ اور دو چار کوڑے مار کر چھوڑ دیا جائے۔ اور اس حکم کو تورات کیطرف منسوب کرتے اور رجم سے انکار کرتے تھے۔ اتفاقاً کسی زمانہ میں خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شریف مرد اور عورت نے زنا کیا جسکی سب کو خبر ہوگئی۔ یہودی علماء نے ان دونوں کا مقدمہ پیغمبر خدا صلعم کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور یہ تاکید کی۔ کہ اگر وہ رجم کا حکم دیں۔ تو ہرگز نہ ماننا۔ اگر رسوائی کی سزا تجویز کریں۔ تو چنداں مضائقہ نہیں ہے۔ جب ایک جماعت یہودیوں کی ان دونوں کو لیکر رسول خدا صلعم کی خدمت اقدس میں پہنچی اور آپ سے اس کے متعلق تورات سے فیصلہ چاہا۔ تو آپنے اُن کو رجم اور سنگسار کرنیکا حکم فرمایا۔ یہودیوں نے اُس کے ماننے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا۔ کہ تورات میں زانی کی یہ سزا نہیں ہے۔ اُسمیں کالا منہ کر کے رسوا کرنا زانی کی سزا لکھی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم ابن صوریا کو جو فدک میں رہتا ہے۔ جانتے ہو۔ یہودیوں نے جواب دیا۔ کہ ہم اُسکو اچھی طرح جانتے ہیں۔

۵۱ تفسیر ابو السعود جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ و تفسیر کبیر صفحہ ۳ جلد ۲۰۴

وہ یہودی مذہب کا زبردست عالم ہے۔ آج اس سے بڑھکر ہمارے
مذہب کا جاننے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں اس بات کا فیصلہ کرنے
کیلئے کہ رجم کا حکم توریت میں ہے یا نہیں۔ ابن صوریا کو تجویز کرتا ہوں
یہودیوں نے بخوشی منظور کیا۔ اور آپ کیساتھ ابن صوریا کے پاس پہنچے
رسول خدا صلعم نے ابن صوریا سے کہا۔ تجھے اُس خدا کی قسم جس نے موسیٰ
علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی۔ بنی اسرائیل کو دریائے نیل سے نجات
دی۔ اور فرعون کو غرق کیا۔ توریت میں شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے
ابن صوریا نے جواب دیا۔ کہ ایسے مرد عورت کی سزا توریت میں رجم کرنا لکھی
ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ سزائیں بتائی جاتی ہیں۔ وہ یہودیوں کی تجویز کردہ ہیں
خدا کا حکم ہرگز نہیں ہے۔ جاہل یہودی ابن صوریا کے پیچھے لگ گئے۔ اور
اُس کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ ابن صوریا نے جو بات اُن سے کہی۔ وہ یہ تھی
کہ میں توریت کی نشانیوں کیوجہ سے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کہ نبی آخر الزمان
یہی ہیں۔ اگر میں ان کے سامنے جھوٹ بولتا۔ تو فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔
یہودیوں کی خفیہ تحریف اور تبدیلی کی خبر دینا اور بغیر پڑھے یا کسی سے
سُنے ہوئے یہ بتا دینا۔ کہ توریت کا حکم رجم ہے۔ اور رسوا کرنا زانی کی
سزا توریت میں نہیں ہے۔ بغیر خدا کی اطلاع کے نہیں ہو سکتا۔

(۱۳ / ۱۰۳) اہلِ کتاب کے سامنے قرآن عزیز کی سچائی پر تین چیزیں پیش کی
گئیں۔ اولاً یہ کہا گیا۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْآنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَکْثَرَ
الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۔ ع ۔ قرآن کریم بہت سی ایسی باتیں

۱۵ تفسیر ابوالسعود صہ ۴ جلد ۲۳۸

کو صاف اور واضح کرکے بیان کرتا ہے۔ جسمیں بنی اسرائیل مدت سے اختلاف
کرتے چلے آرہے تھے۔ اور حالت مشتبہ ہونیکی وجہ سے کوئی بات اُن پر
ابھی تک واضح نہیں ہوئی تھی۔ جیساکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارے
میں یہود اور نصاریٰ دونوں جماعتیں مختلف رائے رکھتی تھیں۔ یہود اُن
کو جھوٹا اور نصرانی اُنکو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مگر قرآن نے ان دونوں
عقیدوں کی سخت مخالفت کی۔ اُنکو خدا کا بندہ اور برگزیدہ رسول بتایا۔ اُنکی
ماں کو پاک دامن اور صدیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے مانا۔
یہ ایسا صاف اور کھلا ہوا عقیدہ تھا۔ کہ اس زمانہ کے یہود و نصاریٰ
اگرچہ زبانی اسکی صحت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ مگر اُن کے دل اس فیصلہ
کی سچائی کو تسلیم کر رہے تھے۔ معتبر تاریخیں اور قدیم کتبے اسکی تائید میں تھے
اصلی توریت اور غیر محرف انجیلیں اس کی گواہ تھیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب
رسول خدا صلعم کیخدمت میں نجران سے آئے ہوئے نصرانی علماء نے حضرت
عیسیٰؑ کے متعلق اس عقیدے کے تسلیم کرنیسے انکار کیا۔ اور آپنے اُن کو
اس پر مباہلہ کی دعوت دی۔ اور یہ کہا۔ کہ دونوں جماعتیں مل کر یہ دعا کریں
کہ جو فریق اپنے دعویٰ اور عقیدے میں جھوٹا ہو۔ وہ تباہ و برباد کر دیا
جائے۔ تو علماءِ نصاریٰ اُس کیلئے تیار نہ ہوئے۔ اور قسم کے بدلے
میں جزیہ اور ٹیکس سالانہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ اسی طرح جب جعفر بن طالب
حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہونچے۔ جو مذہبا عیسائی ہونیکے علاوہ
اپنے مذہب سے اچھی طرح واقف تھا۔ تو آپنے نجاشی کی درخواست پر سورۂ

لہ ابن کثیر لہ تاریخ ہر روضۃ الصفا۔ ابن ہشام وغیرہ

مریم تلاوت فرمائی۔ اس سورۃ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق اسلامی عقیدہ کو کھولکر بیان کیا گیا تھا۔ اس نے یہ ساری سورۃ سُننے کے بعد اس امر کی تصدیق کی۔ کہ حضرت عیسٰی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ پھر اس کے بعد پیغمبر خدا صلعم نے ایک گرامی نامہ نجاشی کے پاس بھیجا ہے۔ جسمیں حضرت عیسٰی کے متعلق اسلامی عقیدہ کو بھی آپنے ظاہر فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں نجاشی نے جو عریضہ رسول اللہ صلعم کی خدمت اقدس میں لکھا ہے۔ اس میں اس عقیدہ کے صحیح اور درست ہونیکا اس طرح اقرار کیا ہے۔ اما بعد فقد بلغني كتابك يا رسول الله فما ذكرت من أمر عيسى فورب السماء والأرض ما نزيد يا ولى على ما ذكرت اقرر كما قلت يا رسول الله۔ آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ حضرت عیسٰی کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ آسمان اور زمین کے مالک کی قسم میں اسپر ایک حرف اپنی رائے سے بڑھانے کیلیے تیار نہیں ہوں۔ اور وہ سب کا سب درست اور صحیح ہے۔ دوسری بات جو اہل کتاب کے سامنے قرآن کی سچائی میں پیش کیگئی وہ یہ تھی۔ يا أهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم كثيرا مما كنتم تخفون من الكتاب الخ۔ تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آگیا جس نے توریت و انجیل کی بہت سی وہ باتیں ظاہر کی ہیں۔ جن کو تم نے لوگوں سے چھپا لیا تھا۔ رسول خدا صلعم کے اوصاف اور نشانیوں کے علاوہ انہوں نے بہت سے احکام چھپا رکھے تھے۔ لوگوں کی امانتیں ہضم کر جاتے۔ اور ان سے

له ابن خلدون

قرض لیکر نہ دیتے۔ اور جب اُن سے مطالبہ کیا جاتا۔ تو کہتے۔ کہ دوسرے
مذہب والوں کی امانتوں کے ادا کرنیکا توریت میں کوئی حکم نہیں ہے بعض
یہودی علمار نے زانی کی اصلی سزا کو توریت سے مٹا کر اس کی جگہ دوسری
سزا لکھدی۔ اور بعضوں نے رجم اور سنگسار کرنیکا حکم چھپا لیا چنانچہ
ایک مرتبہ[1] چند یہودی زانی کی سزا دریافت کرنے کیلئے رسول اللہ صلعم
کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مجلس میں عبداللہ بن سلام بھی موجود تھے
جو یہودی مذہب کے زبردست عالم اور مسلمان ہو چکے تھے۔ حضور نے
فرمایا۔ کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ یہودیوں نے کہا۔ کہ توریت
میں زانی کی سزا سنگسار کرنا نہیں لکھی۔ فیصلہ کیلئے توریت منگائی گئی
جس صفحہ پر زانی کی سزا رجم لکھی ہوئی تھی۔ اس آیت پر یہودیوں نے
ہاتھ رکھ لیا۔ عبداللہ رضؓ بن سلام نے فرمایا۔ کہ ہاتھ اُٹھاؤ۔ جب ہاتھ اُٹھایا
تو اسمیں وہی حکم لکھا ہوا تھا۔ جو حضور نے ارشاد فرمایا تھا۔ تیسری دلیل
قرآن کی سچائی پر یہ تھی۔ وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ
الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ یہ مبارک کتاب جو ہم نے نازل کی ہے۔ پہلی
آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی جب اس میں بیان کردہ
دینی اصول اور عقیدے پہلی آسمانی کتابوں کے موافق ہیں۔ اور جو
تعلیم قدیم الایام سے انبیا علیہم السلام کی چلی آرہی ہے۔ یہ کتاب
اُسی کی موید اور تصدیق کرنے والی ہے۔ تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ یا
جو باتیں پہلے نبیوں کی تعلیم سے پوری واقفیت حاصل کرنیکے بعد معلوم

[1] مشکوٰۃ جلد ۳۰۹

ہوتی ہیں۔ یا انبیاء علیہم السّلام کے سوا کسی کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا۔ جب یہ کتاب ایسی علمی نکتوں اور پرانے تاریخی حالات کی صحیح خبر دیتی ہے۔ تو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کیونکر شک ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حالات جس شخص کے زبان سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ ایک اَن پڑھ اُمّی محض ہے۔ تعلیمی خوبیوں سے معرّا دُنیا کی تاریخوں سے بالکل بے خبر ہے۔ انبیا کے حالات بالکل صحیح اور درُست بیان کرتا ہے۔ یہ بات بغیر تائید آسمانی اور خدائی خبر کے ایسے شخص کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پہلی آسمانی کتابوں کی جن باتوں میں قرآن عزیز نے تصدیق کی ہے۔ ہم آئندہ اِس پر ایک مستقل باب میں تبصرہ کریں گے۔ یہاں صرف ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہودیوں نے نبی عربی صلعم کی نبوّت کو جانچنے کیلئے آپس میں مشورہ کیا۔ کہ ہم اِن سے ایسی تین باتوں کا سوال کرتے ہیں۔ کہ جسکو نبی کے علاوہ کوئی دُوسرا آدمی نہیں جانتا۔ اور یہ کہا کہ اگر اُنہوں نے دو باتوں کا جواب دیدیا اور ایک بات کا صاف طور پر جواب نہ دیا۔ تو یہ سچے نبی ہیں۔ کیونکہ اللہ نے ایسی بات کا کسی کو بھی صحیح پتہ نہیں دیا۔ چنانچہ یہ مشورہ کرنے کے بعد یہ لوگ پیغمبر خدا صلعم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور سکندر ذوالقرنین اور اصحابِ کہف کا قصہ حضور سے پوچھا۔ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جسمیں ان دونوں کا قصہ مفصلاً ذکر کیا گیا تھا۔ تیسری بات جس کے متعلق اُنہیں جواب لینا نہیں تھا۔ وہ روح تھی۔ اِس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

[1] بیضاوی۔ ابو السعود جلد ۳ ص ۵ ملا

ہر بی۔ یہ لوگ روح کے بارے میں آپسے سوال کرتے ہیں۔ اُنسے کہدیجئے
کہ روح امور الہیہ میں سے ایک امر ہے۔ اس میں روح کی حقیقت واضح کر کے
بیان نہیں کیگئی۔ بلکہ اُسکو مبہم رکھا ہے۔ اور توریت[لہ] میں بھی اس کا ذکر
مبہم ہی آیا ہے۔ اور یہودیوں نے جو آپ کے جانچنے کا معیار اپنی نظر میں
مقرر کیا تھا۔ وہ پورا ہوا۔ اور آپ کا بغیر پڑھے اور کسی سے سنے ہوئے پہلی
آسمانی کتابوں کے موافق سکندر اعظم اور اصحاب کہف کا صحیح قصہ بیان
کر دینا اس کتاب کے کلام الٰہی ہونیکی درست دلیل ہے۔

(۱۴۱) ابن عباس[لہ] فرماتے ہیں۔ کہ منافقین کی ایک جماعت نے اپنی مجلس میں
پیغمبر خدا صلعم کی شان میں گستاخی کی۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔ مبادا
ان باتوں کی آپ کو اطلاع نہ ہو جائے۔ جلاس بن سوید منافق بولا۔ کہ اگر
اُن کو خبر ہو گئی۔ تو ہم قسمیں کھا لیں گے۔ اور وہ قسموں کا اعتبار کر لیا
کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ اور آپ پر
اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ
يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔ یعنی منافقین میں سے بعض ایسے ہیں جو رسول اللہ کو ایذا اور
تکلیف دیتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں۔ کہ وہ کانوں کے کچے ہیں۔ جب ہم
اُنسے اپنا بری ہونا ظاہر کریں گے۔ تو وہ فوراً اُسکا اعتبار کر لیں گے۔
ظاہر ہے۔ کہ منافقین نے نبی کریم صلعم کی شان میں گستاخی کا کوئی کلمہ
مسلمانوں کے سامنے ہرگز نہیں کہا۔ اسلیئے رسول اللہ صلعم کا ایسی چھپی
ہوئی بات سے واقف ہو جانا۔ خدا تعالیٰ کے اطلاع بغیر ناممکن ہے۔ اسیوجہ

لہ ابو السعود صـ۶ جلد ۵ صـ۵ لہ تفسیر کبیر جلد ۵ صـ۶۵

سے جلاس بن سوید اس آیت کے نازل ہونیکے بعد اپنی خطاء پہ نادم ہوا اور سچا مسلمان بنگیا۔

(۵۴۱) تبوک سے واپس آتے ہوئے منافقین کی ایک جماعت نے جن کی تعداد ۱۴ یا ۱۵ تھی۔ رات کیوقت اندھیرے میں نبی کریم صلعم پہ حملہ کرنا چاہا۔ اور وہ اس ناپاک ارادے سے رات کے وقت کپڑا منہ پہ لپیٹے ہوئے پہاڑ کی ایک گھاٹی سے نکلے۔ مگر عمار بن یاسر حضور کے اونٹ کی مُہار پکڑے ہوئے اور حذیفہ رضؓ آپ کی سواری کو پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ حذیفہ نے اپنے پیچھے اونٹوں کے پاؤں کی رفتار اور ہتھیاروں کی جھنکار سُنی تو ادہر متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ کچھ آدمی منہ چھپائے حضور کیطرف بڑھ رہے ہیں۔ حذیفہ نے للکار کر ڈانٹ بتائی۔ منافقین ان کی آواز سُنتے ہی بھاگ گئے۔ اور مسلمانو میں جا ملے۔ آپ نے حذیفہ سے پوچھا۔ کہ تم نے اِن لوگوں کو پہچانا ہے۔ اُنہوں نے عرض کی۔ کہ نہیں۔ قرآن میں یہ بات ظاہر کرنیکیلئے کہ حملہ کرنیوالے آپ کے لشکر کے منافقین تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ ھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا (ت ۱۰ ع ۱۰) منافقین نے ایسی باتوں کا ارادہ کیا تھا۔ جسکو وہ حاصل نہیں کر سکے۔

ایک[۱] روایت میں ہے۔ کہ خدا کے فرشتہ جبرئیل نے ان لوگوں کے نام رسول اللہ صلعم کو بتا دیئے تھے۔

باوجودیکہ مسلمانوں ہی کے لشکر میں سے جن پہ پورا اعتماد تھا۔ ایک جماعت آپ پہ حملہ کرنا چاہتی تھی۔ اور آپکا ساتھی اُنکی شناخت بھی نہ کر سکا۔ لیکن وثوق

[۱] تفسیر کبیر صلہ۔ ابن کثیر صلہ تفسیر کبیر صلہ

اور پختگی کیساتھ یہ خبر دی جاتی ہے۔ کہ حملہ آور آپ کے ہمراہی منافقین تھے اور اسطرف سے سوائے سکوت اور اظہار ندامت کے اس کی تردید بھی نہیں ہوتی۔ اسلیئے معلوم ہوا۔ کہ اُن کے متعلق جو کچھ خبر دیگئی۔ وہ بالکل صحیح تھی۔ اور مسلمانونکو وحی کے نازل ہونیسے پہلے حملہ آورونکا بالکل علم نہ تھا۔ وحی نازل ہونیکے بعد اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ آیت کے نازل ہونے تک خاموش رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ ازیں حذیفہ نے شناخت کرنیسے انکار کر دیا تھا۔ اور حملہ آور نبی علیہ السلام کے سامنے تک نہیں آئے تھے۔ جو وہ پہچان لیتے۔ اسلیئے اس واقعہ کی اطلاع دینے والا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دُوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۱۰۶) سنہ ۹ھ کے شروع میں طائف سے واپس ہونیکے بعد رسولخدا صلعم نے چند ماہ مدینہ میں قیام فرمایا۔ زمانہ قیام میں رُوم کے بادشاہ ہرقل کیطرف سے آپکو یہ خبریں پہونچنے لگیں۔ کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنیکی تیاری کر رہا ہے۔

آپ نے ان خبروں سے متاثر ہو کر رجب سنہ ۹ھ میں رومیوں پر جہاد کرنے اور حملہ کی تیاری کا حکم دیا۔ گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ کھجوروں کی فصل تیار تھی۔ سفر دور دراز کا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی حالت نہایت درجہ ضعیف اور کمزور اور مقابلہ میں ایک بڑا زبردست اور طاقتور دُشمن سامنے تھا۔ یہ اسباب قدرتی طور پر ایسے جمع ہو گئے تھے۔ جو اس جنگ میں شریک ہونیسے روک رہے تھے۔ منافقین ان مصیبتوں کیوجہ سے خصوصاً اس خیال سے

ـــــــــــــــــــ
لے ابن خلدون۔ تفسیر کبیر صلہ جلد ۲

کہ قوی دشمن سامنے ہے۔ اس لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے عدم استطاعت اور شرکت کی طاقت نہ رکھنے کا بہانہ کرکے رسول خدا صلعم سے گھر رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ رسول اللہ صلعم مسلمانوں کو لیکر تبوک کیطرف روانہ ہوئے۔ اور دو مہینہ تک مدینہ سے غائب رہے۔ پیچھے منافقین نے آپ کیساتھ نہ جانے پر خوشی کی۔ اور یہ کہا۔ کہ اس جنگ میں شریک ہونے سے سوائے گرمی میں مرنے اور جان و مال کا نقصان کرنے کے کچھ حاصل نہ تھا۔ اسلیئے اچھا ہؤا کہ ہم اسمیں شریک نہ ہوسکے خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس واقعہ کی خبر دی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۔ع ۔ منافقین جہاد میں شریک نہ ہونیسے رسول اللہ صلعم کے جانے کے بعد بہت خوش ہوئے۔ اور اُنہوں نے اللہ کے راستہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنا مکروہ خیال کیا۔ اور گرمی کیوجہ سے جنگ میں جانیسے لوگوں کو روکا۔ منافقین یہ باتیں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلعم اُن سے کوسوں دور ہیں۔ کوئی مسلمان اُن کے پاس نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی خبر دینے والا خدا کے سوا کون تھا۔

اس واقعہ کے صحیح ہونے کی اس بات سے تائید ہوتی ہے۔ کہ جب نبی اکرم صلعم سفر سے واپس تشریف لائے۔ اور منافقین کو اس بات کا

علم ہوا۔ کہ ہم نے جو باتیں آپس میں سمجھکر کی تھیں۔ اُس کی خبر مسلمانو
ہو گئی ہے۔ تو اُنہوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آکر قسم
کھائی۔ کہ ہمارا جنگ میں شریک نہ ہونا محض اسی وجہ سے تھا۔ کہ ہم
لڑائی میں جانیکی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب قرآن نے یہ راز بھی
فاش کر دیا۔ اور صاف طور پر بتا دیا۔ کہ یہ لوگ جھوٹی قسم کھا رہے
ہیں۔ اور حقیقت میں اُن کے شریک نہ ہونیکی وہ وجہ تھی۔ تو بیان کیگئی
تو اُن کو سخت ندامت ہوئی۔ اور اُنہوں نے معذرت کے طور پر کہا۔ کہ اگر
اب کوئی جنگ ہوگا۔ تو ہم ضرور شریک ہونگے۔ جیسا کہ اُسکی اگلی آیت
سے ظاہر ہے۔

منافقین کا ندامت کے بعد دوسری جنگ میں شریک ہونے کیلئے تیار
ہونا اس بات کو بتا رہا ہے۔ کہ اُنہوں نے ابھی تک لڑائی میں شریک نہ ہونیپر
جو عذر طاقت نہ رکھنے کا بیان کیا تھا۔ وہ سراسر جھوٹ اور غلط تھا۔ کیونکہ
اگر اُنکا یہ عذر صحیح تھا۔ تو تھوڑی دیر بعد وہ عذر کہاں جاتا رہا۔ اور اُنکو
جنگ میں شریک ہونیکی طاقت کس جگہ سے حاصل ہو گئی۔ جو وہ آئندہ
لڑائی میں جانے کیواسطے تیار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اُنہوں نے
عدم استطاعت کا جو عذر کیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اور جو قرآن نے خبر
دی تھی۔ وہ بالکل صحیح اور درست تھی۔

(۱۰۷) مدینہ میں رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری سے پہلے ایک شخص ابو
عامر نامی عیسائی مذہب کا راہب یا تارک الدنیا رہتا تھا۔ لوگ اُس کی عزت

کرتے۔ اور ہر وقت اُس کی خدمت گذاری میں رہتے تھے۔ جب پیغمبر خدا صلعم مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے۔ تو لوگوں نے ابو عامر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور کوئی شخص اُس کی مجلس میں نہ جاتا۔ اُس کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ اور اُس نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی۔ کہ جبتک رسول خدا صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکالوں گا۔ چین سے نہ بیٹھونگا وہ یہ خیال لیکر مدینہ سے نکلا اور کچھ عرصہ تک وہاں سے غائب رہا۔

لیکن جب سنہ ۳ھ میں اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان اُحُد کی لڑائی ہوئی۔ تو ابو عامر کافروں کیساتھ تھا۔ اس کے بعد وہ ہر جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آتا رہا۔ یہانتک جب سنہ ۸ھ میں اہل ہوازن کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ تو اُس نے ارادہ کیا۔ کہ ملک شام جاکر رُوم کے بادشاہ ہرقل سے مدد لے اور بہت سی فوج ہمراہ لاکر مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرے۔

شام کیطرف جانے سے پہلے بعض منافقین کو جو قبا میں رہتے تھے۔ کہلا بھیجا کہ تم مسجد کے نام سے ایک مکان تیار کرو۔ اور میں شام سے فوج لینے کے واسطے جا رہا ہوں۔ میں تم سے واپسی کے بعد اسی مسجد میں ملونگا میرے ساتھ چند آدمی اور بھی ہونگے۔ ہتھیار اور لڑائی کا دوسرا سامان جسقدر تم سے ہو سکے۔ وہ اپنے پاس جمع رکھنا۔ اس اطلاع کے بعد منافقین نے جن کی تعداد ۱۲ آدمی تھی۔ مسلمانوں کی مسجد کے پاس ایک اور مسجد کی بنیاد رکھی۔ جب وہ بنکر تیار ہو گئی۔ تو منافقین رسول اللہ صلعم کی خدمت

اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور یہ عرض کی۔ کہ مسجد بالکل مکمل ہوگئی ہے۔ آپ برکت کیلئے ایکمرتبہ نماز ادا فرمادیں۔ پھر عام مسلمانوں کو اسمیں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاویگی۔ منافقین رسول خدا صلعم سے نماز اس مسجد میں اسلیئے ادا کرانا چاہتے تھے۔ کہ مسلمانونکو اُن کی نسبت کسی قسم کی بدگمانی نہ رہے۔ اور وہ اُن کیطرف سے بالکل غافل اور بے پرواہ ہو جائیں۔

جب اُن سے پوچھا گیا۔ کہ ایک مسجد کی موجودگی میں تم نے دوسری مسجد بلاضرورت کیوں بنائی۔ تو اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ اندھیرے میں بارش اور سردیوں کی راتوں میں وہاں جانا مشکل تھا۔ دوسرے اگر کوئی مسافر آجاتا۔ تو اُس کو ٹھہرانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ اس لیئے یہ مسجد بنائی گئی۔ تا کہ ایسی ضرورتوں کیوقت کام آئے۔

جب منافقین نے حضور کیخدمت میں یہ عرض کی۔ تو آپ اسوقت غزوہ تبوک کیلئے جارہے تھے۔ آپنے فرمایا۔ کہ واپسی کے بعد تمہاری مسجد میں نماز ادا کی جاویگی۔ ابھی تک مسلمانونکو حقیقت حال کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ ان کو اچھا سمجھ رہے تھے۔ لیکن جب قرآن میں اس راز کو فاش کرنیکے لیئے یہ آیت نازل فرمائی۔ تو مسلمانونکی آنکھیں کھُل گئیں۔ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ لـ ۲ ع۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے مسجد مسلمانوں کو ضرر

پہنچانے اور کفر کو پھیلانے۔ مسلمانوں کے درمیان جدائی ڈالنے اور اُس شخص کیلئے ٹھہرنے کی جگہ بنائی ہے۔ جو اب تک خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کرتا رہا ہے۔ اگرچہ وہ اس بات کی قسم کھائینگے۔ کہ ہم نے یہ مسجد اللہ کا ذکر کرنے اور نیکی کے کاموں کے واسطے بنائی ہے۔ مگر حق تعالیٰ گواہی دیتا ہے۔ کہ یہ لوگ اس دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں۔

جب رسول اللہ صلعم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے چند مسلمانوں کو بھیجکر اس مسجد کو گرانے اور اُس کے سامان کو جلانیکا حکم فرمایا۔ اِس آیت کے نازل ہونیسے پہلے پیغمبر خدا صلعم کو اس واقعہ کے متعلق بالکل اطلاع نہ تھی۔ اگر آپ کو اس کا علم ہوتا۔ تو آپ اس میں نماز پڑھنے کا وعدہ کبھی نہ کرتے۔ اور اسیوقت مسجد کے گرا دینے کا حکم صادر فرما دیتے۔ نیز مسلمانوں کے پاس اس خبر سے واقف ہونیکا کوئی ظاہری ذریعہ بھی موجود نہ تھا۔ اسلیئے معلوم ہوا۔ کہ رسول خدا صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع دینے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔

(۱۸ / ۱۰۸) قبا کی وہ مسجد جو مخلص اور دیندار مسلمانوں نے بنا رکھی تھی۔ اس مسجد کے نمازیوں کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۱۱ ع ۲۔ اس مسجد کے نمازی پاکی کو پسند کرتے ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر خدا صلعم مہاجرین کے ساتھ قبا تشریف لیگئے۔ اور وہاں پہونچکر اس مسجد کے نمازیوں سے یہ بات پوچھی

کہ تم وضو نہیں کیا کرتے ہو۔ جو خدا تعالےٰ نے تمہاری تعریف کر رہا ہے۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ ہم ضرورت سے فارغ ہونیکے بعد ڈھیلے سے صاف کر کے پانی کیساتھ استنجا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بس تعریف کرنے کی یہی وجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبا والونکا حال انہی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا تھا۔ اگر انہوں نے اس آیت کے نازل ہونیسے پہلے حضور کو اسی واقعہ کی خبر دی ہوتی۔ تو آپ کا دریافت حال کیلئے قبا تشریف لانا۔ اور انکا حقیقت حال سے آپ کو مطلع کرنا۔ بالکل لغو اور مہمل ہوتا۔ اس سے معلوم ہؤا۔ کہ یہ خبر بھی خدا تعالیٰ ہی کی بتائی ہوئی ہے۔

(۱۹/۱۰۹) علم الٰہی کی وسعت اور اس کے پھیلاؤ کو ظاہر کرنیکے لیے قرآن شریف میں مختلف صورتیں اختیار کی گئیں۔ کہیں کہا گیا۔ مَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ خدا تعالیٰ پر زمین آسمانکی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کہیں یہ کہا گیا۔ وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور جو بات ظاہر کرتے ہیں۔ تیرا پروردگار ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ ایک جگہ یہ ذکر ہؤا۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وہ دلوں کے بھیدوں سے باخبر ہے۔ نیز ارشاد ہوا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ جو بات وہ چھپاتے ہیں۔ یا ظاہر کرتے۔ اللہ سبحانہٗ پر وہ سب باتیں روشن ہیں۔ ایک جگہ یہ فرمایا۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ۔ وہ ان کی اگلی اور پچھلی باتوں کو جانتا ہے۔ کوئی شخص اسکے

علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی فرمایا گیا۔ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ خواہ تم کسی بات کو چھپا کر رکھو۔ یا ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ غرض اس طرح کی آیتیں ایک نہیں سینکڑوں قرآن عزیز میں موجود ہیں۔ جن کا علم اپنے اور بیگانہ دونوں کو مساوی طور پر حاصل ہے۔ علم الٰہی کی ان خصوصیات کو جاننے کے بعد ہر شخص اس بات سے بھی واقف ہے۔ کہ محمد عربی صلعم اپنا تعلق اسی ذات کیسا تھ بتاتے ہیں۔ جس کو قرآن میں غیبوں کا جاننے والا اور تمام کا راز دان کہا گیا ہے جس سے زمین آسمان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ان دونوں دعووں کے بعد قرآن کی صداقت اور اس کی سچائی کا دریافت کرنا ایک عقلمند انسان کیلئے نہایت درجہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید میں دلوں کے حالات اور راز کی باتیں مخالفین کے خفیہ مشورے آئندہ کے واقعات کیمتعلق ایسی خبریں دیگئی ہیں۔ جنکا کبھی خلاف نہیں ہوا۔ اور وہ ہمیشہ درست اور صحیح کھلتی رہی ہیں۔ تو جس شخص کے ذریعہ سے یہ کلام ظاہر ہوا۔ وہ یقیناً خدا کا فرستادہ اور پیغامبر اور وہ کلام جس میں اس قسم کی خبریں دی گئیں۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ ورنہ یہ دعویٰ سماعت کے قابل نہیں رہیگا۔

لیکن جب دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس قسم کی خبریں قرآن عزیز میں ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں۔ جن کا انکار اس وقت کی مخالف جماعتوں سے بھی نہیں ہو سکا تو منصف مزاج انسان کو قرآن کی صداقت اور آپ کے سچے رسول ہونے

میں ذرہ برابر شک نہیں رہتا۔

(نمبر ۱۱۰) جب رسول اللہ صلعم پر حق ظاہر ہوا اور آپ دُنیا میں سچائی پھیلانے کیواسطے خدا کیطرف سے مامور ہوئے۔ تو آپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھانا تیار کرنیکا حکم فرمایا۔ اور سرداران قریش کی دعوت کی۔ جب وہ لوگ کھانیسے فارغ ہوگئے۔ توآپنے قرآن عزیز کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ اور توحید کی طرف بُلاتے ہوئے۔ یہ فرمایا۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ حتی تطیعکم العرب وتدین لکم العجم۔ اگر تُم نے یہ مان لیا۔ کہ خدا کے سوا کوئی دُوسرا معبود نہیں ہے۔ تو عرب اور عجم تمام تمہاری مُطیع و فرمانبردار بن جائینگے۔ مگر وہ اِسوقت آپسمیں کچھ سرگوشی کر رہے تھے۔ اگرچہ رسول خدا صلعم کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ سرگوشی کیا تھی لیکن جو بات آپ کی تقریر ختم ہونے کے بعد اُن کی زبان سے نکلی۔ وہ یہ تھی۔ کہ ہم خدا کو ایک ماننے کیواسطے تیار نہیں ہیں۔ حق تعالےٰ نے اپنے حبیب کو اُن کی سرگوشی اور مشورے سے مطلع کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۵ ع۔ خدا تعالیٰ اسوقت سُن رہا تھا۔ جب وہ آپ کے مُتعلق آپسمیں یہ مشورہ اور سرگوشی کر رہے تھے۔ کہ اس شخص پر جادُو کا اثر ہے۔ اس کی پیروی کرنا مُناسب نہیں ہے۔

اگر اُنہوں نے یہ بات رسولخدا صلعم کے مُنہ پر کی ہوتی۔ تو اُسکو نجوی یعنی سرگوشی اور مشورے کیساتھ کبھی تعبیر نہ کیا جاتا۔ ورنہ مخالفین کو قرآن پر

لہ تفسیر کبیر ص۵ جلد ۷۔ ۱۲م

اعتراض کرنیکا بہترین موقعہ ہاتھ آجاتا۔ اور کسی کی سرگوشی سے ظاہری اطلاعات کے بغیر واقف ہونا خدائی خبر کے سوا دوسرے طریق سے ناممکن ہے۔

(۲۱/۱۱۱) ۶ھ[۵۱] میں غزوۂ بنی المصطلق سے واپس آتے ہوئے رسول اللہ صلعم نے راستہ میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھیں۔ رات کے آخری حصہ میں آپ نے قافلہ کو کوچ کا حکم دیا۔ اور لوگ روانگی کیلئے تیار ہوگئے۔ اسوقت حضرت عائشہ کو انسانی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ ذرا فاصلے سے قضائے حاجت کیلئے بیٹھ گئیں۔ حضرت عائشہ اپنی بہن اسماء سے عاریۃً ہار مانگ کر لائی تھیں۔ جب وہ ضرورت سے فارغ ہوئیں۔ اور گلے پر ہاتھ ڈالا۔ تو ہار موجود نہ تھا۔ خیال ہوا۔ کہ یہیں بیٹھے ہوئے گر گیا ہے۔ آپ نے اسکو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ان کے تلاش کرنے میں دیر ہوگئی۔ پیچھے قافلہ والوں نے آپ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھدیا۔ اور یہ سمجھا۔ کہ عائشہ ہودج میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

چونکہ عائشہ صدیقہ بدن کی ہلکی تھیں۔ اسلئے کجاوہ اٹھانے والوں کو دھوکا لگ گیا۔

حضرت عائشہ جب اپنی جگہ واپس آئیں۔ اور دیکھا۔ کہ قافلہ چلا گیا۔ تو وہ اسی جگہ ٹھہر گئیں۔ تاکہ تلاش کرنیوالا پریشان نہ ہو۔ اور وہ اسی جگہ سے آکر لیجائے۔ رات کا آخری حصہ تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔

۵۱ تاریخ ابن کثیر۔ سیرت ابن ہشام۔ بخاری۔ مسلم۔ زاد المعاد۔

حضرت عائشہ کی آنکھ لگ گئی۔
صفوان بن معطل سلمی جو دیکھ بھال اور گری پڑی چیز کو اُٹھانیکے واسطے قافلہ سے پیچھے روانہ ہُوا کرتے تھے۔ وہ صبح سویرے اس جگہ پہونچے جہاں عائشہ صدیقہ سو رہی تھیں۔ صفوان نے اُنکو دیکھ کر اناللّٰہ پڑھی۔ اور اپنا اُونٹ، عائشہ کے سوار ہونے کیلئے بٹھا دیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں۔ صفوان کے اناللّٰہ پڑھنے سے مری آنکھ کھل گئی۔ اور میں اُونٹ پر سوار ہو گئی۔ صفوان بن معطل اُونٹ کی مُہار پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔ اور تقریباً ۱۲ بجے دوسرے پڑاؤ پر مسلمانوں سے جا ملے۔

عبداللّٰہ بن ابی منافق اسی سفر میں مسلمانوں کے ہمراہ تھا۔ اُسنے عائشہ صدیقہ پر بدگمانی کی۔ اور اُن پر عیاذاً باللّٰہ زنا کی تہمت لگائی۔ مسلمانوں میں سے مسطح اور حسان بن ثابت اُس کیساتھ ہو گئے۔ رسولخدا صلعم کو یہ بات سُنکر سخت رنج ہُوا۔ آپ نے مدینہ منورہ پہنچکر مختلف لوگوں سے حضرت عائشہ کے متعلق حالات دریافت کیے۔ سب نے اُنکو نیک اور پاکدامن بتایا۔ اِس کے بعد آپنے لوگوںکو جمع کرکے یہ فرمایا۔ کہ میں نے جہانتک تحقیق کی۔ عائشہ عفیفہ اور نیک ہی معلوم ہوئی۔ اور صفوان بھی نیک اور متقی آدمی نظر آتا ہے۔ جس شخص نے میری اہل کی نسبت بدزبانی کی ہے۔ اور مجھے صدمہ پہنچایا ہے۔ اُس نے اچھا نہیں کیا۔ اس واقعہ کو اسی طرح ایک مہینہ گذر گیا۔ اور وحی نہ آئی۔

نہ اس عرصہ میں اصلیت کا پتہ چلا۔ اور نہ تہمت لگانیوالوں کے جھوٹ اور سچ کی حقیقت معلوم ہو سکی۔

حضرت عائشہ سفر سے واپس آکر بیمار ہو گئیں۔ اور ایکمہینہ تک بیمار رہیں۔ بیماری کے زمانہ میں آپ کو تہمت وغیرہ کا مطلقاً علم نہ ہوا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول خدا صلعم مجھ سے بات نہ کرتے تھے۔ میں حیران تھی۔ کہ اُن کے ناراض ہونیکی کیا وجہ ہے۔ جب میں تندرست ہو گئی۔ تو مسطح کی ماں کی زبانی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔

عائشہ صدیقہ نے جب یہ واقعہ سُنا۔ تو سخت صدمہ ہوا۔ رات دن رونے میں کٹتا۔ حضور سے اجازت لیکر میکے یا باپ کے گھر چلی گئیں۔

ایک دن رسول اللہ صلعم ابوبکر کے مکان پر تشریف لائے۔ اور عائشہ سے فرمانے لگے۔ کہ عائشہ اگر کوئی گناہ تجھ سے سرزد ہو گیا ہے۔ تو خدا سے معافی مانگ لے۔ وہ خطاؤں کا بخشنے والا اور اُن سے در گذر کرنے والا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا۔ کہ میں ہرگز توبہ نہ کرونگی۔ اللہ خوب جانتا ہے۔ کہ میں اس سے بری ہوں۔ اگر میں انکار کرتی۔ تو تم لوگ ہرگز میری تصدیق نہ کروگے۔ اس لیئے میں صبر کرتی ہوں۔ اور اپنا معاملہ خدا پر چھوڑتی ہوں۔ ابھی تک رسول خدا صلعم اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہیں پائے تھے۔ کہ آپ کے چہرہ مبارک پر وحی نازل ہونیکے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ

عائشہ تجھے بشارت اور خوشخبری ہو۔ کہ اللہ سبحانہ نے تجھے بری کر
دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَاءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ
مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِءٍ مِّنْھُمْ
مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ
۵ ع ۔ بیشک جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے۔ وہ تمہارے ہی
میں سے ایک جماعت ہے۔ تم اسکو اپنے لیے شر اور برائی نہ سمجھو۔ بلکہ
اس میں تمہارے واسطے خیر اور بھلائی ہے۔ انہیں سے ہر ایک نے گناہ
کمایا ہے۔ اور جو اس بہتان طرازی اور جھوٹ کا بانی مبانی ہے۔ اُس
کیواسطے سخت عذاب ہے۔ رسول خدا صلعم کا اس معاملہ میں ایک مہینہ
تک متحیر اور پریشان رہنا۔ اور باوجود ایک غیرت مند انسان ہونیکے اتنی
مدت تک لوگوں کی زبان سے لغو اور بیہودہ باتیں سننا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل
ہے۔ کہ قرآن محمد صلعم کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ ورنہ اتنی دیر تک خاموش رہنے
اور منافقین کی باتوں سے پریشان ہونے اور رنج سہنے کی کیا ضرورت تھی۔
پھر ایک مہینہ تک عائشہ سے خوش ہو کر نہ بولنا۔ اور اس معاملہ میں متردد
رہنا۔ اور وحی نازل ہونیکے بعد دفعتہً خیال میں زبردست تبدیلی پیدا
ہو جانا بتا رہا ہے۔ کہ یہ غیر معمولی تغیر اسی لیے ہوا۔ کہ وحی الٰہی نے ظاہر
ہو کر سچے اور جھوٹے کا فیصلہ قطعی طور پر کر دیا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ الزام
لگانے والوں سے ثبوت مانگا گیا۔ تو وہ اس کے پیش کرنے سے عاجز ہو گئے
بلکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا۔ کہ جس شخص کیساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ وہ

عورت کے پاس جانیکے قابل ہی نہ تھا۔

اس کے بعد حسان بن ثابت کو جو اس واقعہ میں تہمت لگانے والوں کیساتھ شریک ہوگئے تھے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور حضرت عائیشہ کی شان میں یہ شعر کہا۔ **شعر**۔ حصان رزان ماتزن بریبۃ ۔ وتصبح غرثی من لحوم الغوافل
عائیشہ صدیقہ پاکدامن اور کامل عقل والی عورت ہیں۔ جن پر کسی قسم کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اور نہ وہ کسی عفیفہ اور پاک دامن عورت کی برائی کرتی ہیں۔

(۲۲/۱۱۲) غزوہ[1] خندق میں قریش۔ غطفان۔ یہود قریضہ۔ اور بنو نضیریہ چار قبیلے جنکی تعداد ۱۲ ہزار تھی۔ مسلمانوں سے لڑنے کیلئے مدینہ پہونچے۔ اور جاتے ہی مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ مسلمان اُن کی قوت کو دیکھکر گھبرا اُٹھے۔ اور اُنکو اپنی جان کے لالے پڑگئے۔ مسلمان حوائج ضروریہ کیلئے اپنے مورچوں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ راتکو کسی وقت انسانی ضرورتوں سے فارغ ہوتے۔ اسی غزوہ میں کئی وقت تک مسلمان بھوکے رہے۔ پیٹوں پر پتھر باندھے۔ جب مسلمانوں کی حالت اسدرجہ غیر ہوگئی۔ تو منافقین نے[2] آپسمیں کہا۔ کہ محمد عربی صلعم روم اور فارس کے فتح ہونے کی جو کچھ خبریں دیتے ہیں۔ وہ سب دہوکا ہے۔ مسلمانوں کا آج ہی فیصلہ ہوجانے والا ہے۔ اُن کو اتنی مہلت ہی نہ ملیگی جو وہ قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں پر ہاتھ ڈال سکیں۔ قرآن میں منافقین کی اُن خفیہ باتوں اور پوشیدہ گفتگو کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا
(۲۱/۱۸) اع۔ منافقین اور ضعیف العقیدہ لوگوں نے مخالفین کی کثرت کو دیکھکر کہا

[1] بیضاوی جلد ۱۶ صـ۲ [2] بیضاوی صـ۲

کہ اللہ اور اُس کے رسول نے فتح و نصرت کے وعدے کر رکھے ہیں۔ وہ سب دہوکا اور فریب ہے۔

منافقین کی یہ بات ایسی نہ تھی۔ جو مسلمانوں کے سامنے کہی جاتی۔ یقیناً اُنہوں نے خفیہ طور پر اپنی مجلس میں کہی۔ مسلمانوں کے رُوبرو ہرگز نہیں کہی۔ پھر رسول اللہ صلعم کو اس بات کی اطلاع خدا تعالیٰ کے بتائے بغیر کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لیئے معلوم ہؤا۔ کہ یہ خبر بھی خدا تعالیٰ کیطرف سے ہے۔

(۲۳/۱۱۳) اسی غزوہ میں جب مخالفین کا زور ہؤا۔ اور مسلمانوں کی پریشانی بڑھی۔ تو منافقین کی ایک جماعت نے مسلمانوں سے الگ ہونا چاہا۔ اور یہ بہانا کیا۔ کہ ہمارے گھر اکیلے اور غیر محفوظ ہیں۔ ڈر ہے۔ کہ مخالفین کوئی دستہ فوج کا اُدہر متوجہ کردیں۔ اور وہ ہمارے اہل و عیال کو مار ڈالے۔ اس لیئے ہمیں گھر جانیکی اجازت دیجائے۔ منافقین کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلیئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۲۱ ع ۱۸ منافقین کی ایک جماعت گھر کے اکیلے اور غیر محفوظ ہونیکا بہانہ کرکے رسول اللہ صلعم سے چلے جانیکی اجازت مانگتی ہے۔ اُن کے گھر ہرگز غیر محفوظ نہیں ہیں۔ وہ بھاگنا چاہتے ہیں۔ جب مدینہ کے گرداگرد خندق کھودی ہوئی تھی۔ اور مدینہ بوجہ خندق کے دشمنوں کی زد سے محفوظ تھا۔ تو منافقین کا مکانات کے اکیلے ہونیکا عذر کرنا بالکل جھوٹ بات تھی۔ اس کے علاوہ جب اُن کے عذر کا جھوٹ ہونا ظاہر کیا گیا۔ تو وہ اُس کی تردید نہ کر سکے۔ باوجودیکہ اُنکا اس معاملہ میں اپنی صفائی

پیش کرنا بہت آسان اور سہل امر تھا۔ صرف ہاتھ پکڑ کر اپنے گھروں کا غیر محفوظ جگہ ہونا ہی دکھانا پڑتا تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ قرآن نے اُن کے متعلق جو خبر دی تھی۔ وہ بالکل سچی تھی۔ اور اصلیت کا علم رسول اللہ صلعم کو بذریعہ وحی کے ہوا۔

(۲۴/۱۱۴) جب منافقین نے اس غزوہ میں کفاروں کا غلبہ دیکھا۔ تو ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو اور آپس میں ایکدوسرے کو مسلمانوں کی مدد سے روکنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ کہ مسلمان ان مخالف قبیلوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک نہیں لڑ سکتے۔ یعنی تمہیں اُن کیساتھ شریک ہوکر اپنی جان گنوانا بیکار اور فضول ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی اس حرکت سے مسلمانوں کو مطلع کرنے کیلیے یہ آیت نازل فرمائی۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْکُمْ وَالْقَائِلِیْنَ لِاِخْوَانِھِمْ ھَلُمَّ اِلَیْنَا وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ۲۱۔ ۱۸ع۔ اللہ تعالیٰ اُنکو خوب جانتا ہے۔ جو جنگ میں شریک ہونے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور اُنکو اپنی طرح گھروں میں بٹھانا چاہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ مسلمان اِن جماعتوں کا مقابلہ دیر تک نہیں کر سکتے۔ منافقین کا جنگ میں جانے سے روکنا۔ اور مسلمانوں کی نسبت کہنا۔ رسول اللہ صلعم کے روبرو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جب یہ بات خدا کے رسول سے چھپی ہوئی تھی۔ تو اُنکو اُس کی اطلاع دینے والا خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی آدمی اس خبر کا پہنچانے والا ہوتا۔ تو وہ ضرور اُس کو پیش کر کے اس خبر کے آسمانی ہونے کو جھٹلا سکتے تھے۔

(۲۵/۱۱۵) جب منافقین کا کسی سے جھگڑا ہو جاتا۔ اور حق فریق مخالف کیطرف

لہ بیضاوی صلا جلد ۱۶۲

ہوتا۔ تو وہ اُسکا فیصلہ کرنے کیلئے نبی کریم صلعم کی خدمت میں نہ آتے۔ اور اپنے مخالف کو مجبور کرتے۔ کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلہ کیواسطے کسی اور کے پاس لیجائے اور اگر حق انکی جانب ہوتا۔ تو پھر رسول اللہ صلعم کو فیصلہ کرنے کیلئے منتخب کرتے۔ چونکہ اُنکو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ پیغمبر خدا صلعم حق کے خلاف کبھی نہیں کرینگے۔ اس لیئے نفع کی اُمید میں اُن کیطرف دوڑتے۔ اور جب نقصان کا خطرہ ہوتا۔ تو آپسے کوسوں بھاگتے تھے۔

جب اس حرکت پر قرآن میں اُن کی مذمت کیگئی۔ تو وہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ کہ یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں۔ کہ ہم اپنے گھروں سے نکل جائیں۔ یا بیوی بچوں کو چھوڑ دیں۔ اور مال و دولت پر لات مار کر الگ ہو جائیں۔ تو ہم آپ کے حکم کی فوراً تعمیل کریں اور ذرا دیر نہ کریں۔ اور اگر آپ جہاد کیلئے بلائیں۔ تو ہم سب اُس میں شریک ہونے کیلئے تیار ہیں۔ مگر قرآن نے خبر دی۔ کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کو دھوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہرگز ان باتوں کو پورا کرنے کے واسطے دل سے تیار نہیں ہیں۔ اور اُن کے اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ پ۱۸ ع۱۳۔ منافقین بڑی پختہ قسم کھا کر کہتے ہیں۔ کہ جس کام کیواسطے آپ ہمیں حکم دیں۔ ہم اُسکو بجا لانے کیلئے بالکل تیار ہیں۔ آپ انہیں کہدو۔ کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔ سچائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے۔ قرآن نے

لہ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳

منافقین کے دلی جذبات کے متعلق جو کچھ خبر دی۔ وہ بالکل صحیح تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو مہینہ بعد جب اُنکو غزوہ میں شریک ہونے کیلئے کہا گیا۔ تو چونکہ اُن کو اہل مکہ کیطرف سے سخت خطرہ تھا۔ اس لیئے اس سفر میں رسول اللہ صلعم کیساتھ جانیکے لیئے تیار نہ ہوئے۔ اور غزوہ تبوک میں نہ مال سے مسلمانوں کی مدد کی۔ اور نہ خود شریک ہوئے۔ بلکہ اسمیں نہ جانے کیلئے سینکڑوں طرح کے جھوٹے عذرات گھڑے۔ اور بہانے بنائے۔ کسی کے دلی جذبات کی ایسی صحیح خبر دینا۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کا کام نہیں ہو سکتا۔

(۲۶/۱۱۴) ایک دن چند منافقین رسول اللہ صلعم کیخدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ کہ بخدا ہم یہ بات دل سے جانتے ہیں۔ اور ہمارا اس پر پختہ یقین ہے۔ کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

لیکن قرآن نے یہ خبر دی۔ کہ منافقین کا یہ دعوٰی کہ ہم آپ کو دل سے خدا کا سچا رسول جانتے ہیں۔ جھوٹا ہے۔ اُن کا ایمان لانا اور مسلمان بنا محض جان بچانیکی غرض سے ہے۔ ورنہ وہ دل سے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ منافقین کے جھوٹا ہونیکا زوردار لفظوں میں دعوٰی کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوتی۔ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۞ع۔ اللہ تعالٰی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ منافقین اس دعوٰی میں جھوٹے ہیں۔ اُن کی زندگی کے آئندہ حالات بتا رہے ہیں۔ کہ درحقیقت وہ کسی روز بھی سچے مسلمان نہ بنے۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کیواسطے جھوٹ بولتے۔

ل‍ہ ابو السعود ص۸ جلد ۱۵۴

رہے ۔ اسکے علاوہ اس اقرار کے بعد لوگوں کو یہ کہکر ایمان سے روکتے تھے ۔ کہ محمد عربی صلعم سچے رسول نہیں ہیں ۔ اور نیز اہل مدینہ کو مہاجرین کے ساتھ ہمدردی کرنےسے بھی روکا ۔ جیسا کہ یہ دونوں باتیں اسی سورۃ میں ذکر کی گئیں ہیں ۔

جب اُن کی یہ حالت تھی ۔ تو اُنکا رسول اللہ کے نبی ہونے پر قسمیں کھاکر اقرار کرنا بھی دھوکا اور فریب تھا ۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ میں سراسر جھوٹے اور دغاباز تھے ۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی تھی کسی کے دلی خیالات کی ایسی سچی اور صحیح خبر دینا خدا کے سوا دوسرے سے ناممکن ہے

(۲۷/۱۱۷) غزوۂ بنی مصطلق میں جو شعبان ۵ھ؁ میں ہوا ۔ جہجاہ بن مسعود غفاری اور سنان میں ورقۂ جہنی میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا ۔ اول الذکر مہاجرین میں سے تھے ۔ اور دوسرے انصاری جہجاہ مہاجر نے سنان کے منہ پر طمانچہ مارا انصاری نے اپنی حمایت کیلئے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو بلایا ۔ فریقین میں جھگڑا بڑھ جانیکے قریب تھا ۔ کہ رسول اللہ صلعم کو خبر ہوگئی ۔ آپ نے فوراً موقعہ پر پہونچکر قضیہ کو رفع دفع کرادیا ۔ جب عبد اللہ بن ابی منافق کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی ۔ تو اُس نے اپنی جماعت میں کہا ۔ کہ اگر ہم بخیر و عافیت مدینہ پہونچ گئے ۔ تو ہم وہاں سے اُن ذلیل مہاجرین کو ضرور نکال دیں گے ۔ اتفاق سے مخلص مسلمانوں میں سے زید بن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے ۔ اُنہوں نے یہ بات سنکر رسول اللہ صلعم کے گوش گذار کردی ۔

۱؎ ابن خلدون ۔ تفسیر کبیر ۲؎ ابن کثیر و ابن خلدون ۳؎ رواہ بخاری

جب آپ نے عبد اللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کو بُلا کر پُوچھا۔ تو انہوں نے
قسم کھائی۔ اور اس بات کے کہنے سے انکار کر دیا۔ حضور نے قسم کھانے
کیوجہ سے اُسکا اعتبار کر لیا۔ زید بن ارقم فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اس بات کا
سخت رنج ہوا۔ اور میری قوم نے مجھے ملامت کی۔ کہ تُو یہ بات کہہ کر نبی کریم
صلعم کی نظروں میں جھُوٹا ہو گیا ہے۔ اس وقت خدا تعالٰی نے زید بن ارقم
کی سچائی ظاہر کرنے اور اپنے حبیب کو اصل واقعہ سے مطلع کرنے کیلئے یہ آیت
نازل فرمائی۔ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا
الْأَذَلَّ ۲۸ ع ۱۳۔ منافقوں نے یہ بات کہی ہے۔ کہ اگر ہم مدینہ پہونچے
تو عزتمند ذلیلوں کو نکال دینگے۔ حضور نے زید بن ارقم کو بُلا کر فرمایا۔ کہ
خدا تعالٰی نے تیری تصدیق کی۔ اور منافقین کا مجرم اور جھُوٹا ہونا ظاہر فرمایا۔
ایسی صورت میں جبکہ قسم کھانیکی وجہ سے رسول خدا صلعم منافقین کا اعتبار
کر چکے تھے۔ اور زید بن ارقم پر جھُوٹا ہونیکا بظاہر الزام قائم ہو چکا تھا۔ اس
وقت اصل حقیقت سے اطلاع دینے والا خدا تعالٰی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا
اس کے علاوہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے نے جو سچے اور دیندار مسلمان تھے۔ اُسکو
گھر میں نہ گھُسنے دیا۔ جبتک کہ اُس نے اپنے ذلیل ہوتے اور رسول اللہ صلعم اور
مہاجرین کے عزتمند ہونیکا اقرار نہ کر لیا۔

(۲۸/۱۸) رسول خدا صلعم نے اپنی بیبیوں کیواسطے دنوں کی تقسیم کر رکھی تھی
جو دن کسی عورت کی باری اور نوبت کا ہوتا۔ اُس روز آپ کھانا پینا اور

لہ تفسیر ابو سعود ۵

استراحت وغیرہ اس عورت کے گھر فرمایا کرتے تھے۔ اور باقی آمد و رفت کا سلسلہ دوسری بیویوں کے گھر بھی رہتا تھا۔ اگرچہ ایسا کرنا خدا کیطرف سے ضروری نہیں تھا۔ لیکن ازواج مطہرات کی دلجوئی اور ان کی شکایت رفع کرنیکے واسطے مہربانی کے طور پر آپ سب کیساتھ ایک جیسا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک دن اپنی بیوی زینب کے گھر آپ تشریف لیگئے۔ اس روز عائشہ صدیقہ کی باری تھی۔ زینب نے آپ کو شہد کا میٹھا پانی پلایا۔ حضرت عائشہ کو بھی اس بات کی اطلاع ہوگئی۔ انہوں نے حضور کی دوسری بیوی حفصہ سے مشورہ کیا۔ کہ جس کے پاس رسول اللہ صلعم پہلے تشریف لائیں۔ تو وہ ان سے کہے۔ کہ یا رسول اللہ صلعم آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ تو چونکہ آپ دہن کو صاف رکھتے ہیں۔ اور بو پسند نہیں فرماتے۔ اس لیے ممکن ہے۔ کہ آئندہ زینب کے پاس جاکر آپ شہد نہ پئیں۔

پیغمبر خدا صلعم زینب کے پاس سے اٹھ کر حفصہ کے گھر تشریف لائے۔ تو انہوں نے وہی بات کہی۔ جس کا عائشہ سے پہلے مشورہ ہو چکا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ کہ مغافیر تو میں نے نہیں کھایا۔ البتہ شہد ضرور پیا ہے۔ ممکن ہے کوئی مکھی مغافیر پر بیٹھ گئی ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ کبھی شہد نہ پیونگا۔ مگر تو یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ اور ایک بات یہ فرمائی۔ کہ میں تجھے خوشخبری سناتا ہوں۔ کہ میرے بعد ابوبکر رض اور عمر رض میری امت کے کاروبار کو چلائینگے اور اس بات کے ظاہر کرنے سے بھی منع فرمایا۔ لیکن حضرت حفصہ نے عائشہ صدیقہ سے یہ دونوں باتیں ذکر کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس

لہ رواہ البخاری ۲ہ مغافیر جمع مغفور کھجور کے شگوفے ۳ہ البخاری

بات کی خبر دی۔ کہ حفصہ نے تمہارا راز عائشہ پر ظاہر کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے مطلع ہونیکے بعد حفصہ سے فرمایا۔ کہ تو نے عائشہ سے وہ راز بیان کر دیا ہے۔ اُنھوں نے عرض کی۔ کہ یارسول اللہ آپ کو کس نے بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے جو سب کا علیم و خبیر ہے۔ مجھے اُس نے اطلاع دی ہے۔ اس واقعہ کو سورۃ تحریم میں اسطرح ذکر فرمایا ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ہٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۲۸ ع ۱۹۔ جب نبی علیہ السلام نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی۔ جو اُس نے آپ کی دوسری بیوی پر ظاہر کر دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اُس کی خبر اپنے رسول کو دیدی۔ تو اُس نے بعض باتیں اپنی بیوی پر ظاہر کیں۔ اور بعض باتوں کے ذکر کرنے سے درگذر کیا۔ جب اُس کی بیوی نے پوچھا۔ کہ آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی ہے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے جو سب کا رازدان ہے بتایا ہے۔ راز کے ظاہر کرنے کی اطلاع رسول خدا کو ان دونوں بیویوں کی طرف سے یقیناً نہیں ہوئی۔ ورنہ من انباک (یارسول اللہ آپ کو کس نے بتایا ہے) فرماتیں اُس کے علاوہ جب نبی کریم صلعم نے راز کے افشار اور ظاہر کرنے سے حفصہ کو منع فرما دیا تھا۔ تو وہ اُس کو ظاہر کرنے کے بعد یہ بات کیونکر کہہ سکتی تھی۔ کہ میں نے آپ کا راز عائشہ پر ظاہر کر دیا ہے۔ اور نہ عائشہ ہی سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ وہ حفصہ کو پھنسانے اور مجرم بنانے کیواسطے حضور پر یہ بات ظاہر کرتیں۔ کیونکہ

وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوئیں۔ اور شیر وشکر تھیں۔ اِن دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی آدمی درمیان میں نہیں تھا۔ جس کے ذریعہ سے اِس بات کی اطلاع ہو جاتی۔ اِس لیئے ماننا پڑیگا۔ کہ رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی اطلاع دینے والا علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں تھا۔ یَا عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ نَوِّرْ قَلْبِی بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ وَآمِیْن۔

بَابُ التَّحَدِّی بِالْقُرآن

لِکَوْنِہٖ فِی اَقْصٰی مَرَاتِبِ الْبَلَاغَۃِ وَالْفَصَاحَۃِ

قرآن کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی شخص اِس طرح کا فصیح اور بلیغ کلام نہیں بنا سکتا۔

فصحاء عرب کے سامنے ایکمرتبہ نہیں بلکہ بار بار یہ دعویٰ پیش کرتے ہوئے اُن سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ اگر یہ کلام تمہاری نظر میں محمد عربی صلعم کا بنایا ہوا ہے۔ تو انسانی کلام کی نقل اُتارنا نہایت درجہ سہل اور آسان کام ہے تم بھی اس کی مثال بنا کر اُس کا انسانی کلام ہونا ثابت کرو۔ اور اگر تم قرآن جیسا کلام بنانے سے عاجز رہے۔ تو بےمثل ہونیکی وجہ سے اِس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی قسم کا شک کرنا جایز نہ ہوگا۔ لیکن وہ آخر وقت تک اس دعویٰ کو باطل نہ کرسکے۔ اس لیئے معلوم ہُوا۔ کہ قرآن کی بے مثلیت مخالفین کے نزدیک

بھی مسلّم اور مانی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ ضد اور عداوت کیوجہ سے اُس کا زبان سے
اقرار نہیں کرتے تھے۔ لیکن اُن کا دل اس بات کی گواہی دے رہا تھا۔ اس پر
علماء نے ۳ قرینہ بیان کیے ہیں۔ جن سے قرآن کی بے مثلیت ظاہر ہوتے ہوئے
اُسکا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱۱/۹) جب محمد عربی صلعم نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور یہ بات ظاہر کی۔ کہ مجھ پر
خدا کا کلام قرآن نازل ہوتا ہے۔ تو عرب کے فصیح و بلیغ انسانوں کے سامنے
اپنی سچائی کے ثبوت میں ایک ہی بات پیش کی۔ اور وہ یہ تھی۔ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ
مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِثْلِہٖ۔ جو کتاب ہم نے محمد صلعم
پر نازل کی ہے۔ اگر تمہیں اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے۔ تو تُم بھی
اسطرح کی ایک چھوٹی سی سُورت بنا کر لاؤ۔

حق و باطل سچ اور جھوٹ کے فیصلہ کیلئے جو بات اُن کے سامنے پیش کیگئی۔
وہ اُن کیلئے نہایت درجہ سہل اور آسان چیز تھی۔ کیونکہ وہ عربی زبان
کے ماہر نظم و نثر کے مالک تھے۔ اُن کی طاقت لسانی اور زبان آوری
کا شُہرہ عرب کے ہر حصہ میں پھیلا ہُوا تھا۔ وہ اپنے مقابلہ میں دُنیا کی قوموں
کو گُونگا اور اپنے آپ کو ناطق اور بولنے والا کہتے تھے نیز ان میں ایسے نامور
شُعرا اور زباندان ادیب موجود تھے۔ جو کعبہ کے دروازے پر اپنے لکھے
ہوئے قصیدے لٹکاتے تھے۔ اور تمام عرب کو اس کا مقابلہ کرنے کیلئے
دعوت دیتے تھے۔ عُتبہ بن ربیعہ جیسا بلیغُ الکلام اور شیریں زبان آدمی
مکّہ میں مقیم تھا۔ ولید بن مغیرہ جس کی زبان دانی عرب میں مسلّم تھی۔

اور لوگ اپنا کلام اصلاح کی غرض سے اس کے سامنے پیش کرتے تھے ابھی تک ان میں زندہ موجود تھا۔ اس سہولت اور آسانی کے باوجود اُن کو مقابلہ پر اُبھارنے اور برانگیختہ کرنے والے اسباب بھی موجود تھے کیونکہ قرآن میں اُن کے معبودوں کی بُرائی بیان کی جاتی۔ اُن کو چھوڑ کر ایک خدا کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ کبھی اُن کے آباؤ اجداد کو گمراہ بتایا جاتا۔ اُن کی رائے کی غلطی اور بیوقوفی اُن پر ظاہر کی جاتی۔ اور گاہے اُن کی خودسری کو توڑ کر اطاعت اور فرماں برداری کا سبق دیا جاتا۔ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب الٰہی سے ڈرائے شرم اور غیرت دلانے والے الفاظ بھی اُن سے کہے جاتے۔ تاکہ وہ قرآن کا مقابلہ کرنے کے واسطے تیار ہوں۔ مگر وہ کمزور انسان کی طرح منہ چھپائے رہتے۔ اور کبھی مقابلہ پر نہیں آتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن عزیز ان کی نظر میں بے مثل تھا۔ اور یہی اس کے کلام الٰہی ہونے کی نشانی ہے۔

(۲) یہ بات مشہور اور درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہے۔ کہ اہل مکہ کو قرآن مجید کا مقابلہ کرنے اور اُس کی نقل اُتارنے کیلئے بار بار بلایا گیا۔ اور اُن کو غیرت بھی دلائی گئی۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

لے اعجاز القرآن

اور مردوں کیطرح بے حس وحرکت پڑے رہے۔ نہ کبھی خود ایسا کلام بنا کر لائے۔ اور نہ کسی پہلے گذرے ہوئے فصیح اور بلیغ اللسان کے کلام کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنیکی جرأت کی۔ اگر وہ اس معرکہ میں کامیاب ہوتے اور وہ قرآن عزیز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فصیح اور بلیغ کلام کبھی بناکر لاتے۔ جسکو قرآن پر فوقیت حاصل ہوتی۔ یا کم از کم فصاحت و بلاغت میں اُس کے برابر ہوتا۔ تو یہ بات اُسوقت عرب کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی۔

جب کسی مشہور شاعر کا رجزیہ کلام اور مدحیہ قصیدے اور غزلیات کا چرچا عام ہوجاتا تھا۔ اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر اُن کے اشعار ملمع بیش گائے جاتے تھے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایسے بڑے اور زبردست مقابلہ میں عرب کا کوئی فرد قرآن پر غالب آتا۔ اور اسکا چرچا خاص و عام کی زبان پر نہ ہوتا اور اس صورت میں وہ کلام ہم تک ضرور نقل ہوکر آتا۔ کیونکہ جب اُنہوں کے جملے اور شاعروں کے قصیدے اُن کے مذاقیہ اشعار عشقیہ غزلیں میدان جنگ کے رجزیہ فقرے اونٹوں گھوڑوں اور شراب وغیرہ کی تعریف میں نظمیں منقول ہوتی چلی آرہی ہیں۔ تو ایسا کلام بھی ہمارے پاس ضرور پہونچتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ موافق اور مخالف دونوں جماعتیں اس بارے میں بالکل خاموش اور ساکت ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ زبانان عرب کی نظر میں قرآن کی مثال لانا کوہ کندن و جوئے شیر آوردن سے بھی زیادہ مشکل کام تھا۔ جب اہل زبان کا اس میدان میں یہ حال ہے۔ تو دوسرا آدمی کیا خاک مقابلہ کرسکتا ہے۔

(۱۲۹) دنیا جانتی ہے۔ کہ اہل مکہ نے اسلام کو مٹانے اور اس مذہب کو ترقی سے روکنے اور اس کے استیصال کرنے میں بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں ہیں۔ اس جذبے سے متاثر ہوکر اُنہوں نے سینکڑوں جھگڑے سر لیئے۔ امن کی زندگی چھوڑ کر بدامنی پیدا کی اپنے ہاتھوں سے خویش اقرباء کو تکلیفیں دیں۔ گھر سے نکالا۔ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالا۔ خود مرے دوسروں کو مارا۔ لڑائیاں لڑے۔ مال و دولت کو ضائع اور برباد کیا خود رسوا ہوئے۔ اپنے بچوں کو اور عورتوں کو ذلیل کرایا۔ یہ سب کچھ کیا۔ لیکن قرآن عزیز کا مقابلہ نہ کیا۔ جو اس سے ہر پہلو سے سہل اور آسان کام تھا۔ اگر وہ ایسا کرلیتے۔ تو تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہوجاتا۔ اور جب قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت ہوجاتا۔

تو کوئی اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ خود بھی آرام سے رہتے اور دوسروں کو بھی تکلیفات کا سامنا نہ ہوتا۔

پھر ان سے سارے قرآن کی مثال پیش کرنیکا مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ ایک ادنیٰ سورت کی نقل اُتارنیکا اس سے بھی بڑھکر فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ قرآن جیسی ایک بات کہنے کا اُن سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن وہ اس آسان کام کیلئے تیار نہ ہوئے۔ جان ومال اور عزت وآبرو سب کچھ خاک میں ملادی۔ آسان اور سہل راستہ کو چھوڑ کر مشکل کیطرف جانا بتا رہا ہے۔ کہ قرآن کی مثال پیش کرنے اور اُس کی نقل اُتارنے سے عرب کے تمام افراد عاجز تھے۔

شائد اس بیان سے ناظرین کی پوری تشفی نہ ہوئی ہو۔ اور وہ قرآن کریم کی بے مثلیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہوں۔ اس لیے ہم اس موقعہ پر جہاں تک عوام کی سمجھ کا تعلق ہے۔ چند باتیں بیان کرتے ہیں۔ جن سے باعتبار فصاحت وبلاغت قرآن مجید کا بے مثل ہونا روز روشن کیطرح ظاہر ہوجائے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس کے متعلق کچھ ذکر کریں۔ فصاحت اور بلاغت کی حقیقت سے واقف ہونا ضروری ہے۔

فصاحت اور بلاغت کلام کی ایسی دو صفتیں ہیں۔ کہ جس میں یہ دونو صفتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ کلام خوبی اور لطافت میں بلند پایہ اور دلونمیں تاثیر پیدا کرنیکے لحاظ سے جادو کا اثر رکھتا ہے۔

فصاحت کے معنی لغت میں گویائی کیلئے زبان کا کھلنا ہیں۔ لیکن اہل معانی کے نزدیک اس کی یہ تعریف ہے۔ الفاظ سادہ۔ آسان اور کثیر الاستعمال ہوں بگڑے ہوئے مبتذل اور سوقیانہ نہ ہوں۔ اور اس کی ترکیب نحوی اور صرفی قواعد کے موافق ہو۔ اور جن الفاظ کیساتھ وہ ترکیب میں آئے۔ ان لفظوں کی ساخت اور ہیئت اور ان کی بندش اور نشست سبکی اور گرانی کیساتھ اس کلام کو خاص تناسب اور لواز ہو۔ اور جب اس لفظی مناسبت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو کلام کی رونق اور اس کی خوبصورتی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔

دوسری چیز کلام میں خوبی اور لطافت پیدا کرنے والی فصاحت کی رعایت کرنے کے بعد کلام کا بلیغ ہونا ہے۔ بلاغت اہل ادب کی اصطلاح میں یہ ہے۔ کلام میں ان خصوصیات اور مناسبتوں کا حتی الوسع پورا لحاظ رکھنا جسکو اس وقت کے حالات اور گفتگو کا موقع اور محل اس کلام میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا معشوق سے گفتگو کرنے کیوقت اس کی دلبستگی کی باتیں کرنا۔ تاکہ گفتگو کا سلسلہ دیر تک قائم رہے۔ اور کچھ عرصہ بالمواجہہ رہنے کے لطف سے بہرہ اندوز ہوتا رہے۔ اور اگر ہو سکے۔ تو اپنے سوز و گداز اور شوق و محبت کا اسیر اظہار کرتے ہوئے دلی جذبات اور کیفیات کا صحیح نقشہ پیش کرے۔ اسیطرح کسی خبر کا انکار کرنیوالے کے سامنے کلام میں تاکید پیدا کرنیوالے الفاظ استعمال کرنا جس رنگ میں معترض اپنا شبہ یا

اعتراض پیش کرے۔ اس کے جواب میں اس قسم کی رعایت ملحوظ رکھنا۔ تنگی وقت اور عجلت کیوجہ سے کلام کو مختصر بیان کرنا۔ اور دوستوں کی پُر لطف صحبت میں کیف آور باتیں اور کلام میں طوالت پیدا کرنا اہل کمال کی مجلس میں رنگین بیانی اور نازک خیالیوں کا ڈھیر لگانا۔ اور سب سے بڑھکر اصل واقعہ کی نقل کرتے ہوئے اسوقت کا صحیح نقشہ لفظوں میں کھینچنا۔ رزم و بزم کی مجلس لگانا۔ مدح و ذم فخر و ہجو تہنیت۔ تعریض۔ شوق اور محبت۔ ظلم و ستم غرض جس مضمون کو بیان کرنا ہو۔ اس کے ادا کرنیکا پیرایہ ایسا نفیس اور دلکش ہو کہ ہو بہو واقعات کے ظاہر ہونیکے وقت کا سماں آنکھوں کے سامنے آجائے۔ یہ تمام باتیں کلام میں بلاغت پیدا کرتی ہیں۔ اس قسم کی اور سینکڑوں خصوصیتیں ہیں جن کی رعایت کرنیسے کلام کا درجہ بلاغت میں بقدر رعایت اونچا اور بلند ہو جاتا ہے۔ جس کلام میں فصاحت کے بعد ان چیزوں کی پوری رعایت ہوتی ہے۔ وہ حسن و لطافت اور اپنی دلکشی اور سریع التاثیر ہونے میں بے مثل ہو جاتا ہے۔ اور جس کلام میں ان باتوں کی پوری رعایت نہیں کیجاتی۔ وہ کلام اسی قدر بلاغت سے دور اور ذوق سلیم پر گراں ہوتا ہے۔

(۱۲۲) ابھی معلوم ہو چکا کہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے جو خصوصیتیں کلام میں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کی رعایت کرنیکا نام بلاغت ہے۔ چونکہ ایسی پیدا ہونیوالی خصوصیات اور مناسبتیں دو چار نہیں ہیں

جن کا خیال رکھنا انسان کیواسطے سہل اور آسانی ہو۔ بلکہ سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔ اسلیئے گفتگو کرنیکے وقت انسانی عقل ان خصوصیتوں کا پورا خیال نہیں رکھ سکتی۔ کسی نہ کسی مناسبت اور خصوصیت سے اُس کی نگاہ چوک جاتی ہے۔ مگر قرآن عزیز میں کلام کے تمام پہلوؤں پر نظر ہوتی ہے۔ ایک شخص جن خیالات اور جذبات کو لیکر گفتگو کرتا ہے۔ اُس کے جذبات کا اظہار۔ حقیقت کا انکشاف۔ خیالات فاسدہ کی تردید۔ اُن کی مذمت اور برائی۔ عقاید اور اعمال کی اصلاح موجودہ یا آئیندہ اعتراضوں کے جوابات ترغیب و ترہیب کلام کو مؤکد بیان کرنا یا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ غرض جن مناسبات کی اس موقعہ پر ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں اُنکی پوری پوری رعایت کیجاتی ہے۔ انسانی عقل کا قصور اور اُس کے نظر کی کوتاہی ان چیزوں کا بیک وقت احاطہ کرنیسے عاجز رہجاتی ہے۔ اسلیئے انسان کتنا ہی فصیح اور بلیغ کیوں نہ ہو۔ مگر وہ قرآن جیسا کلام کبھی نہیں بنا سکتا۔ اس مثال سے سمجھو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔ یعنی اپنا ایمان لانا اور مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ۔ کہ یہ کبھی مسلمان بنے ہی نہیں۔ یعنی یہ بات نہیں ہے۔ کہ کسیوقت اُن پر حق ظاہر ہوگیا تھا۔ اور پھر دین سے نکل گئے۔ بلکہ وہ کسی روز بھی مسلمان نہیں بنے۔ اور جسطرح وہ اپنا ایمان ظاہر کرنیسے پہلے کافر تھے۔ اب بھی وہ اسیطرح کافر ہیں۔ اسقدر جواب دینا کافی تھا۔ لیکن اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کے بعد جس جذبہ کے

ماتحت اُنھوں نے مسلمان ہونا ظاہر کیا تھا۔ اس کو اس طرح بیان کیا۔ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ وہ ایسا کرکے خدا کو اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ پھر اس حرکت کی تردید کرتے ہوئے اسکا بے سود ہونا بلکہ اُلٹا اُنہی کی ذات کو اُس کا ضرر پہونچنا یوں ذکر کیا ہے۔ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ۔ اس دھوکے اور فریب کا نقصان اور ضرر اُنہی کی ذات کو پہونچیگا۔ خدا اور اُس کے رسول کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اب یہاں پر شبہ ہوتا تھا۔ کہ جب اس مکرو فریب کا وبال اور اُس کی ضرر اُنہی کی طرف لوٹتی ہے۔ تو اُنکو اس کا علم کیوں نہیں ہوتا۔ ارشاد ہُوا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنی باطل پرستی اور گناہوں میں پڑے رہنے کی وجہ سے اُن کے حواس کی سلامتی ضائع ہو گئی۔ جسطرح وہ شخص جس کے مزاج پر خون کا غلبہ ہو۔ اُس کو کڑوی چیز بھی میٹھی نظر آتی ہے۔ اسیطرح کفر اور معصیت سے اُن کے دل اس درجہ مانوس ہو گئے ہیں۔ کہ اُن کی نظر میں ان چیزوں کی مطلقاً بُرائی نہیں رہی۔ پھر دھوکا اور فریب دینے کی دو وجہ ایک باطنی اور ایک ظاہری بیان کی۔ باطنی اور روحانی وجہ یہ ہے۔ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا۔ یعنی اُن کے دل پہلے سے گناہوں کیساتھ مانوس تھے اس لیئے اس گناہ کے کرنیکی جرأت اُن میں پیدا ہو گئی۔ ایسا کرنے سے اُنہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ گناہ کرنیکا ذوق و شوق اُن کے دل میں اور زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ گناہ کرنے سے نفس میں اس فعل کی رغبت زیادہ ہی ہوتی ہے کم نہیں ہوتی۔

خدلیعہ اور دہوکا دہی اختیار کرنیکی دوسری ظاہری وجہ یہ تھی کہ
وہ مسلمان اور کافر دونوں کیساتھ ساز باز کرکے اپنا اُلّو سیدھا کرنا
چاہتے تھے۔ البتہ ان دونوں میں اتنا ہی فرق تھا۔ کہ کفاروں کیساتھ دل
سے اور مسلمانوں کو محض زبان سے خوش رکھنا چاہتے تھے۔ اور اس کو
عقلمندی اور ہوشیاری سے تعبیر کرتے۔ اور اس دورنگی کو عالم کا
نظام باقی رکھنے کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ اگلی آیتوں میں اُن کے
ایک ایک خیال کی تردید کی ہے۔ اور نصیحت کو قبول نہ کرنے اور نفاق
اور کذب بیانی پر باقی رہنے کیوجہ سے قیامت کے دردناک عذاب سے
بھی ڈرایا ہے۔

قرآن مجید کا انداز بیان شروع سے لیکر آخر تک اسی طرح چلا
گیا ہے۔

مثال (۲) نصاری کے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے کہ عیسیٰ علیہ
السلام عیاذاً باللہ خدا کے بیٹے یا ثالث ثلثہ ہیں۔ یہ فرمایا گیا۔ اِنَّمَا
اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ اللہ ایک ہی ہے۔ چونکہ توحید بیان کرنے کے بعد
ابنیت کے عقیدے کی تردید کرنی منظور تھی۔ یہ عقیدہ خدا کی نسبت نہایت
درجہ کی گستاخی اور بے ادبی کا پہلو لئے ہوئے تھا۔ اور اُس کا زبان پر لانا
اگرچہ بطور نقل ہی کے ہو۔ مذموم اور بُرا تھا۔ اس لئے اس تردید کو تنزیہ
اور پاکی کے لفظ سے شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ
وَلَدٌ۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے۔ کہ اُس کے کوئی لڑکا یا لڑکی ہو جسپر

ولد نہ ہونے کی دو دلیلیں بھی ذکر کر دیں۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
پ ۶ ع ۳۔ اِس کے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ زمین آسمان کی ہر چیز اُس کی
ملکیت میں اور وہ سب کا مالک ہے۔ اور باپ بیٹے کا مالک نہیں ہوا کرتا۔
اور دوسری دلیل یہ دی۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا۔ اور اس دعوٰی کے ثبوت
میں خدا کا کارساز مطلق ہونا کافی ہے۔

یعنی اولاد کی ضرورت اس لیئے ہوتی ہے۔ کہ باپ دُنیا میں اپنی یادگار باقی
رکھنے کا آرزومند ہے۔ یا مُصیبت کیوقت اس سے مدد لینے کی خواہش
رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ان دونوں باتوں کی حاجت نہیں ہے۔ وہ تمام
جہاں کا کارساز اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانیوالا ہے۔ اُسے کسی
کے مدد کی کیا ضرورت ہے۔ اور جب وہ سب کا کارساز ہے۔ اور تمام مخلوقات
اُس کی دست نگر اور محتاج ہے۔ تو وہ ضرور آخر تک رہیگا۔ اسلیئے اسے کسی
کام چلانے والے کی بھی حاجت نہیں ہے۔ اس کے بعد بتایا۔ کہ مسیح علیہ السلام
جس کو تم خدا کیساتھ ملا رہے ہو وہ خدا کا بندہ بنکر خوش ہوتا ہے۔ (مدعی سُست
اور گواہ چُست) اور تم اُسکو خدا بنائے بیٹھے ہو۔ پھر اپنی شان بے نیازی
عظمت اور کبریائی کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ جو شخص ہماری عبادت کرنے
اور غلامی میں داخل ہونیسے نفرت کرنے۔ یا اپنے آپ کو کھینچے۔ اُس کیلئے
دردناک عذاب ہے۔

مثال (۳) منافقین نے خدمت نبوی صلعم میں حاضر ہو کر آپ کے رسول
ہونے کی گواہی دی۔ اور یہ کہا۔ نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔ ہم دل سے

کہتے ہیں۔ کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

چونکہ منافقین دل سے آپ کے رسول ہونیکے قائل نہ تھے۔ صرف زبانی اقرار کرتے تھے۔ اس قول میں اُنہوں نے یہ دعوٰی کیا۔ کہ ہم آپ کے رسول ہونیکا دل سے اقرار کرتے ہیں۔ اور وہ اس دعوٰی میں بالکل جھوٹے تھے۔ اسلیئے خدا تعالیٰ نے اُنکی تردید کی۔ اور اس زوردار لفظوں میں کی جن کے ذریعہ سے اُنہوں نے اپنا اعتبار قائم کرنا چاہا تھا۔ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکَاذِبُوْنَ ۔ اللہ گواہ ہے۔ کہ منافقین اپنے اس دعوٰی میں جھوٹے ہیں۔ مگر چونکہ اُن کو اس قول میں جھوٹا کہنے سے یہ شبہ ہونیکا اندیشہ تھا۔ کہ وہ آپ کو رسول اللہ کہنے میں بھی جھوٹے ہیں۔ جس سے لازم آتا ہے۔ کہ آپ اللہ کے فرستادہ اور پیغامبر نہیں ہیں۔ اس لئے اس شبہ کا ازالہ منافقین کی تردید کرنیسے پہلے ہی کر دیا۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ آپ بیشک خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ پھر اُن کے دھوکا دہی کا منشاء اور اُن کے لئے کی غلطی۔ ترغیب و ترہیب اور بغرض اصلاح اُن کے افعال شنیعہ پر مذمت وغیرہ بیان کی گئیں۔

(۵/۱۲۳) ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ربُّ العزت مخلوقات کی ان ضرورتوں کا کفیل اور ذمہ دار بن جاتا ہے۔ جس کے پورا ہونے کی اُن میں طاقت نہیں ہوتی۔

اور جب وہ خدا کی عطا کردہ قوتوں کے ذریعہ سے اپنی ضرورتوں کے پورا کرنے کی قابل ہوجاتے ہیں۔ تو خداوندی کفالت اور ذمہ داری اُن

سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ اور اُن کو معاش وغیرہ کے حاصل کرنے میں
ان قوتوں کے استعمال کا محتاج بنا دیا جاتا ہے۔ جس طرح خدا کا یہ معاملہ
اہل عالم کیساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں نظر آتا ہے۔ بالکل یہی حال
قرآن عزیز کے طرز بیان میں موجود ہے۔ جس بات کو انسان اپنی عقل
سے دریافت کر لیتا ہے۔ اُس کا نام تک قرآن کریم میں نہیں لیا جاتا۔
بسا اوقات ایک بات ذکر کی جاتی ہے۔ جس کے اشارہ یا اقتضاء اور
دلالت سے دوسری بات سمجھی جاتی ہے۔ تو اس اشارہ ہی پر اکتفا کر
لیا جاتا ہے۔ اور اُس کو صریح حکم کی شکل میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ اور اس
مقصد کے حاصل کرنیکے لیۓ ایسے الفاظ منتخب کیۓ جاتے ہیں۔ ایسی
ترکیب میں اُن کو لایا جاتا ہے۔ کہ ایک ہی عبارت سے متعدد فائدے اور
مختلف احکام ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید کے ہر ہر لفظ
میں رموز اور نکات کا ایک خزانہ بھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اور جو اعتراض صدیوں
کے بعد لوگوں کے دماغ میں پیدا ہونیوالا ہے۔ اُسکا جواب قرآن عزیز ہی
کے لفظوں میں موجود ہوتا ہے۔

اپنے کلام میں ان تمام باتوں کی رعایت کرنیوالا اور عالم کے دوسرے
معاملات کیساتھ اپنے کلام میں مشابہت پیدا کرنے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا
نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ اس کے بے مثل ہونیکی ہے۔

مثال۔ جس شخص کے ایک لڑکی یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں۔ اور
لڑکا کوئی نہ ہو۔ تو اُس کی میراث اور ترکہ کے تقسیم کرنیکا قاعدہ اور ضابطہ

قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ فَاِنْ کُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ اگر مرنے والے کی وارث محض لڑکیاں ہی ہوں۔ اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ تو ایک لڑکی کل جائیداد کا آدھا لیگی۔ اور اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں۔ تو تمام لڑکیونکو دو تہائی دینا چاہیے۔

ایک اور دو سے زیادہ لڑکیوں کا حال تو بیان کیا گیا۔ لیکن اگر کسی شخص کی وارث ۲ لڑکیاں ہوں۔ تو انکا حصہ میراث میں سے کتنا ہوگا۔ اسکا ذکر قرآن شریف میں صریح طور پر کسی جگہ نہیں آیا۔ کیونکہ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں وارث ہوں۔ تو جائیداد کے تقسیم کرنیکا طریقہ اس طرح بیان کیا ہے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے۔ یعنی اگر کسی کے وارث ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہو۔ تو کل جائیداد کو ۳ حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ جسمیں سے دو تہائی لڑکے کا اور ⅓ لڑکی کا ہے۔

اس صورت میں ایک لڑکی کا حصہ ⅓ ہے۔ اور دو لڑکیوں کی برابر یعنی ⅔ لڑکے کا ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہوگیا۔ کہ دو لڑکیوں کا حصہ میراث میں ⅔ ہے۔ دوسرے جب لڑکی اپنے بھائی کیساتھ ⅓ کی مالک ہو جاتی ہے۔ باوجودیکہ بھائی کا درجہ اُس سے زیادہ ہے۔ تو ایک بہن کیساتھ جو قوت میں اسی کے برابر ہے۔ بدرجہ اُولیٰ ⅓ کی مالک ہوگی۔ جب لڑکی ⅓ کی مالک ہے۔ تو ۲ لڑکیاں یقیناً ⅔ کی وارث ہونگی۔

تیسرے دو بہنوں کا حصہ ⅔ قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ لڑکیاں رشتہ

ہیں بنسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں۔ تو وہ بدرجہ اولیٰ ⅔ کی مالک ہونی چاہئیں۔ چونکہ ان آیتوں کا ذکر اس طرح کیا گیا تھا۔ کہ اس سے ۲ لڑکیوں کا حصہ بالکل ظاہر اور واضح تھا۔ اس لیے اسکو صراحۃً بیان کرنیکی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اِدہر اُن آیتوں کا کمال بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ مختصر ہونیکے باوجود بہت سے معانی پر حاوی ہیں۔ اور جو علم میراث سے واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ پچاس صفحہ کا مضمون وراثت قرآن عزیز میں ایک صفحہ کے اندر کس خوش اسلوبی کیساتھ درج کیا گیا ہے۔

الفاظ کی جامعیت کا بیان اگلی دلیل سے ظاہر ہو جائیگا۔

(دلیل نمبر ۱۱) جس طرح قدرت نے مخلوقات میں جو چیز جس جگہ رکھدی ہے۔ اُسکو ایسی جگہ رکھنے سے مطلوبہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اگر اسمیں معمولی تبدیلی یا تغیر پیدا کر دیا جائے۔ تو اس شکل کی خوبصورتی نہیں رہتی۔ اور غرض فوت ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔

اگر اس میں کسی جگہ سے ایک لفظ ہٹا کر اُس کی جگہ اُسی کے ہم معنی دوسرا لفظ رکھدیا جائے۔ تو عبارت کی روانی اور کلام کی رونق جاتی رہتی ہے۔ اور جس غرض سے پہلا لفظ ذکر کیا گیا تھا۔ وہ غرض بھی باقی نہیں رہتی۔ مثال مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (جو کچھ دل نے دیکھا وہ صحیح دیکھا) فؤاد اور قلب یہ دونوں لفظ عربی زبان میں ہم معنی اور مترادف ہیں۔

اگر اسی آیت میں بجائے الفؤاد کے القلب رکھدیں۔ اور یوں

کہیں۔ مَا کَذَبَ الْقَلْبُ مَا رَاٰی ۔ تو کلام کی خوبی جاتی رہے گی۔ کیونکہ جو تناسب اور توازن اسجگہ لفظ فواد کو حاصل ہے۔ وہ قلب کو ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ قلب کی ب اور ما کی م نے جمع ہوکر تناسب اُڑا دیا۔ اسیطرح اگر اس آیت میں اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ ۔ بیشک اسمیں اِن لوگوں کیواسطے نصیحت ہے جن کے پاس دل ہے۔ اور وہ کان لگاکر اس کلام کو سُنتے ہیں۔ بجائے قلب کے فواد رکھدیا جائے۔ تو پھر کلام کی حلاوت اور شیرینی رخصت ہوجائیگی اس کے علاوہ یہاں قلب کے معنی عقل کے بھی لگ سکتے ہیں۔ اور یہ بات فواد میں نہیں ہے۔ اور القی السمع وھو شہید نے تو کلام میں وہ لطافت پیدا کی ہے۔ کہ اگر اس کی جگہ اس معنی کو ادا کرنیکے واسطے کوئی دوسرا لفظ رکھا جائے۔ تو یہ خوبی اور حسن کلام میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

مثال (۲) لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ۔ جو شخص نیکی کرتا ہے۔ اُسکا فائدہ اُسی کیلئے ہے۔ اور بدی اور گناہ کا کام کرتا ہے۔ اُس کا نقصان بھی اُسی کو پہونچیگا۔

کسب کے معنی کمانا۔ اور اکتساب کے معنی شوق اور کوشش سے کمانا ہیں۔ چونکہ انسان طبعی طور پر بدی کیطرف زیادہ راغب ہے۔ اور گناہ کے کاموں میں اُسکو لذت معلوم ہوتی ہے۔ اسلیئے جو شوق اور رغبت انسان کو گناہ کے کرنے میں ہوتی ہے۔ وہ نیکی کے کام میں نہیں ہوتی۔ اسلیئے آیت میں بدی کیلئے اکتسبت اور نیکی کیواسطے کسبت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اگر اکتسبت کی جگہ اُسی کے ہم معنی کوئی لفظ فَعَلَتْ۔ صَنَعَتْ۔ اِجْتَرَحَتْ عَمِلَتْ وغیرہ میں سے رکھدیا جائے۔ تو موجودہ غرض کبھی حاصل نہ ہوگی۔ اور کلام کی روانی جاتی رہیگی۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر اور اُسکو آگے پیچھے کرنے سے کلام کی لطافت اور مقصود اصلی جاتا رہتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی تبدیلی قرآن ہی کے الفاظ سے ہو۔ مگر جس آیت میں جو لفظ مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں غرض تقدیم ہی کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ اور جس جگہ اس لفظ کو بعد میں بیان کیا ہے۔ وہاں اُسکا پیچھے ہی ہونا مناسب ہے۔ مثال۔ قُلْ اِنْ تُخْفُوْ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ اَوْ تُبْدُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ۔ جو بات تم اپنے دل میں چھپاتے ہو۔ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اس آیت میں اخفاء کے ذکر کو اظہار کر نیپر مقدم کیا ہے۔ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْتُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ۔ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جو بات تم چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے اُس پر محاسبہ اور بازپرس کریگا۔

اس آیت میں ابداء اور اظہار کو اخفاء سے پہلے بیان کیا ہے۔ مگر چونکہ پہلی آیت میں خدا کا علمی احاطہ بیان کرنا اور کافروں کے اس خیال کی تردید کرنی مقصود ہے۔ کہ وہ چھپی ہوئی بات کو نہیں جان سکتا۔ اس لیئے پہلے خفی اور پوشیدہ امور کے جاننے کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس موقعہ میں اس بات پر زور دینے کی ضرورت زیادہ تھی۔ اور دوسری آیت میں اعمال کا محاسبہ اور اُن پر بازپرس کرنیکا بیان تھا۔ اور خدا کا علمی احاطہ بتانا مقصود نہیں تھا۔

اس لیے ابداء کو اخفاء پر مقدم ذکر کیا گیا۔ کیونکہ ظاہری عملوں پر محاسبہ کرنا چھپے ہوئے اعمال کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔

غرض قرآن مجید کا ہر لفظ اپنی جگہ پر موتیوں کی طرح ٹکا ہوا ہے۔ اُس کو وہاں سے ہٹانا اُس کی خوبصورتی اور غرض کو ضایع کرنا ہے۔ اگر قرآن مجید کے کسی لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھکر اصلی غرض کو حاصل کرنا چاہیں۔ تو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ مقصد تو اسی صورت میں نصیب ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآن عزیز کے الفاظ اور اُن کی وضع اور ترکیب کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ ورنہ کلام کی حلاوت اور شیرینی کیساتھ ساتھ مقصود اصلی بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

مثال۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ عورتوں میں سے جس عورت کو تم چاہو۔ اُس سے نکاح کرو۔ دو دو یوں یا تین تین یا چار چار اس آیت میں اس بات کی اجازت دی گئی۔ کہ جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو۔ اگر ایسی عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو۔ تو چار تک کر سکتے ہو۔ پھر اسمیں تعمیم ہے۔ کہ خواہ سارے مسلمان دو ہی کریں۔ یا تین تین اور چار چار کریں۔ یا کوئی دو عورتیں کرے۔ اور کوئی تین اور چار کرے۔ مگر چار سے زیادہ نہ کرے۔

یہ معنی انہی لفظوں کیساتھ حاصل ہو سکتے ہیں۔ اگر مثنٰی وثلاث و رباع کی جگہ اثنین وثلثًا وارْبعًا رکھدیا جائے۔ تو ان اعداد کا مجموعہ مراد ہوگا۔ محض دو یا محض تین اور چار مراد نہیں رہیگا۔ کیونکہ جب

یوں کہا جاتا ہے۔ کہ ان لوگوں کو دو دو روپیہ دے دو۔ تو اُس کی مراد صرف دو دو روپے ہوتے ہیں۔ اور اگر دو اور ڈیڑھ روپیہ دیدو کہیں۔ تو اُس سے چار روپے دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر مثنیٰ وثلاث ورباع میں بجائے واؤ کے لفظ او آجائے۔ تو پھر یہ معنی ہونگے۔ کہ تمام مسلمان ان تینوں عددوں میں سے جونسا ایک عدد چاہیں وہ منتخب کریں۔ اگر دو کرتے ہیں۔ تو پھر سارے دو دو ہی عورتیں کیا کریں۔ اور تین چاہتے ہیں۔ تو سب تین ہی عورتیں کریں۔ اس بات کی اجازت نہ ہوگی۔ کہ کوئی ایک کیے۔ اور کوئی دو بلکہ سب کو اپنا حال ایک جیسا کرنا پڑیگا۔

غرض اس قسم کی خوبیاں انسان کے کلام میں کبھی نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ وہ اُنکو نباہ سکتا ہے۔ یہی وجہ قرآن عزیز کے بے مثل ہونیکی ہے۔

(۱۲۵) فن انشا پردازی اور علم ادب میں ایک فصیح اور بلیغ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے۔ کہ وہ اصلی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے مرقع نگاری کا خاص طور پر لحاظ رکھے۔ یعنی واقعات کی ایسی پوری پوری تصویر کھینچے کہ واقعہ کے ظاہر ہونیکے وقت کا سماں اُس کے موقع اور محل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے اصلی شکل میں نظر آنے لگے

مثلاً جو شخص رزمیہ مضامین لکھنا۔ اور میدان جنگ کا نقشہ کھینچنا چاہے۔ تو اُسکو لڑائی کے متعلق تمام جزئیات اور حالات کا احاطہ کرنا۔ اور اُنکا خیال رکھنا ضروری ہوگا۔ معرکہ آرائی۔ لشکر کشی۔ سامان حرب و ضرب۔ فتح و شکست۔ سفر و حضر۔ فریقین کی چالیں۔ قید و بند۔ دشت نوردی بادیہ

بہیائی غرض اس طرح کے سینکڑوں جزئیات ہیں جنکا لحاظ رکھنا اور اُن کو ہو بہو ادا کرنا مرقع نگاری کا کمال ہے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کیلئے دو چیزونکا ہونا ضروری ہے۔

اول زبان پر ایسا حاوی اور اُسپر ایسی قدرت رکھتا ہو۔ کہ واقعات کا نقشہ کھینچنے کیوقت وہ فصیح الفاظ کا خزانہ اُلٹ دے۔ دل آویز اور سلیس عبارت میں لفظونکا پرا جما دے۔

دوسرے اگرچہ واقعہ نگار کو اصل واقعہ کے متعلق اجمالی علم ہو لیکن مرقع نگار کا فرض ہے کہ وہ اس واقعہ کے تمام جزئیات اور حالات اپنی طبیعت سے گھڑ کر اس تناسب اور موزونیت کیساتھ ادا کرے۔ کہ سننے والے کو واقعہ کی نسبت مطلقاً شک نہ ہو۔ اور وہ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگے۔

جیسے فردوسی میدان جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے ؎

جہاں لرزلرزاں شد ودشت وکوہ + زمیں شد زنعل ستوراں ستوہ

برآمد زہر سو لشکر خروش + ہمے پیل را زاں بدرید گوش

ان اشعار میں جنگ کی ساہمی اور جوش وخروش کو ظاہر کرنیکیلئے جوشیلے الفاظ اور زوردار جملوں کا تودہ لگا رکھا ہے۔

میر انیس فوج کی تیاری اور سامان جنگ کے متعلق کہتا ہے۔

شعر

اُمڈی ہوئی تھی فوج یہ فوج اور دل یہ دل۔

تھے برچھیوں کمصورت سنوراض ہیلا پہیل۔

خنجر وہ جس کی آب میں تھی تلخی اجل
وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل

ہنگامہ جنگ پہ کہتا ہے ؎

نقارہ وغا پہ لگی چوب یک بیک + اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراساں ہوئے ملک + قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک
شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے + مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

ابن دراج اندلسی نے ایک قصیدے میں اپنے شیر خوار بچہ کی اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جبکہ وہ اُس سے جُدا ہونیلگا ہے۔ اور بچہ زبان سے تو کچھ نہیں کہتا مگر حسرت بھری نگاہ سے جدائی کے غم کو ظاہر کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

عَیِیٌّ بِمَرْجُوعِ الْخِطَابِ وَلَحْظُہٗ + بِمَوْقِعِ اَھْوَاءِ النُّفُوْسِ خَبِیْرٌ

اگرچہ وہ بات کا جواب دینے سے عاجز ہے۔ مگر اُسکی آنکھ محبت کے واقع ہونے کی جگہ سے خوب واقف ہے۔ یعنی وہ ان اداؤں کو جانتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ عرب کا مشہور فصیح و بلیغ شاعر امرء القیس لکھتا ہے ؎

وَیَوْمَ دَخَلْتُ الْخِدْرَ خِدْرَ عُنَیْزَۃٍ + فَقَالَتْ لَکَ الْوَیْلَاتُ اِنَّکَ مُرْجِلِیْ
تَقُوْلُ وَقَدْ مَالَ الْغَبِیْطُ بِنَا مَعًا + عَقَرْتَ بَعِیْرِیْ یَا امْرَأَ الْقَیْسِ فَانْزِلِ

جس روز میں عنیزہ کے کجاوہ میں اُس کیساتھ بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا تیرا برا ہو تو مجھے پیدل چلائیگا۔ اور جب ہم دونوں سے کجاوہ ایکطرف جھک گیا۔ تو وہ

کہنے لگی۔ کہ اُمراء القیس تو نے مرے اُونٹ کی کمر لگادی ہے۔ تو اُتر جا۔ ان دونوں شعروں میں شاعر نے اپنی محبوبہ عنیزہ کیساتھ بیٹھنے اور کجاوہ کا ایک طرف جھک جانے کیوجہ سے عنیزہ کا اُسکو اُتارنے کا حال بیان کیا ہے۔ اور اس مطلب کو ادا کرنے کیلئے صریح الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر یہ ظاہر نہ کیا۔ کہ کجاوہ کا ایک طرف جھکنا بوجھ کیوجہ سے تھا یا دھینگا مشتی اور چھیڑ چھاڑ کرنے کی وجہ سے۔ ان تینوں زبانوں کے شاعروں نے واقعات کی۔ تصویر کھینچنے کیلئے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو مرقع نگاری پر صراحۃً دلالت کرتے تھے۔ چونکہ واقعات کی تصویر کھینچنا۔ اصلی واقعہ کے نقل کرنیسے بالکل الگ اور زائد چیز ہے۔ اس لئے ایک لائق ادیب اور ماہر انشاء پرداز کو واقعہ نگاری کیوقت ایسے الفاظ اور جملوں کے فراہم کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔ جو واقعات کا نقشہ قائم کرنے میں صریح طور پر مدد دیں۔ اور اگر ان لفظونکو چھوڑ کر ان الفاظ پر اکتفا کیا جائے جن سے نفس واقعہ کا علم ہو۔ تو انسان سے مرقع نگاری کا فرض کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے واقعات کی تصویر کھینچنے کیوقت بہت سی چھوٹی باتیں اصلی واقعہ سے زیادہ اپنی طرف سے لگانی پڑتی ہیں۔ مگر قرآن عزیز کی واقعات نگاری اس سے بالکل ہی جدا ہے۔ اس میں حالات کا نقشہ موقع اور محل کی تصویر کھینچنے کیلئے ایسے لفظونکو استعمال کیا جاتا ہے۔ جن کا مفہوم اصلی مراد سے زائد نہو۔ یا یوں کہا جائے۔ کہ قرآن مجید میں صریح لفظوں کے ذریعہ سے واقعات کا نقشہ پیش نہیں کیا جاتا جیسا کہ انسان کے کلام میں ہوا کرتا ہے۔ بلکہ اصلی مراد کو ذکر کرنے کے وقت اسکا

طرزِ بیان اور ادا کرنیکا پیرایہ ایسا عجیب ہوتا ہے۔ کہ اس سے واقعات کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی ہے۔ بندش کی خوبی اور جملوں کی نفیس ترکیبیں لفظوں کا انتخاب ایسے طریقہ پر کیا گیا ہے۔ کہ وہ وجدانی کیفیات کا صراحتہ نام لیے بغیر دلی جذبات اور نفسانی کیفیتوں اور اس مقام کی خصوصیات پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان چیزوں کے ظاہر کرنے کیلئے انسان کیطرح صریح لفظوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کو اپنی طرف سے رنگ آمیزیاں اور جھوٹی باتیں بنا کر مرقع نگاری کرنیکی حاجت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ انسان اپنے کلام میں ہر جگہ واقعات کا نقشہ پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس میں بہت سے جزئیات پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ جنکا ہر دفعہ پورا پورا خیال رکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ مگر قرآن مجید کا اندازِ بیان کسی جگہ بھی نہیں بدلا۔ شروع سے لیکر آخر تک یہی حال ہے۔

مثال (۱) حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کی بداعمالیوں سے سخت تنگ آئے ہوئے ہیں۔ ادھر قوم کا ذوق و شوق اس بدفعلی میں ترقی پر ہے۔ ان دونوں کے دلی جذبات اور وجدانی کیفیتوں کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں اصل واقعہ کو ظاہر کرتے ہوئے کس خوش اسلوبی کیساتھ کھینچا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ۔ جب خدا کے فرشتے نو عمر لڑکوں کی شکل میں لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے۔ تو وہ اُن کیوجہ سے غمگین ہوئے۔ اور دل تنگ ہونے لگا۔ اور کہا۔ کہ آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ یعنی اُنکو اس بات کا خوف اور ڈر ہوا

کہ مبادا میری قوم کو ان کے آنیکی خبر ہو جائے۔ اور وہ اُنکا قصد کریں۔ اور میں اُنکی مدافعت نہ کر سکوں۔ ان خیالات کے جمع ہونیسے جو اضطراب اور بےچینی اُن کے دلمیں پیدا ہوئی ہے۔ اُسکو اصل واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ضمنی طور پر غیر صریح لفظوں میں بیان ہے۔ اضطرب وخاف وتحیّر فی امرہم یعنی بےچین ہوا ڈرا۔ اور اُن کے بارے میں متحیّر اور پریشان ہوا۔ نہیں کہا جو اس مراد پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں۔ آگے لوط علیہ السلام کی قوم کی وجدانی کیفیت اور دلی جذبات کی تصویر کھینچی ہے۔ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ۔ لڑکوں کی خبر سن کر اُن کے پاس قوم بے تحاشا بھاگتی ہوئی آئی۔ لفظ یُھرَعُونَ نے اُن کے دلی جذبات اور بد اخلاقی کا فوٹو کھینچ کر رکھدیا ہے۔ کیونکہ اس کے معنی گرتے پڑتے۔ اندھا دھند بھاگتے ہوئے آنا ہیں جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ انکی قوم اس بدفعلی میں اسدرجہ انہماک اور غلو رکھتی تھی۔ کہ جہاں کہیں ہی اُنکو یہ بات نظر آتی۔ پھر اُن سے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ آگے اس بد اخلاقی کا ذوق وشوق پیدا ہونیکی وجہ اور علت بیان کی ہے۔ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ۔ اس سے پہلے بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ آپ لوط علیہ السلام اور اُن کی قوم کا مکالمہ اور آپس کی گفتگو نقل کرتے ہوئے حضرت لوطؑ کی پریشانی اور قوم کی بیہودہ اور لغو حرکتوں سے نفرت اور اُنپر غصہ کی وجدانی حالت اِدھر لوط علیہ السلام کو اپنی بیکسی اور تنہائی کا خیال ان تمام حالات کا سماں اس طرح باندھا ہے۔

قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي

ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔ اے میری قوم کے لوگو یہ میری لڑکیاں ہیں تم اُن سے نکاح کر لو۔ یہ تمہارے واسطے پاک اور ستھری ہیں۔ خدا سے ڈرو۔ اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے ذلیل اور رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک آدمی بھی صلاح کار نہیں ہے۔ لفظ یا قوم اور لا تخزون لوط علیہ السلام کی بیکسی اور مجبوری پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ہولاء بناتی میں اضطراب اور بیچینی کا اظہار ہے۔ اور الیس منکم رجل رشید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوط علیہ السلام کو اس حرکت کیوجہ سے قوم پر سخت غصہ ہے۔ لیکن مغلوب اور بے یار و مددگار ہونیکے سبب اس لفظ سے زیادہ اپنی قوم کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پھر قوم کی اس کام کیلئے انتہا درجہ کی گمراہی کو ظاہر کیلئے۔ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنَاتِکَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ۔ قوم نے کہا۔ تو جانتا ہے۔ کہ ہمیں تیری لڑکیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور جو ہمارا ارادہ ہے۔ تو اس سے واقف اور باخبر ہے۔ لوط علیہ السلام اپنی قوم کا یہ جواب سنکر مایوس اور مضطرب ہو کر فرماتے ہیں۔ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۔ کاش تمہارے مقابلہ کی مجھ میں قوت ہوتی یا کوئی مرا قوی اور زبردست مددگار ہوتا۔ اس تمام بیان میں طرفین کے دلی جذبات کا کسقدر صحیح اور ہو بہو نقشہ کھینچا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی ان حالات پر دلالت کرنے کیلئے صریح الفاظ ذکر نہیں کئے۔

جب ان آنیوالے مہمانوں نے لوط علیہ السلام کی بیچینی بڑھتی ہوئی دیکھی۔ تو انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ اور بتایا کہ ہم انسان نہیں ہیں۔ بلکہ خدا کے فرشتے ہیں۔ اس قوم کو ہلاک کرنے کیلئے آئے ہیں۔ وَاِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ۔ اور یہ کل صبح ہلاک

کردیئے جائینگے۔

لوط علیہ السلام جو اپنی قوم سے نہایت تنگ آئے ہوئے تھے جب قوم کی ہلاکت کا حال سُنتے ہیں۔ تو بیچینی اور اضطراب قوم کیطرف سے جاتا رہتا ہے۔ اور اب یہ شوق ہوتا ہے۔ کہ وہ گھڑی کب آئیگی جبکہ یہ ناہنجار قوم اپنے کیفر کردار کو پہونچیگی۔ اس شوق کیوجہ سے اضطرابی کیفیت جو دل میں پیدا ہوئی۔ اُس کو اگلی آیت میں ظاہر کیا ہے۔ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۔ یعنی اسقدر جلدی کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔

مثال (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں جبکہ اُنکی عمر ۱۲۰ برس کی اور اُنکی بیوی حضرت سارہ ۹۹ برس کی ہو جاتی ہے۔ ایک لڑکے کے پیدا ہونیکی بشارت اور خوشخبری دیجاتی ہے۔ یہ بات سُنکر اُنکی بیوی کو حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ اور تعجب کرنیکے وقت اُن کے دلمیں ایک عزت اور حیا اور تحیر کا طوفان اُٹھتا ہے۔ اور اسمیں بیچینی اور ایک اضطرابی لہر پیدا ہوتی ہے جسکو ان لفظوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔ وَ اَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ۔ وہ یہ بات سُنکر چیختی ہوئی آئی۔ اور اپنے مُنہ پر ایک طمانچہ مارا۔ اور کہا بڑھیا بانجھ یعنی میں بڑھیا ہو گئی ہوں۔ بچہ جننے کا زمانہ نہیں رہا۔ میرے لڑکا کسطرح ہوگا۔ ان خیالات سے جو دلمیں ایک بیچینی اور اضطراب کیساتھ ساتھ حیا اور شرم پیدا ہوئی۔ اس حالت کا نقشہ غیر صریح لفظوں میں کس عمدگی اور خوش اسلوبی کیساتھ کھینچا گیا ہے۔ آدمی کی عادت ہے کہ جب کوئی حیرت اور تعجب کی بات اچانک سنتا ہے۔ تو اپنی کہتا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں سے حرکت کرتا ہے۔ اس حالت کو فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا سے بیان کیا ہے۔ کہ جس سے بہتر ادا کرنے کیلئے کوئی اور لفظ نہیں ہیں۔ ناظرین کو ان دو مثالوں سے قرآن عزیز کی مرقع نگاری کا حال معلوم

ہو گیا ہوگا۔ کہ یہاں نہ تو جھوٹ کی آمیزش ہے۔ اور نہ سماں باندھنے کیلئے لفظوں کی بھرمار ہے۔ اصلی واقعہ کے بیان کرنیسے ذرا تجاوز نہیں کیا جاتا۔ پھر مرقع نگاری کا اعلیٰ درجہ یعنی دلی جذبات اور موقعہ ومحل کی خصوصیتوں کا خاکہ اور فوٹو ہو بہو کھینچدیا جاتا ہے۔ اور یہ بات کسی انسان کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اور نہ انسان دوسرے کے دلی جذبات اور اندرونی احساسات کا پورا اندازہ لگاکر اُسکا صحیح چربہ اُتار سکتا ہے۔ والحمد للہ علی ذٰلک وما کان ھذا من سعیی۔

(۵) دنیا میں جسقدر چوٹی کے فصیح اور بلیغ انسان گذرے ہیں۔ یا جتنے شاعر اُستاد ملنے کہے انمیں سے ایک بھی ایسا نہ نکلے گا جسکا تمام کلام اوّل سے لیکر آخر تک فصاحت وبلاغت الفاظ کی سادگی اور دلآویزی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچا ہوا ہو۔ تمام دیوان میں ایکدو غزل یا قصیدہ اور سارے قصیدہ میں دوچار شعر ہی عمدہ اور سلیس ہوتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی ماہر انشاپرداز اور علم ادب کا اُستاد ایک طویل اور ضخیم کتاب لکھنے بیٹھتا ہے۔ تو وہ سب جگہ کلام کی روانی اور عبارت کی سلاست قائم نہیں رکھ سکتا۔ کسی نہ کسی جگہ کلام میں اختلال ضرور واقع ہوجاتا ہے۔ اگر اُسکا کچھ حصہ حسن ولطافت میں اعلیٰ درجہ پر واقع ہوتا ہے۔ تو اسی کلام کا بعض حصہ مبتذل اور پامال یا ردّی اور خراب بھی ضرور نظر آتا ہے۔ مگر قرآن مجید جو تقریباً ایکہزار صفحہ کی کتاب ہے۔ اس قسم کے اختلال اور کمزوری سے بالکل پاک ہے۔ باوجود اسقدر ضخیم اور طویل ہونیکے ایکجگہ بھی اُسکی فصاحت اور بلاغت میں فرق نہیں آیا۔ ہر موقع پر بندش کی خوبی اور کلام کی سادگی اور سادگی کیساتھ سلاست اور برجستگی لطیف استعارے۔ نادر تشبیہیں موجود ہیں۔ تمام آیتیں ایک دوسرے کیساتھ فصاحت اور بلاغت میں متشابہ اور متناسب ہیں۔ عجیب نکتے اور حکمت کی باتیں انمول موتیونکیطرح ہر صفحہ پر بکھری ہوئی نظر آرہی ہیں۔ قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت کے ایسے درجہ پر واقع ہو۔ جسکا جواب دینا اور مقابلہ کرنا انسان کیواسطے ممکن ہو۔ بلکہ ہر ایک آیت اعجاز کے انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی ہے جسکی نقل اُتارنا انسانی قدرت اور اُسکے اقتدار سے کوسوں دور ہے

انسان علمی قوتوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے اپنے کلام میں طویل اور دراز ہونے کے باوجود فصاحت اور بلاغت کی پوری رعایت نہیں رکھ سکتا۔ کہیں نہ کہیں اس سے لغزش ضرور ہو جاتی ہے اس کے برخلاف قرآن مجید میں عبارت کی سادگی اور کلام کی روانی اس کے لفظوں کی فصاحت اور دل آویزی اور بلاغت کے اصولوں کی رعایت کسی جگہ بھی فوت ہونے نہیں پاتی۔ اسلیے معلوم ہوا۔ کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں۔

(۱۲) انسان کیسا ہی سحر نگار اور جادو بیان شاعر اور انشاء پرداز کیوں نہ ہو۔ مگر وہ ہر ایک مضمون کو خوش اسلوبی اور فصاحت کیساتھ ادا نہیں کر سکتا۔ جس مضمون سے اس کی طبیعت کا لگاؤ ہوتا ہے۔ اور جس چیز کیساتھ اس کے دل کو قدرتی طور پر مناسبت ہوتی ہے۔ اس کو ادا کرنیکے وقت اس کے کلام میں فصاحت کیساتھ ساتھ سادگی اور روانی برجستگی اور سلاست خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ اور جن چیزوں کیطرف طبیعت کا میلان اور جھکاؤ نہیں ہوتا۔ وہاں نہ کلام میں چستی نظر آتی ہے۔ اور نہ الفاظ کی بندشوں میں کوئی خوبی عبارت کی روانی اور اس کی سلاست بالکل کافور ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کی طبیعت ہجو میں زیادہ چلتی ہے۔ اور بعض مدح گوئی اور تعریف میں یکتا اور طاق ہوتے ہیں۔ بعضوں کا کلام غزل میں اعلیٰ پایہ پر ہوتا ہے جب وہ قصیدہ لکھنے بیٹھتا ہے۔ تو اس سے ایک لفظ بھی اچھی طرح نہیں لکھا

جاتا۔ اور بعضے قصیدہ گوئی میں اُستاد مانے جاتے ہیں۔ جب اُن کا کلام غزل میں دیکھا جاتا ہے۔ تو بالکل پھیکا اور معمولی نظر آتا ہے۔ کسی کو وعظ و پند کے بیان کا ملکہ حاصل ہے۔ کوئی مذاقیہ جملوں اور دل لگی کی باتوں میں زباندانی کے جوہر دکھاتا ہے۔ کوئی حرب و ضرب اور میدان جنگ کا نقشہ لفظوں میں کھینچ کر رکھ دیتا ہے۔ کسی کو مرثیہ گوئی میں بڑا کمال ہوتا ہے۔ اور رزم بزم کی مجلسوں میں اس کی طبیعت بالکل نہیں چلتی غرض دنیا کا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہے۔ جو ہر میدان میں یکتا تازی کے جوہر دکھائے اور ہر مضمون کو اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کر سکے۔ امرءالقیس نابغہ اور زہیر عرب کے فصیح اور بلیغ شاعروں میں سے ہیں۔ مگر ان تینوں کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ نابغہ کی فصاحت ڈرانے کے وقت اور زہیر کی زباندانی ترغیب دینے کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ اور امراءالقیس جیسا سوار ہونے کے وقت چمکتا ہے۔ سواری کے جانور اور اس کے سوار کی تعریف میں زبان کے جوہر دکھاتا۔ وہ بیان کی نزاکت دوسرے موقعہ پر اس سے ظاہر نہیں ہوتی۔ مگر قرآن عزیز دنیا میں ایک ایسی کتاب ہے۔ جس میں تاریخ۔ وعظ حکمت کی باتیں مسائل ترغیب و ترہیب مثالیں وعدہ وعید۔ اخلاقیات معاملات امور زندگی کے انصرام کے طریقے مرنے بعد کے خیالات صحیح عقیدوں کا بیان خیالات فاسدہ کی تردید تمدن اور معاشرتی اصول کی تشریح وغیرہ وغیرہ بہت سے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی الفاظ کی سلاست بندش کی چستی ترکیب کی خوبی بلاغت کا اہتمام فوت نہیں ہوا۔ ہر قسم کا

مضمون اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت میں ادا کیا گیا ہے۔ اور کلام کا زور کسی جگہ بھی گھٹنے نہیں پایا۔ یہ بات انسانی کلام میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ قرآن عزیز خدا تعالیٰ کی کتاب ہے۔

۱۲۸ نماز اور روزے احکام حج زکوٰۃ کے مسئلے عقاید اور اعمال کا بیان قصے اور وعظ گوئی۔ قیامت کے حالات جنت اور دوزخ کا ذکر کافروں کی مذمت ایمان دار اور نیک عمل والوں کی مدح حمد و نعت اصول معاشرت وغیرہ ایسے پھیکے مضامین ہیں جن کو بیان کرتے وقت ایک فصیح اور بلیغ انسانی کلام کا حسن بیان لطافت تحریر کا زور اور عبارت کی روانی الفاظ کی سلامت بندشوں کی چستی قائم نہیں رکھ سکتا۔ نادر تشبیہیں اور عجیب استعارے بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور جب تک بہت سا جھوٹ اپنے پاس سے نہ لگاوے کلام میں خوبی پیدا کرنی اس کیلئے دشوار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سے ماہر انشا پرداز اور جادو بیان شاعروں کے کلام میں جو انہوں نے حمد و نعت میں لکھا ہے۔ وہ زور نظر نہیں آتا۔ جو حسن و عشق رزم و بزم کے مضامین میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں باوجودیکہ اعمال و اخلاق وعظ و پند وغیرہ جیسے پھیکے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں ذرہ برابر جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے۔ لیکن کلام کی فصاحت اور بلیغ استعارے بیان کی سادگی اور الفاظ کی سلامت تحریر کا زور کسی جگہ کم نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جو انسانی کلام میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب ہے۔

(۲۹) انسان جب ایک قصہ کو کئی مرتبہ لوٹائے۔ اور ایک مضمون کا بار بار
تکرار کرے۔ تو وہ ہر دفعہ کلام میں بلاغت کا التزام اور ہر ایک جملہ میں ادبی
نکتوں کی رعایت نہیں رکھ سکتا۔ لیکن قرآن کریم میں باوجودیکہ ایک واقعہ
کو متعدد جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور ایک مضمون کا اعادہ مختلف شکلوں
میں ہوتا ہے۔ مگر کلام کی خوبی اور اس کے حسن میں کسی جگہ فرق نہیں آتا۔
اسی کا نام علم بیان ہے۔ کہ ایک مضمون کو مختلف پیرایہ میں ادا کیا جائے۔
مگر کسی جگہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی روانی اور بلاغت کا خیال ہاتھ سے
نہ چھوٹے۔ ایسے موقعوں میں بڑا کمال قرآن عزیز کا یہ ہے۔ کہ ایک مطلب جتنی
شکلوں میں ادا کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا بہتر پیرایہ اس مضمون
کے ادا کرنے کے لئے نہیں ہو سکتا۔ مثال جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے
اہل و عیال کے ساتھ مصر کو جاتے ہوئے راستہ بھول کر کوہ طور کے پاس جا
نکلے۔ رات ہو گئی۔ اور سردی کی وجہ سے آگ کی تلاش میں ہوئے سامنے سے
پہاڑ پر ایک روشنی نظر آئی۔ تو اہل و عیال کو وہیں چھوڑ کر راستہ دریافت
کرنے یا آگ لینے کے خیال سے روشنی کی طرف جاتے ہوئے جو گفتگو انہوں نے
اپنی اہل سے کی ہے۔ اس کو ایک سورت میں اسطرح ذکر کیا ہے۔ فَقَالَ اٰنَسْتُ
نَارًا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ
و سورۃ طٰہٰ میں یوں بیان فرمایا ہے۔ لَعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ
عَلَى النَّارِ هُدًى۔ اسی مضمون کو دوسری جگہ اس طرح یاد فرمایا ہے۔
لَعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ ایک ہی مضمون

لو کتنے بلیغ پیرایوں میں ادا کیا ہے۔ ہر ایک کلام بلاغت کی انتہائی رفعت اور بلندی پر پہونچا ہوا اور عجیب نکتوں اور ادبی خوبیوں پر حاوی اور مشتمل ہے۔ جس کی وجہ سے کسی ایک فقرہ کی مثال لانی۔ اور اس جیسا کلام بنانا انسانی طاقت سے دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ اور یہ ایک جگہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں سینکڑوں موجود ہیں۔ اور اسی لیے یہ کتاب یکتا اور بے مثل ہے۔

(فائدہ) قرآن قصہ اور کہانی کی کتاب نہیں ہے۔ وہ ایک مکمل ہدایت نامہ ہے جس میں اعمال کی اصلاح۔ اخلاق کی درستی کا سبق ہے۔ جو خدا کی ذات اور صفات سے متعلق دنیا میں صحیح خیالات پھیلانے کے لیے اتاری گئی ہے جس کے ذریعہ سے تمدن اور معاشرت کا سبق دیا گیا جس میں خالق اور مخلوق کے درمیان تعلقات پیدا کرنے کی راہیں کھولی گئی۔ وہ وہ بنی نوع انسان جو غفلت اور جہالت کی اندھیریوں میں پڑے رہنے کی وجہ سے اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔ بدی اور گناہ کے کاموں میں رات دن لگے رہنے سے نیکی کا شوق اور سچائی کی رغبت کھو چکے ہیں اور اس لیے ان کے نفس میں نیکی سے نفرت اور بدی کی طرف میلان ہو گیا ہے۔ ان کے دل میں نیکی کا بیج بونے اور بدی کے خیالات مٹانے۔ حق اور راستی کی تعلیم دینے کے لیے حضرت محمد عربی صلعم پر نازل کی گئی۔

جب اس کتاب کے ظاہر کرنے کی اصلی غرض و غایت ہدایت

دینی اور نیکی کی تعلیم کرنی ٹھہری۔ تو ضروری ہوا کہ اس کتاب میں ہدایت و ارشاد اور تعلیم و تربیت کے طریقوں کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔

چونکہ تعلیم میں ایک سبق کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔ تاکہ مضامین اچھی طرح محفوظ اور دلنشیں ہو جائیں۔ اور اسی طرح واعظ بھی ہدایت اور ارشاد کیوقت تمثیلیں اور عبرت خیز قصے حکمت کی باتیں بیان کرکے اپنے مقصود کو سمجھانیکی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کو ایکدفعہ نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار دہراتا ہے۔ اس لئے قرآن عزیز میں بھی جو ہدایت اور ارشاد کی کتاب ہے۔ بیان کا یہی طریقہ رکھا ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو جن آیتوں میں بظاہر تکرار نظر آرہا ہے۔ وہاں درحقیقت تکرار نہیں ہے۔ کیونکہ جس غرض سے وہ آیت ایک جگہ ذکر کی جاتی ہے۔ دوسری جگہ اسی غرض سے اسکا اعادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہاں اس کے ذکر کرنیکی کوئی اور ہی وجہ ہوتی ہے۔ وجوہات متعدد ہونیکی وجہ سے آیات کو بھی دراصل متعدد ہی کہا جائیگا۔ اور یہ بات قصص میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۔ جب قانون ساز مجلسیں قومی یا ملکی نظام کو قائم رکھنے کیلئے قاعدے اور ضابطے بنانے لگتی ہیں تو۔ وہ پیش کے حالات دیکھکر اور موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کو خیال کرکے قوانین وضع کرتی ہیں۔ اور جو ضرورتیں اُن کی نظر سے غائب ہوتی ہیں۔ اور جن واقعات کا اُن کو علم نہیں

ہوتا۔ ان کی رعایت اصول اور ضابطوں کو وضع کرنے کیوقت ہرگز نہیں کیجاتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون خواہ ملکی ہوں یا مذہبی تجارتی ہوں۔ کہ معاشرتی قومی ہوں۔ یا وطنی غرض کسی قسم کے ضوابط اور اصول ہوں۔ ان میں ترمیمات ہوتی رہتی ہیں۔ انسانی دماغ کے گھڑے ہوئے قانون اور ضابطوں میں یہ بات کبھی دیکھی نہیں گئی۔ کہ جو واقعات اور حالات اصول بنانے کے وقت واضع قانون کی نظر میں نہ تھے۔ وہ قاعدے ان پر بھی حاوی ہوں۔ اور کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت پیش نہ آوے۔ مگر قرآن عزیز ایک ایسی کتاب ہے۔ کہ جو قانون اور ضابطے اسمیں بیان کئے گئے ہیں۔ خواہ وہ تمدن اور معاشرت کے متعلق قواعد ہوں۔ یا درستی اخلاق اور تزکیہ نفس کے اصول ہوں۔ جماعتی شیرازہ بندی کے قاعدے ہوں۔ ملکی یا سیاسی نظام کے ضابطے اور قانون ہوں۔ وہ ہر زمانہ کیلئے مفید اور ہر ایک قوم اور ملک کے واسطے یکساں کار آمد ہیں۔ دنیا کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی جسکا فیصلہ قرآن کے بیان کردہ اصول اور ضابطوں میں موجود نہ ہو۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہیں مگر قرآن عزیز کے کسی قاعدے اور ضابطے میں ترمیم کرنیکی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور نہ آئندہ قیامت تک آئیگی۔ بلکہ قرآن مجید کا وہ فیصلہ جو ابن آج اہل زمانہ کی نظر میں غیر مفید یا مضرت رساں نظر آتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد زمانہ کی ضرورتیں اس قاعدے کے فائدہ مند ہونیکا قطعی فیصلہ کردیتی ہیں پھر اہل دنیا کو ہلاکت اور تباہی سے بچنے کیلئے اس ضابطے کی پابندی کے بغیر کوئی

راستہ نجات کا نظر نہیں آتا۔ چنانچہ جو قومیں کل تک بیواؤں کی شادی اور کثرت ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کرتی تھیں۔ آج وہ خود اس کو اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ قرآن عزیز کا ایسے محکم اور مضبوط اصول پر حاوی ہونا بتا رہا ہے۔ کہ یہ کتاب کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ وہ ہی ان قوانین کا بنانے والا ہے۔ جو ہر زمانہ کے حالات سے باخبر ہر قوم اور ملک کی ضرورتوں سے واقف ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ ہی کی مقدس اور برگزیدہ ہستی ہے

یا منزل الکتاب

عَلِّمْنِیْ تَاْوِیْلَہٗ وَوَفِّقْنِیْ الْعَمَلَ بِمَا فِیْہِ۔

بابُ الفطریات والطبیعات

وہ آیتیں جن میں انسان کی فطری اور پیدائشی جذبات کا ایسا صحیح اور مضبوط فیصلہ سنایا گیا ہے۔ جو اس نوع کے کسی فرد میں نہیں بدلا۔ اور دنیا کی تمام قومیں نسلی اور ملکی امتیازات اور عادات و اطوار مختلف ہونے کے باوجود سب کی سب اسمیں برابر کی شریک ہیں۔ آدم سے لیکر اس وقت تک ایک شخص بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس پر یہ فیصلہ صادق آتا ہو۔ اگر وہ باتیں تجربہ سے کہی ہوئی ہوتیں۔ تو جسطرح تجربہ موسم کے اختلاف آب و ہوا کی تبدیلی اور عمروں کے تفاوت سے ٹوٹ جایا کرتا ہے۔ اسیطرح یہ خبریں بھی بدل جاتی چاہئیں۔ سقمونیا جس کے تجربہ سے مسہل ہونا ثابت ہوا ہے۔ وہ بعض مزاجوں میں بجائے اسہال لانیکے قبض پیدا کرتا ہے۔ چونکہ تجربہ میں اکثر جزئیات کو دیکھکر تمام افراد پر حکم لگایا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی نہ ۔ ۔ ۔ ۔

کوئی جزئی ایسی ضرور نکل آتی ہے جس میں یہ تجربہ ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر قرآن
کے یہ فیصلے ایسے نہیں ہیں۔ جو رنگ اور لون کے اختلاف۔ ملکی اور نسلی
امتیازات یا وقت اور زمانہ کے بدلنے سے غلط ثابت ہوں۔ انسانی
میں ادنیٰ اور اعلیٰ عالم اور جاہل نیک و بد تمام کے فطری جذبات اور سبھی خیالات
اسی طرح پائے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن عزیز نے بتائے ہیں۔ اگر یہ خبریں محمد
عربی صلعم کے تجربے پر مبنی ہوتیں۔ تو اس نوع کے فرد میں کبھی نہ پائی جاتی
کیونکہ آپ زیادہ سے زیادہ عرب کے عادات اور حالات کو دیکھ کر تجربہ حاصل
کرتے۔ مگر ایک ملک یا ایک قوم کے عادات و اطوار کو دیکھنے سے تمام عالم
کے انسانوں کی فطری اور پیدائشی جذبات اور خیالات کا اندازہ کبھی نہیں
لگایا جا سکتا۔ پھر طبیعت کا اندازہ لگانا۔ کہ وہ کسی قوم اور کسی زمانہ میں جا
کر بدل سکے۔ انسانی طاقت سے نہایت دشوار ہے۔ اس لیے معلوم
ہوا کہ ایسے فیصلے کرنا یقیناً اسی ہستی کا کام ہے۔ جو اگلی پچھلی نسلوں اور
دنیا کے تمام انسانوں کی پیدائشی جذبات اور فطری احساسات سے واقف
اور باخبر ہے۔ اور وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ہی کی مقدس اور بزرگ ہستی ہے
لہٰذا ایسے فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ۳ ع ۱۰۔ عورتوں لڑکوں مال و دولت عمدہ گھوڑے مویشی کھیتی
کی محبت جو انسانی خواہشات کو پورا کرنے والی چیزیں ہیں۔ لوگوں کے

دلوں میں پیدائشی طور پر رچا دی گئی ہے۔ ان چیزوں کی محبت ہر انسان کے دل میں فطری اور پیدائشی طور پر موجود ہے۔ خواہ دنیا کے کسی حصہ کا رہنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن اس کی طبیعت کا لگاؤ ان چیزوں کیساتھ ضرور رہتا ہے۔

اگرچہ بعض حالتوں میں دنیوی سامان اور اسباب کیطرف سے آدمی کا دل ہٹ جاتا ہے۔ اور رغبت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مگر ان چیزوں کی محبت کلی طور پر دل سے نہیں نکلتی۔ نبی عربی صلعم سے زیادہ کوئی دوسرا شخص دُنیا سے بے تعلق نہیں ہوسکتا۔ جنہوں نے تمام جوانی ایک بڑھیا عورت کیساتھ بسر کردی۔ اور ساری عمر فقر و فاقہ تنگی اور عسرت سے گذار دی باوجودیکہ آپ کی زندگی میں عیش و آرام کے سامان مہیا ہو چکے تھے۔ اگر آپ چاہتے تو شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے۔ لیکن اپنے افلاس اور تنگدستی کو دولت پر ترجیح دی۔ اور عمر کا بڑا حصہ مفلسی میں گذار دیا۔ دُنیا سے اس درجہ بے تعلق ہونے کے باوجود ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ آپ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جن کی عمر تقریباً ۲ یا ۳ سال کی تھی۔ مسجد میں آگئے۔ چونکہ امام صاحب کا کرتا لمبا اور دراز تھا اس لئے آپ اسمیں اُلجھ کر گرے جاتے تھے۔ اسیطرح گرتے پڑتے منبر کے سامنے آگئے۔ جس پر رسول خدا صلعم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ نے جب صاحبزادے کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اُتر آئے اور اُن کو گود میں اُٹھا لیا۔ اور یہ ارشاد کیا۔ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے سچ فرمایا

کہ مال اور اولاد آدمی کو فتنہ میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ جس کو دیکھکر مجھ سے رہا نہ گیا۔ اور مجبوراً خطبہ چھوڑنا پڑا۔ جب رسول اللہ صلعم کو خدا کیساتھ تعلق اور لگاؤ ہونیکے باوجود اولاد سے اس درجہ محبت تھی۔ تو دوسرے کو کیا کچھ نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ جو شخص اس معاملہ میں اپنے دل کیطرف رجوع کریگا۔ اس کو ان چیزوں کی محبت دل کی گہرائیوں میں ضرور چھپی ہوئی نظر آئے گی۔ بلکہ دُنیا کا ہر ایک کام ان چیزوں کی خواہش اور محبت کیوجہ سے چل رہا ہے۔ ورنہ اس جہاں کا کاروبار کبھی کا معطل ہوگیا ہوتا۔ انسانی فطرت کے متعلق ایسا صحیح فیصلہ کرنا کہ جس کا کسی جگہ بھی خلاف نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا ہی کام ہے۔

(۲/۱۳۲) خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۵ ع ۲۔ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ جسمانی طاقت کے لحاظ سے انسان کا کمزور ہونا بالکل ظاہر ہے۔

باوجودیکہ انسان کو بہتر اور عمدہ غذا ہی چاہیے۔ ردّی اور خراب چیزیں دوسرے حیوانات کی غذا ہیں۔ لیکن جو قوت چوپائے اور درندوں میں پائی جاتی ہے۔ انسان میں اسکا عشر عشیر اور دسواں حصّہ بھی موجود نہیں ہے۔ دوسرے اس کی طبیعت میں تکلیفوں کو برداشت کرنے اور شہوت کے وقت اپنے نفس کو روکنے کی طاقت بھی کم ہے۔ طبیعت اور جسم کے کمزور ہونیکا مقصد ایسا صحیح اور درست ہے۔ کہ آج تک کسی جگہ بھی خلاف نہیں ہوا۔

(۳/۱۳۴) وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۵ ع ۱۶۔ انسان کا نفس

بخل اور خود غرضی کیلئے حاضر کر دیا گیا ہے۔ یعنی یہ بات ہر عورت مرد کی طبیعت میں فطرۃً موجود ہے۔ کہ وہ اپنا نفع دوسرے کے فائدہ پر مقدم سمجھے۔

دُنیا کے تمام مرد اور عورتوں کا یہی حال ہے۔ یہاں تک میاں بیوی کے تعلقات بھی غرض کیساتھ وابستہ ہیں۔ جب ان دونوں میں کوئی شخص اپنی غرض کو پورا ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ تو وہ اس تعلق کو توڑنے اور جدا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے یہی حال ماں باپ اور اولاد کا ہے۔ فریقین میں سے جس کی غرض حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ناراض اور رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح تمام جہاں غرض کا بندہ ہے۔ اور اسی کی قرآن میں خبر دیگئی ہے۔

(ب۵ ع۱۵) وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (پ۵ رع)

اگرچہ تم اس بات کی کوشش کرو۔ کہ تمام عورتوں کیساتھ ایک جیسی محبت ہو۔ مگر تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔ درحقیقت یہ بات انسان کی طاقت اور قوت سے باہر ہے۔ کہ وہ اپنی چند بیویوں میں سے ہر ایک کے ساتھ برابر اور مساوی درجہ کی محبت کیا کرے کیونکہ محبت کرنا انسان کی اختیاری چیز نہیں ہے۔ کسی عورت کی کوئی بات ایسی پسند آتی ہے۔ کہ آدمی کا رجحان اس کیطرف زیادہ ہوتا۔ محبت کے معاملہ میں ہر چھوٹا بڑا انسان طبعی طور پر مجبور ہے۔ رسول خدا صلعم اپنی بیویوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ اور سلوک فرمایا کرتے تھے۔ لیکن تمام بیویوں میں زیادہ محبت

انگیری سے زیادہ محبت تھی۔ اور اُن کے بعد عائشہ صدیقہ سے۔ آپ
عورتوں کیساتھ مساوی سلوک کرنیکے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جو چیز میرے
اختیار میں ہے۔ یعنی سب کو مساوی حقوق دینا۔ اسکو میں پوری طرح ادا
کرتا ہوں۔ اور جو بات میرے قبضہ اور اختیار سے باہر ہے۔ یعنی محبت
کی زیادتی اور دلی میلان اس میں بازپرس اور مواخذہ نہ کرنا۔ غرض دُنیا
کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے۔ جو محبت کی کمی یا زیادتی میں خود مختار اور
قابو یافتہ ہو۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(پ ۹ ع ۱۴) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ یہ بات اچھی طرح
جان لو۔ کہ تمہارے مال اور اولاد تمہیں فتنے میں ڈالنے والی چیزیں ہیں۔ ایک
چور کی چوری اور ڈاکو کی رہزنی اگر ہوتی ہے۔ تو انہی دونوں کی وجہ سے ہوتی
ہے۔ ظلم و ستم کرنا اور کسی کو ناحق مار ڈالنا بھی انہی کی محبت میں ہوتا ہے۔ جھوٹ
اور دغابازی کی تہ میں اسی کا راز چھپا ہوا ہے۔ سفر کی صعوبتیں اور غلامی
کی ذلتوں کے برداشت کرنے میں اسی کی محبت کام کر رہی ہے۔ وطن عزیز
کو چھوڑانے والی اور دور دراز ملکوں میں بنگالوں سے اندر چھپانے والی
بھی دو چیزیں ہیں۔ انہی دونوں کی وجہ سے انسان دُنیا کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے
اور انہی کے پیچھے آخرت کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے۔ ان دونوں کا فتنہ اس
قدر عام ہے۔ کہ دُنیا کا کوئی انسان ان سے بچا ہوا نہیں ہے۔ اور اسی کی
قرآن میں خبر دی گئی ہے۔

(پ ۱۱ ع ۸) وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا

كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ١١ ع۔
جب آدمی پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو اُٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں ہمیں پکارتا
ہے۔ اور جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں۔ تو پھر وہ اسطرح گذرتا ہے۔
گویا کبھی اُس نے ہمیں کسی تکلیف کو دفع کرنے کیلئے پکارا ہی نہ تھا۔ اس آیت
میں یہ خبر دی گئی ہے۔ کہ انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے۔ تو وہ خدا کو پکارتا
ہے۔ اور جب تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ تو وہ اپنے انجام کو بھول جاتا ہے۔
پھر وہ کبھی خدا کو بھولے سے بھی یاد نہیں کرتا۔ انسان کافر ہو یا مسلمان دیندار
ہو کہ بددین خدا کو ماننے والا ہو یا اس سے انکار کرنے والا کوئی ہو۔ جب وہ تکلیف اور
مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ اور کوئی راستہ خلاصی کا نظر نہیں آتا۔ تو پھر
اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت خدا کے آگے التجا و۔ اسی سے فریاد کرتا ہے۔ اور جب مصیبت
سر سے ٹل جاتی ہے۔ راحت و آرام میسر ہو جاتا ہے۔ تو اس کو انجام کا کوئی فکر
نہیں رہتا۔ اور جس سوز و گداز اور درد بھری آواز میں مصیبت کے وقت خدا کو
یاد کرتا تھا۔ وہ حالت بھی نہیں رہتی۔ اور یہی مطلب اس آیت کا ہے۔
إِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ
فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ن ١ ع۔ جب ہم انسان پر انعامات کرتے ہیں تو
وہ ہم سے منہ پھیر کر چلتا ہے۔ اور جب اُس کو کوئی مصیبت چھو لیتی ہے۔ تو
وہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔
(پ ١٢) وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ
السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ١٢ ع۔ جب ہم انسان کو تکلیف

کے بعد راحت اور آرام دیتے ہیں۔ تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اور فخر کرتا
ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اب مصیبت کے دن مجھ سے ٹل گئے۔ یعنی انسان عیش
اور آرام کیوقت مصیبت کے دنوں کو بھول جاتا ہے۔ اور دولت کے نشہ
میں مست ہو جاتا ہے۔ اس نشہ کی مستی کم و بیش تمام انسانوں کے
سروں پر سوار رہتی ہے۔ معمولی سی رقم جمع ہو جانے پر آدمی کے نفس
میں بے اعتنائی اور ایک قسم کی بے فکری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کو
قرآن شریف میں فرح اور فخر کیساتھ تعبیر کیا ہے۔ لہذا اس
فیصلہ کے صحیح اور درست ہونے میں کوئی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں
ہے۔

(۵/۱۳۸) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۱۴
ع ۱۔ انسان کو پانی کے ایک ذلیل قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن وہ بڑا
جھگڑالو ہے۔ یعنی طاقت اور قوت کیوقت اس کو اپنی کمزوری اور ضعف
کا خیال نہیں رہتا۔ راحت اور عیش کے دنوں میں وہ اپنی گذشتہ
مصیبت کو بھول جاتا ہے۔ اس آیت میں انسان کی طبیعت کا کس
صحیح اندازہ لگایا گیا ہے۔ ادنیٰ یا اعلیٰ کسی طبقے کا انسان ہو۔ قوت کے
زمانہ میں اس کو اپنی کمزوری کا احساس نہیں رہتا۔ بہت ممکن ہے
کہ کوئی شخص اخلاقیات کی پابندی سے اس جذبہ کو کچھ دیر دبائے
رکھے۔ لیکن ایک نہ ایک وقت اس کا اثر ضرور ہو کر رہتا ہے۔

(۹/۱۳۹) یَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَہٗ بِالْخَیْرِ ۱۱ ع ۲۔

انسان جس طرح خیر کی دعا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ کبھی اپنے لئے شر کو مانگتا ہے۔ جب انسان مصیبت میں گھر جاتا ہے۔ اور اس سے چھٹکارا پانے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ تو اس مایوسی کے عالم میں وہ جان دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے اپنے مر جانے کی دعائیں کرتا ہے۔ یعنی اس میں تحمل اور برداشت کی زیادہ طاقت نہیں رہتی تکلیف کے وقت وہ معمولی دیر ہو جانے سے گھبرا اٹھتا ہے۔ اور زندگی سے تنگ آکر مرنے کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ بالکل صحیح ہے۔ تمام دنیا کے انسانوں کا یہی حال ہے۔ ذوق کہتا ہے۔ شعر

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے + مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

(بنی اسرائیل ١٢) وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۞ ٢ع۔ انسان بڑا جلد باز ہے یعنی انسان کسی کام کے عواقب اور انجام پر نظر نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر کام کو بے سوچے سمجھے جلدی سے کرنا یا دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر عقل کی احتیاط اور اس کی دور اندیشی انسان کے ساتھ نہ ہوتی۔ وہ جلد بازی سے ہر کام خراب کر دیا کرتا لیکن باوجود اس روک تھام کے پھر بھی طبیعت کا تقاضہ اس کو جلدی کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ دنیا کا ہر ایک انسان اسی مرض میں مبتلا ہے۔ اور یہی شے ان تمام کا شاخسانہ ہے۔

(بنی اسرائیل ١٠٠) وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۞ ١٢ع۔ انسان کی طبیعت میں بخل ہے یعنی تنگدلی بخیل فقر و فاقہ اور احتیاج کے ڈر سے پیسہ کو روک رکھتا ہے۔ اور خرچ نہیں کرتا۔ ہر انسان میں کم و بیش یہ خصلت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ صبح کا کھانا شام کے لئے اور شام کا صبح کے واسطے جمع کر کے رکھتا ہے۔ خدا کو رزاق اور روزی رساں کہتا ہے

پورا بھروسہ اور پختہ اعتقاد نہیں رکھتا۔
اور اگلے وقت کیلئے اندوختہ جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ دنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہ آئیگا جس میں یہ عادت نہ پائی جاتی ہو۔
انسان کیسا ہی زاہد اور تارک الدنیا ہو۔ مگر یہ خصلت کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر ضرور رہتی ہے۔

(۱۲/۱۲۴) وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۵۱ ع ۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ انسان درحقیقت ناشکرا ہے۔ اس کی ہزار آرزوئیں پوری کر دی جائیں۔ مگر پھر بھی شکر کے الفاظ اس کی زبان پر نہیں آتے۔ اور اگر کسی نے مذہبی تعلیم کے اثر سے کچھ شکر ادا بھی کر لیا۔ تو وہ خداوندی نعمتوں کے مقابلہ میں کسی شمار ہی میں نہیں آسکتا۔ پھر ہر نعمت کا شکریہ جداگانہ ہے۔ تندرستی کا شکر کمزور اور ضعیفوں کی مدد کرنا ہے۔ اور دولتمند ہونیکا شکرانہ غریبوں اور محتاجوں کی خبر لینا ہے۔ اسطرح کا شکر کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

قطعہ:- ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش۔ کس نتواند کہ بجا آورد

(۱۳/۱۲۵) وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۱۰ ع ۔ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔
درحقیقت انسان بڑا حجتی واقع ہوا ہے۔ جانتا ہے۔ کہ خداتعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے۔ کہ خدائی کاموں کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔ لیکن وہ خدائی کاموں میں دخل دیئے

پورا بھروسہ اور پختہ اعتقاد نہیں رکھتا۔

اور اگلے وقت کیلئے اندوختہ جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ دنیا میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہ آئیگا۔ جس میں یہ عادت نہ پائی جاتی ہو۔

انسان کیسا ہی زاہد اور تارک الدنیا ہو۔ مگر یہ خصلت کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر ضرور رہتی ہے۔

(۱۲/۲۴۱) وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۱۵ ع۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ انسان درحقیقت ناشکرا ہے۔ اس کی ہزار آرزوئیں پوری کر دی جائیں۔ مگر پھر بھی شکر کے الفاظ اُس کی زبان پر نہیں آتے۔ اور اگر کسی نے مذہبی تعلیم کے اثر سے کچھ شکر ادا بھی کر لیا۔ تو وہ خداوندی نعمتوں کے مقابلہ میں کسی شمار ہی میں نہیں آسکتا۔ پھر ہر نعمت کا شکریہ جداگانہ ہے۔ تندرستی کا شکر کمزور اور ضعیفوں کی مدد کرنا ہے۔ اور دولتمند ہونیکا شکرانہ غریبوں اور محتاجوں کی خبر لینا ہے۔ اسطرح کا شکر کس سے ادا ہو سکتا ہے۔

قطعہ۔ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش۔ کس نتواند کہ بجا آورد

(۱۳/۲۴۲) وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۱۰، ۲۰ ع۔ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

درحقیقت انسان بڑا حجتی واقع ہوا ہے۔ جانتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہے۔ کہ خدائی کاموں کے سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔ لیکن وہ خدائی کاموں میں دخل دیتے

حاصل کی ہے۔ یعنی خود پسندی اور غرور کی وجہ سے اندھا ہو جاتا ہے
اور اُسکو منعم حقیقی احسان کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ تمام انسانوں میں انانیت
اور مَیں موجود ہے۔ اسی وجہ سے دُنیا کے کاروبار میں تدبیر کا حصہ زیادہ
سمجھا جاتا ہے۔ اور کارساز مطلق کی ان کارفرمائیوں کو نہیں دیکھا جاتا
جس نے ان تدبیروں کو مفید اور کارآمد بنایا ہے۔ اور یہ نہیں سمجھتے۔ کہ
تدبیریں دراصل ظاہری بہانہ ہیں۔ اور اسمیں جو کچھ کامیابی نظر آرہی
ہے وہ اسی مختار کل کے احسانات کی رہین منت ہے۔ اگرچہ بعض آدمی مذہبی
تعلیم سے متاثر ہو کر یا عقل رسا کی رہبری سے خدا کو کارساز مطلق مان
لیتے ہیں لیکن اُن کے دل تدابیر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ اور وہ
اُنہی کو مفاتح الفرج اور کشادگی کی کنجیاں خیال کرتے ہیں۔ اسلئے کہ بشری
یہ جذبہ تمام انسانوں میں موجود ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔
ر۱۷ لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ
۱۴۶ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ۝ ۱ع۔ انسان خیر کے مانگنے سے کبھی نہیں تھکتا۔ اور اگر
اُسکو کوئی تکلیف پہونچ جاتی ہے۔ تو پھر یہ بالکل مایوس اور نا اُمید ہو جاتا
ہے۔ اس آیت میں انسان کی دو طبعی اور فطری خصلتیں بیان کی ہیں۔ اوّل یہ
کہ انسان کا پیٹ کبھی خیر سے نہیں بھرتا۔ اس کے پاس خواہ کتنی ہی دولت
جمع ہو۔ اور عیش و آرام کیلئے ہر طرح کا سامان مہیا ہو۔ لیکن اُسکی خواہشیں
کبھی ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ اور ہر وقت ایک نہ ایک حاجت کا سوال
خدا سے کرتا رہتا ہے۔ اور جن کو ہم متوکل سمجھتے ہیں۔ اُن کیا نفس بھی خدا

طلبی کا ذوق و شوق مدارج سلوک کے طے کرنیکی حاجت لگی ہوئی ہے۔ غرض انسان کا کوئی فرد بھی اس عادت سے بچا ہوا نہیں اور یہی معنے اس آیت کے ہیں۔ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ۔ انسان مال و دولت سے بہت محبت رکھتا ہے۔ دوسری بات جو اس آیت میں ذکر کیگئی۔ وہ یہ ہے۔ کہ انسان مصیبت میں گھر کر خدا کی رحمت سے بالکل مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔ یہ خصلت بھی تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہانتک کہ جب انبیاء علیہم السلام دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے۔ اور خدا کی مدد آنے میں ذرا دیر ہو جاتی۔ تو مایوسی کے آثار اُن پر بھی ظاہر ہونے لگتے تھے۔ اسطرح دنیا کا کوئی آدمی بھی اس خصلت سے بچا ہوا نہیں ہے۔ اور اسی کی قرآن عزیز نے خبر دی (دیکھو پ ۲۹) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۲۹ ع ۷۔ انسان میں پیدائیشی طور پر حرص اور بے صبری پائی جاتی ہے۔ جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو یہ گھبرا جاتا ہے۔ اور جب اُسکو مال و دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ تو اُسکو روک کر خرچ کرتا ہے۔

یعنی ہر انسان میں حرص اور بے صبری موجود ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ مصیبت اور تکلیف کے برداشت کرنیکی طاقت نہیں رکھتا۔ معمولی تکلیف کے واقع ہونیسے اُس کے دلمیں بےچینی اور گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُسکو خدا کا بھروسہ نہیں رہتا۔ اور جب اس پر راحت اور آرام کے دن آتے ہیں۔ اور کچھ دولت جمع ہو جاتی ہے۔ تو فقر و فاقہ اور محتاجی سے

ڈرکر اُسکو خرچ نہیں کرتا۔ اور سوچتا ہے کہ اگر میں نے آج خرچ کردیا۔ تو کُل یہ دولت میرے پاس کہاں سے آئیگی۔

یہ خصلت کم وبیش تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ جو لوگ دل کے غنی اور طبیعت کے سخی ہوتے ہیں ان دونوں خصلتوں کا اثر ان میں بھی موجود ہوتا ہے۔ زیادہ نہ سہی تھوڑا ہی سہی۔ مگر ہوتا ضرور ہے۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(۹۶ ۸۱) كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۔ انسان جب اپنے آپ کو مستغنی اور بے پرواہ دیکھتا ہے۔ تو وہ اکڑتا اور سرکشی کرتا ہے۔

یعنی اہل ثروت ہونے کے بعد انسان کی طبیعت میں ترفع اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکا پتہ اُسوقت چلتا ہے۔ کہ جب اس سے کم حیثیت کا آدمی اسکی برابر بیٹھ جاتا ہے۔ تو اُس کے دلمیں کراہیتہ اور تنفر پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ زبان سے کچھ نہ کہے۔ لیکن اُسکا دل مساوی برتاؤ ہونے کیلئے رضامند نہیں ہوتا۔ پھر یہ ترفع بعض طبائع میں نخوت اور غرور تک پہونچ جاتا ہے۔ اور کوئی تکبر اور سرکشی میں ایسا بڑھ جاتا ہے کہ اپنی رائے کے مقابلہ میں خدا اور رسول کے فیصلونکی پرواہ نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کو ٹھکراتا اور اُن کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔

اگرچہ ریاضت اور مجاہدے کرکے اور نفس کُشی کے ذریعہ سے اس عادت کو مغلوب کرلیا جاتا ہے۔ مگر اُس کی اصل اور جڑ پھر بھی نہیں جاتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دُشمن کے مقابلہ میں اور جنگ کے موقعہ پر ہر شخص ترفع اور

بُرائی کا استعمال کرنا اچھا اور محمود سمجھتا ہے۔ یَا فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ تَوَفَّنِیْ عَلٰی طَرِیْقِ الْاِسْلَام۔

باب فی ذکرِ خصائص الاعمال و آثارِھا

اس باب میں اُن چیزوں کا بیان ہے جن میں بعض اعمال سے آثار اور خصوصیتیں کا ذکر کیا ہے۔ اور وہ اثرات اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ قرآن عزیز میں خبر دیگئی ہے۔ باوجودیکہ وہ افعال اور اُن کے نتیجے ایسے نہیں ہیں جن کے متعلق یہ کہا جائے۔ کہ شاید اُنکا علم تجربہ کے بعد حاصل ہوا ہو۔ لیکن پھر بھی وہ خبریں ایسی پختہ اور صحیح ہیں کہ آج تک کبھی اُنکا خلاف نہیں ہوا۔ ظاہر ہے۔ کہ کسی عمل میں کوئی نیک و بد اثر پیدا کر دینا۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ یہ ایسی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جسنے آگ میں جلانے اور پانی میں بجھانیکی طاقت رکھی ہے۔ ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

(۱) وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ ۱ ع ۵ ۔ جن لوگوں کے دلمیں آخرت کا ڈر ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ کہ ہمیں ایکروز خدا کے پاس جانا ہے عاجزی اور خشوع اُن کے دل میں پایا جاتا ہے۔ اُنکو نماز میں لذت آتی ہے۔ اور جنمیں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ اُنکو نماز کا پڑھنا گراں معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت جسقدر عمل صالح اور ایمان کی کمی ہوتی ہے۔ اسی درجہ نماز

میں بے توجہی پائی جاتی ہے۔ دلمیں دنیا کے وساوس اور خطرات زیادہ آتے ہیں۔ عمل میں جسم اور دل اور خدا کیساتھ حضوری نصیب نہیں ہوتی دل اُچاٹ رہتا ہے۔ عبادت کی لذت اور اس کے ادا کرنے کا ذوق شوق حاصل نہیں ہوتا۔ گناہوں سے نفرت اور باطن کی صفائی جو نماز پڑھنے کا اثر اور نتیجہ ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص۔ مومن شخص مسجد میں آکر ایسا خوش رہتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں۔ منافق اور بد عمل مسجد میں ایسا گھبراتا ہے۔ جیسے جانور پنجرہ میں پھنسکر باہر نکلنے کیلئے تڑپتا ہے۔ یعنی متقی اور پرہیزگار آدمی کا عبادت میں دل لگتا ہے اور لذت آتی ہے۔ گنہگار کو عبادت کرنی گراں اور اس کی طبیعت پر اس سے بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی عمل میں کبھی نیک و بد اثر پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۲۲) زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا ۳ع۔ کافروں کی نظر میں دنیا کی زندگی محبوب اور پسندیدہ بنا دیگئی ہے۔ خدا کی زمین پر جسقدر کافروں کی جماعتیں اور ان کے گروہ آباد ہیں۔ وہ سب کے سب دنیا کی زندگی کو مقصود اصلی اور اسکے ساز و سامان جمع کرنیکی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اعمال اور اخلاق کی درستی اور خدا کیساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرنا اور روحانیات کی ترقی اور تزکیہ قلب فضول اور بیفائدہ چیزیں ہیں۔

کافروں میں سے جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے۔ اُنکا کوئی نیک عمل کرنا یا اپنے مذہب کے موافق عبادت اور ریاضت کرنی محض اس خیال سے ہوتی ہے۔ کہ تناسخ اور اواگون کے اصول پر اگلی زندگی مصایب اور آلام سے پاک ہوجائے۔ انسانی جُون ملے۔ اور کسی راجہ کے گھر پیدا ہوجائیں۔ یا کم از کم مہاجن اور مالدار بنجائیں۔ نفسانی امراض کو دور کرنے اور باطن کو سنوارنے یا خدا کو خوش کرنے کیلئے اُن میں ایک آدمی بھی نیکی کا کام نہیں کرتا۔ اور اُن میں سے جو قومیں مرنے کے بعد عالم آخرت کے قایل اور خدا کے سامنے حاضر ہونیکے معترف ہیں۔ اُن کی عبادت گذاری یا تو رسمی طور پر ہوتی ہے۔ یا وہ عبادت اور ترک دُنیا کو مال و دولت کے حاصل کرنیکا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ نفس کی اصلاح کا خیال اور خداطلبی کا سچا جذبہ اُنمیں بھی موجود نہیں ہوتا۔ اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(۹/۱۵۸) سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیَاتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِہَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْہَا غٰفِلِیْنَ ۹ ع۔ یعنی خدا کی آیتوں کو جھٹلانے اور اُن سے غافل رہنے کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے دلوں سے حق بات کے قبول کرنیکی صلاحیت جاتی رہتی ہے۔ ہزار وہ سچائی کی نشانیاں دیکھیں۔ ہدایت اور نیکی کا راستہ معلوم کریں۔ مگر وہ کبھی اُسکو اختیار نہیں کرتے۔ اور اگر بدی اور گناہ کا کام اُن کے سامنے پیش

جائے۔ تو وہ اُس کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ زمین و آسمان کے مالک کو چھوڑ کر دوسرے سے اپنی حاجتیں مانگنا۔ مخلوق کو خالق سے ملانا۔ توہمات کے پیچھے لگے رہنا۔ حق کو جان لینے کے باوجود اُس کے تسلیم کرنے سے انکار کرنا۔ اُس کے کج فہم ہونیکی صریح دلیل ہے۔ اس کی ظاہری وجہ یہ ہے کہ جب انسان گناہوں میں مشغول اور منہمک ہو جاتا ہے۔ تو اُسکی طبیعت میں گناہ کی لذت اور بدی کیساتھ اُنسیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نیکی کے کام سے اُسکو لگاؤ نہیں رہتا۔ جسطرح وہ شخص جسکی مزاج میں صفرا کا غلبہ اور پت کا زور ہو۔ اُسکو میٹھی چیز کڑوی اور تلخ شے مزیدار معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہدایت اور نیکی کا راستہ بداطوار اور بُرے عمل والوں کو ہیچ در ہیچ اور خراب دکھائی دیتا ہے۔ کم فہمی اور ناسمجھی کیوجہ سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتا ہے۔ احکام الٰہی اور اسلامی اصول کے انکار کرنے سے صحیح فہم کا جاتا رہنا۔ اور حق بات کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ رہنا۔ اُلٹی سمجھ ہو جانا خدا کیطرف سے ہے۔ انسان کو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

(۳) وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۱۵۲ ۱۹ع۔ جو مسلمان مرد عورت نیکی کے کام کریگا۔ اُسکو ہم بےفکری کی زندگی عنایت فرمائیں گے۔ مال و دولت اور جاہ و ثروت کے جمع ہونیکا نام عیش نہیں ہے۔ اصل میں عیش بےفکری دل کی فراغت اور خوشی کو کہتے ہیں جس سے دلکو راحت اور اطمینان نصیب ہو۔

عیش کے سامانوں میں اس سے بڑھکر کوئی دوسری شے نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک شخص دنیا میں بڑی دولت کا مالک ہے۔ لیکن فکرات بھی اسکو ہزاروں ہی چمٹے ہوئے ہیں۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں اسے چین اور آرام لینے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس کیلئے وہ عیش نہیں ہے۔ بلکہ وہ سخت مصیبت ہے۔ مصرعہ۔ انانکہ غنی تراند محتاج ترند۔

درحقیقت عیش میں وہی شخص ہے جسکو دولت نہ ملنے سے رنج نہ ہو۔ اور اگر مل جائے۔ تو اُس کے چلے جانیکا غم نہ ہو۔ ہر حالت میں وہ خوش رہے۔ نہ مصیبت سے گھبرائے۔ اور نہ عیش کیوقت اپنی ہستی کو بھولے۔ اسی کا نام اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے۔ اور اُسی کو حیوٰۃ طیبہ کہتے ہیں۔ یہ حالت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو احکام شرعیہ کے پابند اور متقی پرہیزگار ہوتے ہیں۔ اور اُسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(۵/۱۵۳) وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (۱۰ ع)۔ ہم نے کافروں کے دلوں پر غفلت اور تاریکی کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ قرآن کے صحیح معنی نہیں سمجھتے۔ اور اُن کے کانوں کو بوجھل کر دیا ہے۔ اسی لیئے وہ حق بات نہیں سُنتے۔

یعنی کفر کرنیکی وجہ سے انسان کے دل پر غفلت کے ایسے پردے پڑ جاتے ہیں۔ کہ وہ قرآن عزیز کے اصلی اور صحیح معنے نہیں سمجھتا۔ جب سمجھتا ہے۔ اُلٹے اور غلط معنے ہی سمجھتا ہے۔ اور قرآن کی اصلی مراد کو اپنی سمجھ سے کبھی نہیں پاتا۔ اور نہ حق بات سننی گوارا کرتا ہے۔ کج فہمی اور

حق سے گریز کرنا۔ یہ دونوں نفسانی عیب ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ یہ عیب انسان میں اُس وقت پیدا ہوتے ہیں جب وہ خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی اور اُن کے احکام کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔

تجربہ اس بات کا شاہد ہے۔ کہ آج تک کافروں نے جتنے اعتراضات قرآن عزیز پر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک اعتراض بھی ایسا نہیں ہے۔ جو حقیقت حال سے واقف ہو کر اور قرآن کی صحیح مراد سمجھ کر کیا ہو۔ جو معنی اور مطلب مسلمانوں کے نزدیک مسلّم اور مانے ہوئے ہیں۔ بالکم از کم مسلمانوں میں سے کسی لائق اور زبردست عالم نے وہ معنی بیان کئے ہیں۔ ایسے مفہوم پر کافروں کا اعتراض مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ ناسمجھی اور کم فہمی کی وجہ سے اُس کے معنی غلط سمجھکر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اعتراض ہمیشہ دو ہی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ سمجھ کر یا ناسمجھی سے۔ جو لوگ عالم سمجھدار اور اپنے فن کے مسلّمہ اُستاد ہوتے ہیں۔ اس شے کے اطراف و جوانب سے اچھی طرح واقف اور باخبر ہونے کی وجہ سے جب اُن کو بلحاظ اپنے ہنر کے اس میں کوئی نقص یا عیب نظر آتا ہے۔ تو وہ اُس پر رد کرتے ہیں۔ اور اُسکو قبول نہیں کرتے۔ جو لوگ کسی فن سے واقف نہیں ہوتے۔ اور حقیقت حال سے بالکل بےخبر ہوتے ہیں۔ اُنکا اعتراض ہمیشہ ناسمجھی اور کم فہمی کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ کفار بھی قرآن عزیز پر ناسمجھی کی وجہ سے معترض ہوتے ہیں۔ اگر اُنکو حقیقت کی خبر ہو جائے۔ تو وہ اُس کو ماننے سے

کبھی انکار نہ کریں ۔

غرض دنیا کی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے ۔ جس کی مراد کے سمجھنے میں کافر اور مسلمان ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں ۔ باوجودیکہ اس کے الفاظ سادہ اور معنے ظاہر اور واضح ہوتے ہیں ۔ مگر اس کی عبارت کا جو مطلب مسلمان سمجھتا ہے ۔ کافر اس کے گرد تک بھی نہیں پہونچتا ۔ اور جو معانی اور مطالب ایک دیندار مسلمان کے ذہن میں آتے ہیں ۔ ایک فاسق اور گنہگار مسلمان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی ۔ اور اسی کی قرآن میں خبر دی گئی ہے ۔ اور قرآن مجید کی اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے ۔ یہدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے ذریعہ سے انہی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے ۔ جو اس کی رضامندی پر چلتے ہیں ۔

(۱۵ ۲۷) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۱۶ ع ۱۹ ۔ جو لوگ یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ہم نے ان کے اعمال ان کی نظروں میں اچھے کر کے دکھلا دیے ہیں ۔ اسی واسطے وہ اپنے خیال پر اٹھے ہوئے ہیں ۔ اور حق کیطرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ۔ دنیا میں ہزاروں ہی مذہب ہیں ۔ اور ہر مذہب والا اپنے خیالات کو صحیح اور دوسروں کو جھوٹا سمجھتا ہے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ باوجود تصادم اور اختلاف رائے کے دنیا کا ہر ایک مذہب سچا نہیں ہو سکتا ۔ اگر آدمی کو اپنے اعمال اور عقاید کی غلطی خود بخود معلوم ہو جاتی ۔ تو دنیا میں ہزاروں مذہب کبھی پیدا نہ ہوتے ۔ اس لیے معلوم ہوا ۔ کہ در حقیقت جھوٹا بھی اپنے طریقہ کو سچا اور اپنے خیال میں مست ہے

اور اسی کی قرآن نے خبر دی ہے۔

(پ۲۱ ع۱۵) إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۔ نماز گناہ کے کاموں اور غیر شرعی باتوں سے روکتی ہے۔ اگر نماز کو دل لگا کر اخلاص اور خشوع کیساتھ پڑھا جائے۔ تو بیشک وہ گناہوں سے روکنے والی چیز ہے ظاہر میں اُٹھنے بیٹھنے کا نام نماز نہیں ہے۔ بلکہ جب تک اخلاص اور دلبستگی میسر نہ ہو۔ نماز کی روح اور اُس کی حقیقت قائم نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے نماز کا یہ اثر اُس وقت ظاہر ہوتا ہے۔ جب نماز کے شروع کرنے کے وقت کچھ دن گناہوں سے پوری احتیاط کیجائے۔ جس طرح دوا کا اثر ظاہر ہونے کیلئے نقصان دینے والی چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ جب تک پرہیز نہ کیا جائے۔ دوا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح نماز کے فائدے اُسیوقت حاصل ہوتے ہیں جبکہ اُس کے ابتدا کرنیکے زمانہ میں چند روز گناہوں کیطرف سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ جس بے توجہی کیساتھ آج کل نماز پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ درحقیقت وہ نماز نہیں ہے۔ پھر بھی اس فائدے سے خالی نہیں ہے ایک نمازی کھلم کھلا اور سب کے سامنے گناہ نہیں کرتا۔ اُس کی نظر میں کچھ نہ کچھ گناہ کی بُرائی ضرور ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اسکو چھپ کر اور پردہ کے پیچھے کرتا ہے۔ اور نماز نہ پڑھنے والا گناہ کے کاموں میں جری اور دلیر ہوتا ہے۔ اور گناہ کرتے ہوئے کسی سے پردہ نہیں کرتا۔ اور جب اُس کی بداعمالی انتہا کو پہونچ جاتی ہے۔ تو گناہ کی برائی اُس کے دل سے محو ہو جاتی ہے۔ اور اس کام

کو عیب نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسکو فخریہ کرتا ہے۔
کسی عمل میں کوئی اثر پیدا کرنا انسان کا کام نہیں ہے۔ یقیناً یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

ع ٥ ١٥٦ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَانًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ۔
پ ۲۵ ع ۱۰ ۔ جو خدا کے ذکر سے منہ موڑے۔ اور اندھا بن جائے۔ ہم اس پر شیطان کو ڈال دیتے ہیں۔ وہ اُسکا ہر وقت کا ساتھی اور قرین بن جاتا ہے۔ خدا کے ذکر سے اندھا بن جانیکے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ احکام الٰہی کی پابندی نہیں کرتا۔ قرآن عزیز کے فیصلوں پر نہیں چلتا۔ ایسے شخص کے دلمیں شیطان ہمیشہ وسوسے اور شبہات ڈالتا رہتا ہے۔ اسکا دل شرعی فیصلوں پر مطمئن نہیں ہوتا نہ عبادت میں اُسکا دل لگتا ہے۔ قرآن عزیز کے معانی اور مطالب کے سمجھنے کیوقت شکوک اور شبہات میں مبتلا رہتا ہے۔ نہ اُسکا دل قرآن حکیم کی تلاوت کرنیکو چاہتا ہے۔ اور نہ اُس کے معانی پر غور کرکے اُنپر عمل کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے غرض کسی نیکی کے کام کیطرف اُس کے دل میں رغبت نہیں رہتی۔ جو کچھ فرمایا گیا۔ وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ ایک فاسق اور بداعمال مسلمان کا یہی حال ہے۔ معصیت اور گناہ کے کام پر ایسا اثر مرتب کرنا۔ خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کا کام نہیں ہے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

باب خصوصیات القرآن و ظہورہا حسب ما اخبربہا

قرآن شریف کی ان خاصیتوں کا ذکر جن کے متعلق یہ خبر دی گئی - کہ اسکی فلاں فلاں خصوصیت ہے - اور وہ اسی طرح پائی جاتی ہے - جیسا کہ قرآن میں خبر دی گئی ظاہر ہے - کہ کوئی شخص اپنے کلام میں خاص قسم کا اثر اور خصوصیت پیدا نہیں کرسکتا - یہ رب العزت ہی کا حصہ ہے - اس لیئے ایسی خبریں یقیناً خدائی خبریں ہیں - اور ان میں سے ایک خبر یہ ہے -

(۱/۱۵۷) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ - ہم نے قرآن کا یاد کرنا آسان کر دیا ہے - کیا کوئی یاد کرنیوالا ہے - دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکا یاد کرنا آسان ہے - سینکڑوں حافظ بچے سے لیکر بوڑھے تک موجود ہیں - اور بہت سے حافظ ایسے ہیں - جو اسکو ایک سال کے بعد اٹھا کر دیکھتے ہیں - لیکن پھر نہیں بھولتے - اور اس کو ازبر سنا دیتے ہیں اتنی ضخامت والی کتاب کا یاد کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے - اور پھر اسکو ایک دفعہ یاد کرکے مدتوں نہ بھولنا - انسان کی طاقت سے باہر ہے - اوّل تو دنیا کی کوئی ایسی ضخیم کتاب یاد نہیں ہوتی - اور یاد کرنے کیلیئے بڑی محنت اٹھانی پڑتی ہے - اور اگر یاد بھی ہو جائے - تو وہ دیر تک محفوظ نہیں رہتی قرآن عزیز میں ایسی بات پیدا کرنی خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے -

(۲/۱۵۸) وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ع۵ - قرآن مجید کافروں کو ٹوٹے اور خسارے میں ڈالتا ہے - کفار اسکو پڑھکر اسلیئے خسارے میں رہتے

ہیں۔ کہ وہ اُسکی تعلیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ جہالت اور گمراہی میں پھنسے رہنے کیوجہ سے اُس کے بیانات کو غلط اور اُس کے مضامین کو غیر صحیح خیال کر کے شکوک اور شُبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسطرح اُنکو بجائے فائدہ کے نُقصان پہونچ جاتا ہے۔ اور قرآن کے انکار کرنیکی وجہ سے آخرت کی سزا اس کے علاوہ رہتی ہے۔

دُنیا کی کتابوں میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جسکا اثر کفار اور گنہگاروں کے حق میں اور ہے۔ اور مسلمان دینداروں کیلئے اور۔ انسان اپنے کلام میں کبھی یہ بات پیدا نہیں کرسکتا۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

(۳/۱۵۹) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ رسولخدا صلعم سے نقل کرتے ہیں۔ کہ حضور نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا۔ قرآن مجید بار بار پڑھنے اور تلاوت کرنیسے پُرانا نہیں ہوتا۔ اور نہ اِس کی نصیحتیں تمام ہوتی ہیں۔ اور نہ اُس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں آتے ہیں۔

پُرانا نہ ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ جسطرح دُنیا کی ایک کتاب کو اچھی طرح غور سے پڑھ لینے کے بعد دوبارا ہاتھ لگانیکو جی نہیں چاہتا۔ اور اُس کے مضامین سے واقف ہوجانیکے بعد اُسکا پڑھنا دل پر شاق اور گراں گذرتا ہے۔ اسطرح قرآن کا حال نہیں ہے۔

جسقدر کثرت سے قرآن عزیز کی تلاوت کیجاتی ہے۔ اسیقدر شوق میں زیادتی اور رغبت میں ترقی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات دُنیا کی کسی کتاب کو میسّر

نہیں ہے۔

اسی طرح حکمت اور نصیحت کی کتابوں سے ہر مرتبہ وہی مضامین ذہن میں آتے ہیں، جو الفاظ سے سمجھ آرہے ہیں۔ مگر قرآن عزیز کا حال اس سے بالکل ہی جدا ہے۔ ہر مرتبہ بغور تلاوت کرنے سے [illegible] اور شبہات کا ازالہ اور طبیعت پر نصیحتوں کا خاص اثر ہوتا ہے۔ [illegible] نئے نقطوں کا انکشاف دقیق اور باریک باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ غرض قرآن عزیز عجائبات کا ایک غیر متناہی خزانہ ہے۔ جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ انسانی کلام میں سے کسی کو یہ بات نصیب نہیں ہے۔ ایسا عجیب اثر رکھنے والا کلام خدا کے سوا دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔

(۱۶) جب ہم اس کلام کو انسانی کلام کیساتھ [illegible] قرآن کی روانی۔ سلاست اور سادگی کے مقابلہ میں ٹھہرتا ہوا نظر [illegible] اور دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق صاف طور پر دکھائی دیتا ہے قرآن کریم کیساتھ پیغمبر خدا صلعم کے کلام کو ملا کر پڑھنے سے طبیعت خودبخود گواہی دیتی ہے۔ کہ یہ دونوں کلام ایک کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا مصنف اور بنانے والا جدا جدا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو جو گرامی نامہ ارسال کیا ہے۔ اسمیں حضرت عیسیٰ کے متعلق اسلامی عقیدہ کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم کیطرح بے باپ کے ہوئی ہے۔ مریم علیہا السلام کے پیٹ سے لفظ کن یا ارادہ خداوندی کیساتھ بغیر کسی ظاہری سبب کے

پیدا ہوئے ہیں۔ اسی مضمون کو قرآن میں یوں ادا کیا گیا ہے۔ دونوں کا فرق ملاحظہ ہو

قرآن شریف

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ

(سورۃ النساء)

حدیث شریف

واشھد ان عیسیٰ بن مریم روح اللّٰہ وکلمتہ القاھا الی مریم الطیبۃ البتول الحصینۃ فحملت بعیسیٰ فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق آدم بیدہ ونفخہ

معمولی غور کرنے کے بعد ان دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق نظر آ رہا ہے۔ اختصار کیساتھ جو روانی سلاست اور کلام کا زور قرآن مجید میں موجود ہے۔ حدیث نبوی صلعم میں اُسکا دسواں حصہ بھی نہیں پایا جاتا۔ سبحانہٗ اعظم شانہٗ۔ پھر یہ کہنا کسطرح مناسب ہے، کہ قرآن عزیز محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ حاش للّٰہ اِنْ ھٰذَا اِلَّا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ۔

(۵/۱۶۱) یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (یونس) اے لوگو تمہارے پاس خدا کیطرف سے وعظ اور اُس کی نصیحت آ گئی ہے جو روحانی امراض کا علاج بھی ہے۔ قرآن عزیز کا وعظ اور نصیحت ہونا۔ تو اسوقت ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے معانی

اور مطلب کو سمجھ لیا جائے۔ لیکن امراض قلبیہ کے دور کرنیکے واسطے اُس کے صرف الفاظ ہی کافی ہیں۔ گناہوں کی رغبت بداعمالی کا شوق قرآن عزیز کی بکثرت تلاوت کرنیسے جاتا رہتا ہے۔ دنیا کی کوئی ایسی کتاب نہیں ہے۔ کہ جس کے الفاظ پڑھنے سے بغیر اُن کے معانی سمجھے ہوئے روحانیت میں اسقدر نمایاں ترقی پیدا ہو۔ اسلیئے معلوم ہوا۔ کہ یہ خدا ہی کا کلام ہے۔
اللہم اجعل القرآن لی ھادیًا و شفیعًا۔

باب تعجیز الانسان و تبکیتہ فیما ادعاہ

یہود اور نصاریٰ یا مشرکین میں سے جس جماعت نے کسی بات کا دعویٰ کیا۔ اُس کی قرآن مجید میں پُرزور تردید کرتے ہوئے اُن سے اس بات کا ثبوت مانگا گیا۔ مگر وہ اس کے پیش کرنیسے آخر وقت عاجز رہے۔ باوجودیکہ نبی کریم صلعم توریت اور انجیل کی تعلیم سے واقف نہ تھے۔ اور مخالفین نے اپنے خیال کی دنیا میں اچھی طرح اشاعت کر دی تھی۔ جس کیوجہ سے اصلیت کا پتہ چلانا ایک ہوشیار مؤرخ کیلئے بھی نہایت مشکل امر تھا مگر رسول اللہ صلعم نے بیخبری اور لاعلمی کے ہوتے ہوئے اصل واقعہ کے متعلق جو بات پیش کی۔ اُسکو مخالفین میں سے کوئی بھی رد نہ کر سکا۔ اس لیئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمد صلعم نے جو کچھ فرمایا۔ وہ خدا سے فیض پاکر فرمایا ہے اپنی

طرف سے کچھ نہیں کہا۔ اس قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

۱۵۴ جب قرآن عزیز کا مقابلہ کرنیکے لیئے فصحاء عرب کو دعوت دی گئی۔ اور اُن سے بار بار مطالبہ کیا گیا۔ کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مانند کلام بناکر پیش کرو۔ اور انہوں نے اس مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس اور عاجز پایا۔ تو خفت دور کرنے کیلیئے یہ کہا۔ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا۔ اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہہ سکتے تھے۔ مگر اس کے بعد مقابلہ کا مطالبہ کثرت اور سختی کیساتھ شروع ہوگیا ہے۔ اور اُن کے مردہ احساسات کو برانگیختہ کرنے اور مقابلہ کے جذبات کو اُبھارنے کیلیئے یہ آیت ظاہر فرمائی گئی۔ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔ اگر تمام جن اور انسان متفقہ طاقت کیساتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے قرآن عزیز کی مانند کلام بنانا چاہیں۔ تو کبھی نہیں بنا سکتے۔

اس قسم کی آیتوں کے نازل ہونے کے باوجود عرب کے غیرت مند انسان فصاحت اور بلاغت کا دعویٰ کرنیوالے منہ میں گھونگھنیاں ڈالکر بیٹھ گئے۔ اور قرآن کا مقابلہ کرنے کیلیئے تیار نہ ہوئے۔ اگر وہ مجبور نہ تھے۔ تو کیا چیز اُن کو مقابلہ سے روک رہی تھی۔

۱۵۵ یہود نصاریٰ اور مشرکین میں سے ہر جماعت کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اور انکا وہی مذہب تھا۔ جو

آج ہمارا مذہب ہے۔ قرآن نے ان تمام فرقوں کی تردید کرتے ہوئے اپنی رسالت کا ان لفظوں میں اظہار کیا۔ وَمَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پ ۳ ع ۱۶۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گذرے ہوئے تقریباً ۳ ہزار برس ہو چکے تھے۔ ایسے شخص کے مذہب اور ملت کی بابت جس کو دنیا سے رخصت ہوئے ایک طویل زمانہ گذر چکا ہو۔ اور اُس کے خاص پیرو بھی موجود نہ ہوں۔ ایسی حالت میں کسی صحیح بات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً جبکہ تاریخ بھی اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ دیتی ہو۔ تو اس وقت کوئی رائے قائم کرنا اور بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

دُنیا میں تین جماعتیں ابراہیمیت کے دعوی دار موجود تھیں۔ اگر مسلمان بھی ایسا ہی دعوٰی کر دیتے۔ تو زائد از زائد ایک فریق کا اور اضافہ سمجھا جاتا۔ لیکن قرآن نے محض یہ دعوٰی نہیں کیا۔ کہ دین محمدی نسبت دوسرے دینوں کے دین ابراہیمی سے ملتا جلتا اور زیادہ قریب ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ زوردار لفظوں میں دعوٰی داروں کی تردید بھی کر دی۔ کہ اُن کے مذہبی اصول ان تینوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ بھی تعلق اور مناسبت نہیں رکھتے۔ اور یہ تینوں فریق اپنے دعوٰی میں جھوٹے ہیں۔

اگر ان میں ذرہ برابر سچائی ہوتی تو وہ اپنے دعوٰی کے ثبوت میں کوئی تاریخی حوالہ پیش کر کے قرآن کا جھوٹا ہونا ثابت کرتے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ باوجود تاریخی اطلاعات نہ ہونے صدیوں کے گذرے ہوئے انسان

کے متعلق ایسا صحیح فیصلہ کرنا اور مخالفین کا اُسکو رد اور اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر سکنا۔ خصوصاً جبکہ وہ انبیاء سابقین کی کتابوں سے واقف تورات کے مضامین پر مطلع تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سو برس بعد نازل ہوئی تھی۔ اس امر کی کھلی دلیل ہے۔ کہ یہ خبر خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی دوسرے کی بتائی ہوئی نہیں ہے۔

(۳/۱۶۱) جب قرآن میں یہ خبر دیگئی۔ کہ بعض طیب اور پاک چیزیں یہودیوں پر اُنکی بداعمالیوں کی سزا میں حرام کر دیگئیں۔ تو یہود نے اس آیت کے مضمون سے اختلاف کیا۔ اور انکار کرتے ہوئے یہ کہا۔ کہ بعض عمدہ اور نفیس چیزیں بیشک ہم پر حرام ہیں۔ لیکن ہمارے گناہوں کی سزا میں حرام نہیں ہوئیں۔ بلکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہوئی تھیں۔ اور اسوقت سے لیکر اب تک برابر حرام چلی آرہی ہیں۔ گویا انہوں نے قرآنی خبر کے ایک حصہ کی تردید کی۔ اور ایک حصہ کو مان لیا۔ اسوقت قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ ع۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ تو تورات لاکر پڑھو۔ اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ لیکن وہ اس مطالبہ پر ششدر اور حیران رہ گئے۔ اور اُنکو تورات کے لانیکا آخر وقت تک حوصلہ نہ ہوا۔

اگر یہودیوں کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ نبی عربی صلعم تورات کے مضامین سے واقف ہیں۔ اور اُنکو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ تو وہ جھوٹ بولنے اور انکار کرنیکی کبھی جراءت نہ کرتے۔ چونکہ اُن کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام علوم رسمیّہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور توریت کا علم بالکل نہیں رکھتے۔ اسلیئے دہوکا دینے اور جھوٹ بولنے میں اُنہوں نے دلیری کی۔

یہودیوں کا اپنے سر سے جھوٹ کا الزام دور نہ کرسکنا۔ اور باوجود شدید مطالبہ کرنے کے توریت نہ پڑھنا۔ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ قرآن میں جو کچھ خبر دیگئی تھی۔ وہ خدا کی بتائی ہوئی اور بالکل صحیح تھی۔ اور یہودی سَر دہوکے باز اور جھوٹے تھے۔

(سنہ ۱۹۶ ؁) جب اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کا نقصان ہوا۔ اور کچھ آدمی مارے گئے۔ تو مرنے والوں میں بعض آدمی ان منافقین کے رشتہ دار بھی تھے۔ جو جنگ سے دیان بچاکر گھروں میں بیٹھ رہے تھے۔ اور اُسمیں شریک نہیں ہوئے تھے۔ جب اُنکو اپنے عزیزوں اور دوستوں کے مرنیکی خبر ہوئی۔ تو اُنہوں نے اُنپر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے۔ اور جنگ میں شریک نہ ہوتے۔ تو کیوں مارے جاتے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ؁ ۸ ع۔ اُن سے کہدو۔ کہ اگر تم سچے ہو۔ تو اپنے نفس کو موت سے بچاؤ۔

یعنی اگر گھر میں بیٹھے رہنے سے آدمی کو موت نہیں آتی۔ تو تم اپنے آپکو مرنے سے بچاؤ۔ دیکھیں کسطرح بچتے ہو۔

مدارک اور فتح البیان میں لکھا ہے۔ کہ جسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

تو منافقین ہی سے وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا تھا۔ کہ اگر وہ جنگ میں نہ جاتے۔ تو یہاں مارے جاتے اُسیوقت ہلاک ہو گئے۔

بغیر کسی ظاہری اسباب کا منافقین کا دفعتہً مر جانا بتا رہا ہے۔ کہ یہ واقعہ خدائی قدرت کے ذریعہ سے ظہور میں آیا تھا۔ ورنہ انسان میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے۔ اسلیئے معلوم ہوا کہ یہ آیت خدا ہی کی نازل کی ہوئی ہے۔ ن
(۵/۱۶۳) اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُہَا مِنْ اَطْرَافِہَا اَفَہُمُ الْغَالِبُوْ
نَ ۴ ع۔ کیا اہل مکہ اس بات کو نہیں دیکھتے۔ کہ ہم زمین مکہ کے اطراف وجوانب سے گھٹاتے ہیں کیا وہ آخرکار غالب ہو کر رہیں گے۔ یعنی ہم جسطرح مکہ کے اطراف کی زمین کافروں کے قبضے سے نکالکر مسلمانوں کے قبضہ میں دے رہے ہیں۔ ایک روز مکہ بھی اُنسے چھین کر مسلمانوں کو دیدیا جائیگا۔ جب خدا کی حمایت اور مدد مسلمانوں کیساتھ نظر آ رہی ہے۔ تو کفار کو نصیحت پکڑنی چاہیئے۔ اور اگر اہل مکہ کا یہ خیال ہے۔ کہ آخری فتح اسلام کے مقابلہ میں ہماری ہو گی۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اَفَہُمُ الْغَالِبُوْنَ (کیا وہ غالب ہو کر رہیں گے) ذکر کر کے اُنکو مسلمانوں کے خلاف اُبھارا گیا۔ تاکہ وہ اپنی پوری طاقت صرف کر کے مقابلہ کریں اور پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھیں۔ کہ مسلمان کامیاب رہتے ہیں۔ یا وہ اور قرآن کا فیصلہ سچا ہوتا ہے۔ یا اُن کا خیال صحیح نکلتا ہے۔

چنانچہ کفاروں نے تمام عرب کو لیکر ۵ھ میں مدینہ پر چڑھائی کر دی جو غزوہ خندق یا غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اُن کو

بے نیل مرام ذلت کیساتھ واپس ہونا پڑا۔ باوجودیکہ مسلمانوں کی فوجی طاقت
اسوقت تک نہایت کمزور تھی مگر وہ انکا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ اور آخری
فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے اتنا زبردست ہونا
کر کے انکو ہٹا دینا پروردگار ہی کا کام ہے۔ انسان کبھی نہیں کر سکتا۔

(۷/۱۶۷) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اسلامی عقیدہ کی شہرت
ہوئی۔ تو قبیلہ نجران کے نصرانیوں کی ایک جماعت رسول خدا صلعم سے
مناظرہ کرنے کیلئے مدینہ پہونچی۔ یہ جماعت ۶۰ آدمیوں کی تھی۔ انمیں سے
۱۴ رئیس اور اپنی قوم کے بزرگ اور اشراف تھے۔ عاقب ان میں سب کا بڑا
اور سردار تھا۔ اور ایہم اسکا نائب یا مشیر کار تھا۔ اور ایک لاٹ پادری
جسکا نام ابو حارثہ ہے۔ انکے ہمراہ تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب سے پورے واقف
اور زبردست فاضل تھے۔ ان کے مناظرہ کے جواب میں سورۃ آل عمران کی
۸۰ آیتیں نازل ہوئیں جسمیں حضرت عیسیٰ کی بابت اسلامی عقیدہ کو وضاحت
سے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت [illegible] نے اس فیصلہ کے لئے ایک [illegible] مقرر کر دیا۔ تو [illegible] کے
سامنے ایک سادہ اور سہل بات پیش کی۔ اور وہ یہ تھی۔ فقل تعالوا ندع
ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل
فنجعل لعنت الله على الكاذبين [illegible]۔ ان سے کہدو۔ اگر تم قرآن
کے بیان کو سچا نہیں سمجھتے۔ تو ہم اور تم دونوں اپنی اولاد اور عورتوں
کو لیکر میدان جائیں اور خدا سے دعا کریں۔ کہ اے اللہ ہم دونوں میں سے

جو جماعت اس فیصلہ کی جستجو کو آئی ہوئی تھی۔ وہ اسپر متحیر ہوگئی۔ یہ بات سنکر نصرانی بہت آپس میں مشورہ کیا۔ عاقب سے جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور صاحب الرائے تھا۔ کہا اے ... خدا کی قسم تم نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں قول فیصل اور صحیح فیصلہ سنایا ہے۔ خدا کی قسم جب کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا۔ تو وہ بالکل تباہ ہوگئی۔ اور انکا چھوٹا بڑا کوئی زندہ نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنے دین سے محبت ہوگئی ہے۔ اور تم اسکو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ تو بہتر یہی ہے کہ مباہلہ نہ کرو۔ اور اپنے گھروں میں واپس ہو جاؤ۔ عاقب کی اس رائے کے ساتھ سب نے اتفاق کیا۔ اور وہاں سے اٹھکر نبی کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور یہ کہا۔ یا ابا القاسم رایٔنا ان لا نباہلک وان نترکک علی دینک و نثبت علی دیننا۔ اے ابو القاسم (صلعم) ہم آپ سے مباہلہ کرنیکے واسطے تیار نہیں ہیں۔ آپ اپنے دین پر رہیں۔ اور ہم اپنے دین پر۔ آپنے فرمایا۔ کہ اگر تم مباہلہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ تو تمہیں ہماری اطاعت قبول کرلینی چاہیئے۔ اور اگر اس سے بھی انکار ہے۔ تو لڑائی کیواسطے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ ہم ایسا کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ البتہ اس شرط پر کہ آپ ہمیں اپنی حالت پہ چھوڑدیں۔ اور کچھ تعرض نہ کریں۔ تو ہر سال چار ہزار کپڑا ولے کے اور ۳۰ زرہیں دیا کریں گے۔ آپنے ان سے اس شرط پر صلح کرلی۔ اور نصرانیوں کا وفد صلح کرکے گھر کو واپس ہو گیا۔ اگر فضلائے نصاریٰ کی نظر میں نبی اکرم صلعم خدا کے سچے رسول

اور جس عظیم الشان کتاب پر تھی۔ تو انکو مباہلہ سے روکنے والی کیا چیز تھی کہ ذلت کے علاوہ ہر سال کثیر رقم دینی منظور کر لی۔ لیکن مباہلہ جو اس سے ہزار درجہ آسان اور سہل تھا۔ اسکو قبول نہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ وہ قرآن کی صداقت اور سچائی کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

(۱۶۵) مدینہ اور خیبر کے رہنے والے بعض یہودی مشرکین مکہ سے قرض لیکر اس کو واپس نہ کرتے۔ اور اگر انکی امانت ہوتی تو دبا لیتے۔ جب ان سے مطالبہ کیا جاتا۔ تو کہتے کہ توریت کا یہ حکم ہے۔ کہ جو تمہارے مذہب میں نہ ہو تو اس کا قرض ادا کرنا یا امانت واپس کرنی ضروری نہیں ہے۔ قرآن عزیز نے ان کے اس جھوٹ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَمِنْهُم مَّنْ اِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران ع)۔ اہل کتاب میں سے بعض ایسے آدمی ہیں۔ کہ اگر ان کے پاس ایک دینار امانت رکھکر غائب ہو جاؤ۔ تو وہ کبھی اس کو واپس نہیں کرتے۔ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ غیر مذہب والوں کیساتھ ایسے کرنے سے ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہ جان کر خدا پر جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ نے کسی جگہ ان کو امانت کے دبا لینے کی اجازت نہیں دی۔ باوجودیکہ ان کو مشرکین اور مسلمانوں کے سامنے جھوٹا کہا گیا۔ لیکن وہ اس الزام کو اپنے سر سے دور نہ کر سکے۔ جسطرح پہلے اس حکم کی نسبت توریت کیطرف کر رہے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اسکو ثابت کرنے کیلئے آخر

... توریت پیش نہ ... سکے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر خدا صلعم تو توریت ...
... اور پیغمبر تھے۔ آپ کو ایسی صحیح اصلاح دینے والا ...
... ... کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۸۰/۹) یہودیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم نے توریت میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ دوزخ کا دروازہ اتنا بڑا ہے۔ کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے کیلئے ۴۰ سال صرف ہوتے ہیں۔ گنہگار یہودی اُس کو ۴۰ ... میں طے کر جائیں گے۔ اسلیئے ہمارا دوزخ میں رہنا زیادہ سے زیادہ ۴۰ روز ہوگا۔ یہودیوں کے اس جھوٹ کو ظاہر کرنے کیلئے قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ ع۔

کیا خدا تعالیٰ نے تم سے ایسا کوئی عہد کر رکھا ہے جس کو وہ ضرور پورا کریگا یعنی اگر ایسا کوئی عہد ہے۔ تو اُسکو پیش کرو۔ مگر وہ آخر وقت تک پیش نہ کر سکے۔ ایک غلط بات جو یہودیوں نے توریت کی طرف منسوب کر رکھی تھی۔ باوجود واقف ہونے کے اُنکی ایسی پُرزور تردید کرنی خدائی تائید کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۹/۱۸) ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ط

باب التصدیق لما بین یدیہ من الصحف الاولیٰ

یعنی کتاب کا پہلے آسمانی صحیفوں اور انبیا علیہم السلام کی کتابوں کیساتھ موافقت

کرنا۔ اور اُس کی ہدایت اور تعلیم کا رنگ بالکل اُن کے مطابق ہوتا اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً جبکہ پہلے مذہب والوں نے اپنی تعلیم کو بدل ڈالا ہے۔ غلط اور جھوٹی باتیں آسمانی صحیفوں میں ملادی ہیں۔ اور اصلیت کے معلوم کرنیکا کوئی ذریعہ بھی نہ رہا ہو۔ اُسوقت کی تاریخیں بھی اصل واقعہ کو روشنی میں لانیسے عاجز ہوں۔ ایسی حالت میں وہ باتیں ظاہر کرنا جو پرانے صحیح نسخوں اور معتبر تاریخوں میں بڑی جدوجہد کے بعد ملا کرتی ہیں۔ یقیناً اُس کے آسمانی کتاب ہونے کی زبردست شہادت ہے۔ کیونکہ رسولوں کی تعلیم ہمیشہ بے غرض اور نفسانی امراض کو دور کرنے کے واسطے ہوتی ہے جسمیں مجاہدہ کرنا اور نفس کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ بات عام طبایع پر گراں گذرتی ہے۔ وہ ان شہوات اور لذتوں کو جس سے اُن کی طبیعت مانوس ہوجاتی ہے۔ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ اُس کی اشاعت اور ترویج میں روکا وٹیں ڈالتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام حق گوئی سے نہیں رُکتے۔ اور بداعمال انسان اپنی خواہشات کو سامنے رکھکر اُن سے جھگڑا اور مخاصمت شروع کردیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو بلا باطن افراد دُنیا میں کوئی جماعت یا سوسائٹی بنانا چاہتے ہیں۔ وہ یا تو کسی کی عداوت کا پہلو لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اُسکو نقصان پہنچانے کی غرض سے جتھہ بندی کرنا چاہتے ہیں۔ یا دُنیوی جاہ و مال وغیرہ کی طمع اُنکو اس کام کیلئے کھڑا کرتی ہے۔ چونکہ اُن کے کام میں غرض ملی ہوئی ہوتی ہے اس لیے نہ وہ اخلاقیات کے اصلاح کرنیکا خیال کرتے ہیں۔ اور نہ نفسانی

امراض کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بلکہ عوام کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے آسان اور سہل بنا کر اُن کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ایسے شخص کی اسکیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ تو سوائے اُس کی اغراض نفسانی اور ذاتی مفاد کے کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی۔ اسلیئے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے اُس کی تعلیم کبھی موافقت نہیں کرتی۔

حضور علیہ السلام نے کبھی اپنی ذات کیلئے چندے نہیں کئے۔ اور اُس وقت بھی فقر و فاقہ میں زندگی گذاری۔ جبکہ عرب کے ایک حصّہ کے مالک ہو چکے تھے اپنے خاندان کیلئے زکوٰۃ کا مال بند کر دیا۔ اور اُن کی کوئی دوسری امداد اُمت پر فرض نہ کی۔ سادہ زندگی ہونے کے علاوہ اُمّت کو مشقت اور مجاہدے کی تعلیم فرمائی۔ اللہ کے راستہ میں گردنیں دینے کیواسطے کہا۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُن پر فرض کر دیئے شہوات نفسانی سے روکا۔ ناجائز آمدنیاں بند کیں۔ ایسی تکلیفیں بلا رو رعایت وہ ہی پیش کرتا ہے۔ جو خدا کے حکم کے تابع اور اُس کا برگزیدہ بندہ ہو۔

چونکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کیساتھ وہ ہی شخص موافقت کر سکتا ہے۔ جو بے غرض ہو۔ لوگوں کی مفت میں گالیاں سُنے۔ مگر حق بات کو نہ چھوڑے۔ مذہبی اشاعت کے پردہ میں دنیا کا کوئی فائدہ نہ اُٹھائے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہی سے اُس کا بدلہ اور اجر مانگے۔ ایسا دل گردہ والا انسان انبیاء علیہم السلام اور اُن کے سچے متبعین کے سوا دوسرا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے پہلی آسمانی کتابوں نے اُس کی تعلیم

کا موافق ہونا اُس مدعیٔ نبوت کے سچے ہونے کی زبردست دلیل ہے
چونکہ قرآن کی تعلیم پہلی آسمانی کتابوں کی تعلیم کے موافق اور
اُس کی مؤید ہے۔ اس لیئے وہ بھی آسمانی کتاب اور صحیفہ الٰہیہ ہے۔
قرآن شریف میں ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ قرآن عزیز
انسان کا بنایا ہوا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تائید
کرنے والی کتاب ہے۔

اگرچہ پہلی کتابوں کی تصدیق کا مفہوم عام ہے۔ اعمال اور واقعات
دونوں پر حاوی ہے۔ لیکن ہم اس جگہ صرف وہ شہادتیں پیش کرینگے۔
جن سے ان واقعات کو روشنی میں لایا جائیگا۔ جس کو بنی اسرائیل
نے اپنی کتابوں میں بدل دیا تھا۔ یا اُس کی عالم میں غلط تشہیر
کر رکھی تھی۔ دُنیا کی تاریخیں بھی اس کے متعلق کوئی فیصلہ
نہ کرتی تھیں۔ مگر محمد صلعم نے لاعلمی اور ناواقفیت کے باوجود
گذشتہ واقعات اور پہلی آسمانی کتابوں کے مضامین کی
ایسی اطلاع دی۔ جس کی تائید میں غیر محرف کتابیں
اور پرانی معتبر تاریخیں اور قدیم کتبے موجود تھے۔ اس کے
علاوہ مخالفین کے دل اُس کی سچائی کی شہادت دیتے
رہتے تھے۔ بلکہ اُن سے آخر وقت تک اس کی تردید نہ ہو سکی
ایسی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے۔

(پ ۱ ع ۱۶) وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ت ۲ ع ۱۔

حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے مرنے کے وقت اپنی اولاد کو جمع کر کے یہ وصیت کی۔ کہ خدا نے تمہارا مذہب اسلام بنایا ہے تم اسی پر مرنا۔

حضرت ابراہیم اور اُن کے پوتے حضرت یعقوب علیہما السلام کو اپنے بیٹوں کو تاکید کر کے ایمان اور اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کرنا اور یہ قصہ تقریباً ۴ ہزار برس پہلے کا ہے۔ یہودی اور عیسائی جو اس زمانہ میں اہل علم تھے۔ ان میں سے ہر ایک ان دونوں بزرگوں کو اپنے عقائد اور خیالات کے مطابق بتاتا تھا۔ اُن کا یہ لکھنا یا کسی تاریخ میں ایسا لکھا ہے کہ ان حضرات علیہم السلام نے اپنی اولاد کو اسلام کی پابندی کی وصیت کی تھی۔ ان لوگوں سے نہایت بعید ہے اس لیے یہ خبر اُن کے ذریعہ سے کبھی مستفاد نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں ہے۔ کہ یہودیوں نے رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت کی

لہ ابوالسعود جلد ۲۸۶ صا

چلنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اور اسی کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔
باوجود اس لاعلمی کے قدیم زمانہ کی ایسی صحیح خبر دینا کہ جس کی یہودیوں
سے آخر دم تک تردید نہ ہو سکی۔ اس کے کلام الٰہی ہونے کی شہادت ہے

(۲/۱۶۸) قرآن میں مریم علیہا السلام کا حضرت ذکریا علیہ السلام کی تربیت
اور کفالت میں پرورش پانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد
فرمایا گیا۔ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ
يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ (پ ۳ ع ۱۳)

جس وقت حضرت مریم کو لینے اور ان کی پرورش کرنے کے لئے
علمائے یہود اپنے قلموں کو ڈال کر قرعہ اندازی کر رہے تھے آپ ان کے
پاس موجود نہ تھے۔ جو اس قصہ کی آپ کو اطلاع ہو جاتی بلکہ
یہ خبر غیب کی ہے۔ جو اللہ ہی نے آپ کو وحی کے ذریعہ سے
بتائی ہے۔ اگر مریم علیہا السلام کی پرورش اور کفالت کا قصہ انجیل
سے حاصل کیا ہوا ہوتا تو اس جرأت اور دلیری کے ساتھ اس کو
غیب کی خبر اور اس کی اطلاع کو وحی نصرانیوں کے اس وفد کے سامنے
جو مناظرہ کیلئے آیا ہوا تھا کبھی نہ کہا جاتا کیونکہ اس سورت کا
وہ حصہ جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہی لوگوں کی
موجودگی میں نازل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ نبی عربی صلعم
حرف شناس کبھی نہ تھے۔ چہ جائیکہ وہ پہلی آسمانی کتابوں
کے مضامین پر عبور رکھتے۔ اور اس کو پڑھتے۔

اس سے لئے معلوم ہوا کہ واقعی یہ خبر غیب کی خبر تھی۔ اور رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر یا اطلاع وحی کے ذریعہ سے ہوئی۔

(پ ۴ ع ۱۰) كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ ۗ ع ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کے لئے شروع میں حلال تھا۔ البتہ حضرت اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے چند چیزیں ایک نذر میں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ مگر یہ حرمت ان کی ذات کے واسطے تھی۔ بنی اسرائیل پر حرام نہ تھیں۔ یہ آیت یہودیوں کے اس دعویٰ کے جواب میں نازل ہوئی تھی کہ بہت سی پاک اور نفیس چیزیں ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے ہم پر حرام نہیں ہوئیں جیسا قرآن شریف کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ ۔ یہودیوں کی نافرمانی اور گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاک اور عمدہ چیزیں حرام کر دیں بلکہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں حرام ہوئیں تھیں۔ اور اس وقت سے لیکر اب تک حرام چلی آرہی ہیں۔

قرآن نے بتایا کہ یہودی جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ بالکل جھوٹ ہے۔ توریت میں کہیں بھی ایسا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ اس میں یہ ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض حلال چیزیں اپنی ذات پر حرام کر لی تھیں۔ اور بنی اسرائیل کے

لیے شدو رع سے یہ چیزیں حلال تھیں۔ جب ان کے گناہ زیادہ بڑھ گئے تو بعض طیب اور پاک چیزیں بطور سزا کے ان پر حرام کردی گئیں تھیں۔ اگر ان کے دعویٰ میں کچھ سچائی ہے۔ تو اس کے ثبوت میں توریت کا حوالہ پیش کریں لیکن یہودی توریت کے حوالہ پیش کرنے سے عاجز رہ گئے۔ یہودیوں کی غلط بیانی کے باوجود بغیر واقفیت کے توریت کے مضمون کی ایسی صحیح خبر دینا کہ یہودی اس کی تردید کرنے سے ششدر اور حیران رہ گئے۔ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ یہ خبر خدائی تھی۔

(۶۷) یَا اَہلَ الکِتَابِ قَد جَاءَکُم رَسُولُنَا یُبَیِّنُ لَکُم کَثِیراً مِمَّا کُنتُم تُخفُونَ مِنَ الکِتَابِ پ ۶، ع ۷ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے۔ وہ اُن باتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو تم نے توریت اور انجیل کی لوگوں سے چھپا رکھی تھیں:۔

ظاہر ہے۔ کہ نبی عربی صلعم اَن پڑھ اور امی محض تھے۔ جس شہر میں آپ نے سکونت رکھی وہ علم کی جگہ نہ تھی۔ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور نہ کبھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلے باوجود ان حالات کے توریت وانجیل کی وہ باتیں ظاہر کیں جسکو بنی اسرائیل نے چھپا لیا تھا۔ اور اس کے متعلق لوگوں سے غلط بیانیاں کرتے تھے پھر ایسی صحیح خبریں کہ جن کے مقابلہ میں اہل کتاب آخر وقت

تک عاجز رہے۔ اور اس کی تردید نہ کرسکے۔ یقیناً ایسی اطلاعیں
وحی الٰہی کے بغیر کبھی نہیں ہوسکتیں ؛

۵/۱۷۱) اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۔ جو لوگ اتباع
کرتے ہیں خدا کے اس رسول نبی امی کی جنکا نام مبارک وہ توریت
اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے
کہ توریت اور انجیل میں آپ کی بشارت دی گئی ہے۔ آپ
کا نام نشان اور یہ سب کچھ اس میں لکھا ہوا ہے۔ رسول اللہ
صلعم کو اس بات کی اطلاع یہود و النصاریٰ کیطرف سے کبھی
نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ امر نا ممکن ہے۔ کہ ایک طرف آپ کے نبی
ہونے کا انکار کرتے جائیں اور دوسری طرف وہ لوگوں پر یہ ظاہر
کریں۔ کہ نبی آخر الزمان جنکا ذکر توریت اور انجیل میں آیا ہے۔ وہ
وہ یہی ہیں۔ اس لئے آپ کو یقیناً اس کی اطلاع بے لکھے
پڑھے خدا تعالیٰ کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتی ؛

اللّٰهم اٰمنت بما انزلت مصدقا لما بین یدیہ فاجعلنی من عبادک المخلصین

باب ذکر احوال نبینا صلعم التی تدل علی ان القراٰن منزل من لدن حکیم علیم

اس باب میں رسول خدا صلعم کے وہ حالات بیان کئے جائینگے۔
جن سے قران عزیز کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے

ایک یہ ہے :-

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ (پ ۲۱ ع ۱)
الْمُبْطِلُونَ ت ع ۲۰ ۔ آپ نبوت کے ظاہر ہونے کے پہلے کسی
کتاب کا پڑھنا جانتے تھے ۔ اور نہ لکھنا اگر ایسا ہوتا تو پھر باطل پرستو
کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش تھی ۔ دُنیا جانتی ہے ۔ کہ
حضرت محمد صلعم بالکل اَن پڑھ اور امی محض تھے ۔ اور نہ حروف
تہجی کی شکلوں سے واقف تھے ۔ اور خبردار تھے ۔ نہ کبھی کسی
عالم کی صحبت اُٹھائی تھی اور نہ کسی راہ چلتے مسافر سے قصہ اور
کہانی کے طور پر کوئی علمی بات سُنی تھی ۔ جس شہر میں پیدا ہوئے
تھے ۔ وہاں نہ کوئی علمی چرچہ تھا نہ وُہ اہلِ علم کے رہنے کی جگہ تھی ۔ عمر
کے چالیس سال اسیطرح گذار دیئے ۔ اور اِس عرصہ میں کبھی
وطن سے غائب بھی نہ ہوئے ۔ یہ چہل سالہ زندگی سب کے سامنے
دیکھتے ہوئے گذاری ۔ مگر چالیس برس کے بعد دفعتہً انقلاب رُونما
ہُوا ۔ چھپے ہوئے رازوں کو اور دلی بھیدوں کو ظاہر کرنے لگے ۔
اور جو اگلے پچھلے حالات اور واقعات بتائے وُہ اسیطرح پورے
ہوئے ۔ اور اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہوا ۔ دُنیا کے لئے زندگی
کا ایک مکمل اور ہمیشہ رہنے والا قانون پیش کیا ۔ علوم اور معارف
کے خزانے کھول دیئے ۔ فصاحت اور بلاغت کے موتی بکھیرے
اسرار اور نکتوں کا دریا بہا دیا ۔ اپنی زندگی کو عالم کیواسطے نمونہ بنا کر

پیش کر دیا۔ نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی میں اتنا بین اور کھلا ہُوا۔ فرق اور تفاوت پیدا کرنا انسانی طاقت سے باہر اور اس کے احاطے سے وراء الوراء ہے۔ یہ ایسی ہستی کا کام ہے۔ جو لاکھ کو خاک اور خاک سے سونا بناوے۔ اِس لئے کہنا پڑتا ہے۔ کہ محمد صلعم خدا کے برگزیدہ اور سچے رسول اور قرآن کریم خدا کی مقدس کتاب ہے ؛

(۲/۱۷۶) فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ پ۱۱ ع

میں نے اس سے پہلے تمہارے اندر ایک عمر گذاری ہے۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے ؛ یعنی جب نبوت کے ہونے سے پہلے میری زندگی ہر قسم کے عیبوں سے بالکل پاک اور صاف ہے۔ اور کبھی کسی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا۔ تو آج چالیس برس کے بعد بیفائدہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

جو لوگ پیغمبر عربی صلعم کے زندگی کے حالات سے واقف اور باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلعم ۴۰ برس سے پہلے نیک عمل اور وسیع الاخلاق ہونے کے سبب اپنی قوم میں ہر دلعزیز تھے۔ دیانتداری اور عقلمندی کیوجہ سے لوگ اُن کو محمدؐ امین کہتے اور اپنے مقدمات کا فیصلہ ان سے کراتے تھے۔ اور مکہ کا ہر آدمی اس بات کو خوب جانتا تھا۔ کہ محمد صلعم بُرے قانون سے دُور بھاگتے ہیں۔ اور کبھی جھوٹا نہیں بولتے۔

چالیس برس کے بعد جبکہ موت کا زمانہ قریب اور جوانی کے جوش اور ولولے تقریباً ختم ہو جاتے ہیں جس زمانہ میں ایک بداطوار انسان کو بھی توبہ کرنے اور اپنے اعمال کی ..... اصلاح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تو اس وقت ایک نیک انسان کو جھوٹ بولنے اور لوگوں کو دھوکا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ جس شخص نے کبھی عمر بھر میں جھوٹ نہ بولا ہو۔ اس سے یہ بات ناممکن ہے۔ کہ وہ خدا کے معاملہ میں بیفائدہ جھوٹ بولنا شروع کرے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلعم کا تعلق یقیناً خدا تعالیٰ کے ساتھ تھا اور اسی نے یہ کتاب ان پر نازل کی تھی۔

(۳/۱۷) انسان کسی دینوی فائدہ کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے مال و دولت کی طمع عزت اور آبرو کی تلاش اسکو جھوٹ بولنے اور مکر و فریب کا جال پھیلانے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ یا کسی خاص دشمن کو نقصان پہونچانے کی نیت سے جھوٹ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ رسول خدا صلعم کی مبارک ہستی ان تمام باتوں سے منزہ اور پاک ہے۔ پھر آپ کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

چنانچہ ایک دفعہ اہل مکہ نے رسول خدا صلعم کو اسلام کی تبلیغ سے روکنے اور اسکی اشاعت کو بند کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں عتبہ بن ربیعہ کو پہنچا۔ اس نے اپنی قوم کیطرف سے چار باتیں آپ کے سامنے پیش کیں۔ اے محمد صلعم اگر تو نے

یہ سلسلہ مال و دولت کے جمع کرنے کے لیئے کیا ہے۔ تو ہم سب ملکر تجھے مالدار بنادیں گے۔ اور اگر سرداری کی تمنا ہے۔ تو ہم سب تجھے اپنا سردار تسلیم کئے لیتے ہیں اور اگر حسین عورتوں کی خواہش ہے تو ہم خوبصورت اور حسین نازنین نوجوان آپ کی خدمت کے لئے حاضر کردینگے۔ مگر تم ان خیالات کی اشاعت نہ کرو اور ہمارے بتوں کی مذمت اور برائی کرنی چھوڑ دو اور اگر آپ کو دماغی عارضہ پیش آگیا ہے۔ تو ہم اس کا علاج کرنے کے لیئے تیار ہیں ؛

آپ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے اور پھر آپنے سورۂ حٰم پڑھنی شروع کردی عتبہ پر وجد کی حالت طاری تھی۔ وُہ دیر تک محویت کے عالم میں بیٹھا رہا اور پھر چپ چاپ اٹھکر چلا گیا اور اپنی قوم سے جاکر کہا۔ کہ خدا کی قسم وہ شخص نہ دیوانہ ہے اور نہ شاعر اور جادوگر ہے۔ بلکہ تمام انسانوںمیں بڑا عقلمند اور سمجھدار آدمی ہے۔ اسکو تم اپنے حال پر چھوڑ دو اسکی شان ہی نرالی ہے۔ سیرت کی کتابوںمیں ہے کہ ایکروز سرداران مکہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس آکر کہنے لگے کہ بھتیجے آجتک آپکا بہت لحاظ کیا اب ہم سے صبر نہیں ہوسکتا۔ اگر تم نے اپنے بھتیجے کو چپ نہ کیا تو ہم اس کو مار ڈالیں گے اور تم اکیلے ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکوگے چچا نے تمام ملک کی عداوت کو دیکھکر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہا۔ کہ تم بتوں کی مذمت نکیا کرو ورنہ میں تمہاری مدد اور حمایت کرنی چھوڑ دونگا آپنے فرمایا کہ مجھے خدا کی حمایت کافی ہے ؛

اور کسی سے مدد لینے کی حاجت نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ سورج میرے
داہنے ہاتھ میں اور چاند بائیں ہاتھ میں دیدیں تب بھی میں اس کام سے
باز نہ آؤنگا۔ اور اپنی طرف سے خدا کے دین میں ایک حرف کی کمی یا زیادتی نکرونگا
اور اس کام کو اسوقت تک نہ چھوڑونگا جبتک میری جان میں جان ہے اسکے علاوہ
جب آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور اسلام عرب کے دور دراز حصوں میں
پھیل گیا تو ہزاروں جان نثار آپکی جنبش لب پر جان و مال نثار کرنیکے لئے تیار ہوگئے
ملکی محاصل و خزانے آپکی خدمت میں آنے لگے اس وقت بھی آپکی زندگی سادہ
اور فقیرانہ ہی رہی اگر چاہتے تو ہر قسم کا سامان عیش و آرام کا مہیا کر سکتے تھے۔
لیکن وفات کے بعد ایک لکڑی کا پیالہ اور ایک کملی ترکہ میں چھوڑی
رات کو اندھیری میں رہتے فاقہ پر فاقہ کئے مگر ملکی محاصل اور بیت المال میں سے
ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہ کیا البتہ حق کے انکار کرنے والوں سے لڑائیاں
کیں جان جوکھوں میں ڈالی پیٹ پر پتھر باندھے لوگوں کی گالیاں سنیں مصیبتیں
اٹھائیں اپنے ساتھیوں کیساتھ بے تکلف رہتے جسکی وجہ سے باہر کے آنے
والے آدمی کو آقا اور غلام خادم اور مخدوم کی کوئی تمیز نہ ہوتی لوگوں کو ہدایت
فرماتے کہ تم مجھے دیکھکر تعظیم کیواسطے کھڑے نہ ہو۔ تعدد ازدواج کا معاملہ
بیہودہ نفسانی خواہشات پر مبنی نہ تھا ورنہ ایک بڑھیا عورت کیساتھ اپنی جوانی
کا زمانہ کبھی نہ گذارتے یا جسوقت اہل مکہ نے جوان اور خوبصورت عورتیں اسکے
بدلہ میں پیش کی تھیں وہ اسکو فوراً قبول کر لیتے۔ اس کے علاوہ اس خیال
کا آدمی عیش کے دوسرے سامان بھی مہیا کیا کرتا ہے بلکہ اسکی دوسری

مصلحتیں تھیں جنکے ذکر کی یہ جگہ نہیں ہے۔ غرض جس شخص کی زندگی دنیوی
سازوسامان جاہ وحشم کی تمنا اور آرزو سے اسقدر بے لوث اور [illegible] ہو
اس کیمتعلق یہ کہنا کہ اس نے کسی ذاتی طمع کی وجہ سے یہ جھوٹ بولا ہوگا سراسر
لغو اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ ایسا آدمی کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتا اسلئے
جو کچھ محمد عربی صلعم نے فرمایا وہ بالکل درست اور صحیح تھا۔ اور بے شک انپر
خدا کا کلام نازل ہوتا تھا

(۴/۱۷۵) شروع میں نبوت ظاہر ہونے کے وقت ایکمرتبہ وحی آکر ۳ سال متواتر
وحی کا سلسلہ بند رہا اس عرصہ میں دشمنوں نے آپ پر طعن وتشنیع کی مذاق اڑایا
وحی کا مطالبہ کیا کبھی کہتے کہ اسکے رب نے اسکو چھوڑ دیا یا عیاذاً باللہ اسکا
شیطان گونگا ہوگیا۔ ادھر آپکو وحی کے منقطع ہوجانیکا سخت صدمہ ہوا۔ کفار کی
ملامت الگ تنگ کررہی تھی ان واقعات سے گھبراکر آپنے ہلاکت کا ارادہ کیا
اور پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپکو گرانے کیلئے اوپر چڑھ گئے کہ خدا کا فرشتہ ظاہر ہوا۔ اور
اس نے تسلی دی اور پھر وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اور تیئیس سال تک برابر وحی آتی رہی
اگر قرآن محمد صلعم کی بنائی ہوئی کتاب ہوتی تو ۳ سال متواتر جبکہ وحی کا سلسلہ
منقطع ہوگیا تھا انتظار کی صعوبت اٹھانے لوگونکی ملامت سننے اور اپنا مذاق
اڑانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس ۳ برس کے عرصہ میں تھوڑا بہت کلام کیوں
نہ بنالیا۔ معلوم ہوا کہ وہ خدا کے حکم کے تابع تھے۔ اپنی طرف سے نہیں کر
سکتے تھے۔

(۵/۱۷۶) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ ۲۱ ع) تمہارے

سے لیے رسول اللہ کی ذات میں پیروی کرنیکے لئے عمدہ خصلتیں ہیں۔ اگر رسول اللہ صلعم کی زندگی کے مختلف شعبوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ جنگ کے میدان میں ایک زبردست سپہ سالار نظر آتے ہیں اور ملکی معاملات میں بڑے سیاست دان اور ماہر قانون دکھائی دیتے ہیں۔ امور خانہ داری اور دنیوی کاروبار میں لائق اور تجربہ کار انسان ہیں۔ عقل اور حکمت کی باتوں میں اعلیٰ درجہ کے فلسفی اور ماہر فیلسوف ہیں۔ اعمال کی اصلاح اور اخلاقیات کی تعلیم میں مصلح اعظم اور رہبر کامل ہیں خشکی اور تری کے فیصلوں میں ایک ہوشیار امیر البحر اور تجربہ کار سیاح سے کم نہیں ہیں تجارتی مشورے اور اقتصادی عقدوں کے حل کرنیکے لئے وہ نکتے پیش کئے جو کہنہ مشق تاجر کے دماغ میں بھی نہیں آتے اور عمریں صرف کرنے کے بعد حل ہوتے ہیں۔ جس شخص کی ساری عمر بے خبری اور لاعلمی میں گذری ہو۔ اسکی زندگی کا ہر شعبہ دنیا کے لئے نمونہ ہو اور اسکی تعلیم اور تربیت کا ہر جزو حکمت کا ایک دفتر ہو۔ بغیر تائید الٰہی سے نہیں ہو سکتا اس لئے معلوم ہوا کہ آپکا معلم اور استاد خدا تعالیٰ ہے اور جس کتاب کے ذریعہ آپکو تعلیم دی گئی وہ صحیفہ آسمانی اور خدائی کتاب ہے۔

(۶/۱۷) اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَا ۱۱ ع جب ہماری روشن اور کھلی ہوئی آیتیں کافروں کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ انکو سنکر کہتے ہیں کہ کوئی اور قرآن لیکر آؤ۔ یعنی ایسی کتاب لاؤ جس میں ہمارے شرکیہ کی مذمت اور ہمارے خیالات کی تردید نہ ہو اسوقت ہم تمہاری اتباع اور پیروی کرنیکے لئے تیار

ہیں۔ اگر حضرت محمد صلعم کو سرداری کی تمنا اور دنیوی مفاد کی خواہش ہوتی تو اہل مکہ کے خیالات کی تائید کر کے عزت اور جاہ مال و دولت وغیرہ بآسانی حاصل کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ اہل مکہ نے خود یہ تجویز انکے سامنے پیش کی تھی اور حصول کا راستہ بتا دیا تھا۔ اس سے بہتر کوئی اور موقعہ دنیوی منافع کے حاصل کرنیکا نہیں ہوسکتا کیونکہ جو شخص ذاتی مفاد کیلئے ایسا کام کرنیکے لئے کھڑا ہوتا ہے وہ عوام کے جذبات اور خیالات کی حمایت اور تائید ضرور کیا کرتا ہے مگر رسول خدا صلعم نے حق اور راستی کی وہ باتیں پیش کیں جو عوام اہل مکہ کے مذاق کے خلاف انکی دلچسپیوں کی مخالف اور رسومات فاسدہ اور عقائد باطلہ کی تردید کرنیوالی ہیں اگر آپ کو مال و دولت کی طمع اور عزت آبرو کی خواہش ہوتی تو عوام کی مرضی کا ضرور خیال رکھتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ انکا ضمیر ہر قسم کی طمع اور لالچ سے بالکل پاک اور صاف تھا اور وہ ہر کام میں خدا کے فیصلہ اور اس کے حکم کے تابع تھے اور اسی خدائی فیصلہ کا نام قرآن عزیز ہے

اہل مکہ نے یہودیوں کے کہنے سے روح اصحاب کہف اور سکندر ذوالقرنین (ہے ۸
کے قصے کے متعلق رسول خدا صلعم سے سوال کیا۔ آپنے فرمایا کہ میں ان باتوں کا جواب کل دونگا۔ اور آپ اسکیساتھ ان شاء اللہ (اگر خدا نے چاہا) کہنا بھول گئے اور یہ خیال تھا کہ اتنی دیر تک وحی آجائیگی مگر وحی تقریباً پندرہ روز تک نہ آئی کافروں نے وعدہ کیموافق جواب نہ دینے کیوجہ سے ہنسی اڑائی اور آپکو جھوٹا کہنا شروع کیا رسول خدا صلعم کو وحی کا انتظار کرتے اور کافروں کی بدزبانی کیوجہ سے بے انتہا اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی پندرہ روز کے بعد یہ آیت اتری وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ع ۱٦ کسی کام کیمتعلق پختہ

طور پر یہ نہ کہو کہ میں کل ایسا کرونگا ۔ بلکہ اس کے ساتھ انشاءاللہ اگر خدا نے چاہا لگا دیا کرو ۔ اس آیت میں وحی کے اندر دیر ہونے کی وجہ تو بیان کرتے ہوئے یہ فلسفہ اور حکمت بھی ظاہر کردی کہ انسان اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اسے ہر کام میں خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد تینوں باتوں کے متعلق قرآن میں ایسے صحیح اور درست جواب دئیے گئے جسکو اہل کتاب نے بھی تسلیم کیا اور ان سے تکذیب نہ ہو سکی ۔ اگر قرآن محمد صلعم کا بنایا ہوا ہوتا تو اس واقعہ میں پندرہ روز تک لوگوں کے طعن و تشنیع اور بیہودہ باتیں سننے اور انکی نظروں میں جھوٹا بننے کی کیا ضرورت تھی ۔ اور اتنے دنوں تک وحی کے انتظار میں تکلیف اٹھانیکی کوئی حاجت نہ تھی ۔ وعدہ کے موافق اگلے روز ان کے سوالات کا جواب دے دیتے ۔ اس کے علاوہ جب پہلے دن اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ آپ کو معلوم نہ تھا ۔ تو اتنے عرصہ میں وحی کے علاوہ کس ذریعہ سے آپ کو علم ہو گیا ۔ آپ خود پڑھے ہوئے نہ تھے ۔ کسی عالم سے دریافت نہیں کیا ۔ اس لئے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص آپکو واقعات کی اطلاع دینے والا نہیں ہو سکتا ۔

اللھم اجعلنی متبعا لسنتہ السنیۃ وارزقنی شفاعتہ ۔ آمین

باب ما یبین کشف للنبی صلعم او کان صحایف کطبعہ الشریفہ یعنی وہ باتیں جو ظاہر نظر میں رسول خدا صلعم کیلئے قابل اعتراض ہوتے ہوئے بیان کی گئیں یا آپ کی طبیعت اور رائے کے مخالف ہونے کے

باوجود قرآن میں مذکور ہونیکے ظاہر ہے کہ کوئی شخص اپنے کلام میں دیدہ و دانستہ ایسے نقائص اور برائیاں نہیں رکھا کرتا جو دیکھنے والے کے نظر میں قابل اعتراض ہوں خصوصاً وہ آدمی جو اپنے آپ کو خدا کا برگزیدہ بندہ اور دنیا کا پیشوا کہتا ہو۔ وہ کبھی ظاہر میں ایسی بات نہیں کیا کرتا جس سے کم فہم اور ناسمجھ لوگوں کے دلمیں اس کی طرف سے بدگمانی پیدا ہو جائے۔ اسیطرح عام لوگوں کے سامنے ایسا آدمی اپنے نقائص اور غلطیاں بیان نہیں کیا کرتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں رسول خدا صلعم کیمتعلق بعض ایسی باتیں بیان کیگئیں ہیں۔ جو کوتاہ عقل اور ناسمجھ لوگوں کی نظر میں قابل اعتراض ہیں۔ یا وہ باتیں اس میں مذکور ہوئی ہیں جسمیں رسول اللہ صلعم کے رای کی غلطی گذشتہ عمل کا رد اور آیندہ کیلئے اصلاح کی صورت بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ باتیں درحقیقت حضرت محمد صلعم کی گھڑی ہوئی نہیں ہیں۔ ورنہ آپ اسکو جان بوجھکر ظاہر کرکے بیفائدہ نادان اور بیوقوف لوگونکی ملامت کا نشانہ کبھی نہ بنتے۔ چنانچہ اس قسم کی خبروں میں سے ایک خبر یہ ہے:۔

(۱/۱۲۹) بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف سے ۷ آدمی مسلمانونکے ہاتھ قید ہو گئے رسول اللہ صلعم نے صحابہ کو جمع کرکے ان قیدیوں کیمتعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمر نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان لوگونکو قتل کردینا چاہئے اور ہم سے ہر آدمی اپنے رشتہ دار کو اپنے ہاتھ سے مارے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ مسلمان غریب ہیں۔ مال دولت کی ان کو سخت ضرورت ہے۔ میری رائے میں ان سے

فدیہ اور ان کا بدلہ لیکر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اس میں دوسرا فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ انکو اسلام کی تعلیم میں غور و فکر کرنیکی مہلت ملجائیگی ممکن ہے کہ یہ لوگ بہت جلد مسلمان ہوجائیں رسول صلعم نے ابوبکر کی رائے سے اتفاق کیا۔ اور جبکہ یہ تمام قیدی چھوڑ دیے اسوقت قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ف ۵ ع جب تک کافروں کے قتل کی خوب گرم بازاری نہ ہو جاتی خدا کے رسول کو قیدیوں کا لالچ نہ کرنا چاہئیے تھا آخر میں فرمایا گیا کہ تم محض اللہ کے فضل اور اسکی مہربانی کیوجہ سے چھوڑ دئے گئے ورنہ اس فیصلہ کیوجہ سے تم پر خدا کا عذاب نازل ہوجاتا روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونیپر رسول اللہ صلعم اور ابوبکر دیر تک روتے رہے۔ نبی کریم صلعم کو ایک کام کرنیکے بعد اپنے نفس پر اسقدر غصہ اور عتاب ظاہر کرنے اور اسپر رونیکی کیا ضرورت تھی اس لئے معلوم ہوا کہ غلطی پر تنبیہ اور غصہ کا اظہار خدا تعالی ہی کیطرف سے ہوا

(۲/۱۸۳) جب عبد اللہ ابن ابی منافق مرنے لگا تو اسنے حضور کو یاد کیا اور یہ درخواست کی کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ آپ اسکے گھر تشریف لیگئے اور دعا کرکے چلے آئے مرنیکے بعد رسولخدا صلعم نے اپنا کرتہ کفن میں لگانے کیواسطے اور اسکے بیٹے کی درخواست پر آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے تیار ہوگئے اسوقت خدا کیطرف سے یہ ہدایات آپکو موصول ہوئیں وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (توبہ) آپ ہرگز ایسی لوگونکے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور نہ انکی قبر پر کبھی کھڑے ہوں کیونکہ ان کا مرنا کفر پر ہوا ہے جب آپ نماز پڑھنے اور اسکی قبر پر کھڑے ہونیکے لئے رضامندی ظاہر کرچکے تھے بغیر کسی ظاہری سبب کے اس رائے کو بدلنے اور اس فعل سے روکنے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا

(۳/۱۸۱) رسول اللہ صلعم کو اس بات کا بڑا رنج تھا۔ کہ آپ کے چچا ابوطالب نے آخر وقت تک توحید کا اقرار نہ کیا۔ اور کفر پر مرگیا۔ چونکہ اس نے آپ کے ساتھ بڑی ہمدردی کی تھی۔ اور

ہمیشہ کفاروں کے مقابلہ میں آپ کی پُشت پناہ رہتا تھا۔ اور ہر موقعہ پر اُسنے آپکی حمایت اور مدد کی تھی۔ اس لئے آپکو اُس کا بہت خیال تھا۔ آپنے اُس کو مرنے کے بعد فرمایا۔ کہ جبتک خدا کیطرف سے مجھے نہ روکا جائیگا۔ میں ہمیشہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتا رہونگا۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ رسول اللہ مدینے کے راستے میں ایک مقام پر اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لیگئے۔ اور اُن کیلئے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ مگر آپکو مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا کرنے سے روک دیا گیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۔ ت ۱۱ ع ۔ جب کسی مشرک کا مرنا خواہ رشتہ دار ہو۔ کفر پر یقینی طور سے معلوم ہو جائے۔ تو اُس کیلئے مغفرت کی دعا کرنی۔ نبی اور اُس کے متبعین کو جائز نہیں ہے۔ یہاں بھی آپ کو مرضی کیخلاف روکا گیا ہے۔ ایسا کرنے میں بظاہر رائے کی کوئی غلطی بھی معلوم نہیں ہوتی۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ خود نبی کریم صلعم کی رائے بدل گئی ہوگی۔ بلا وجہ رائے میں دفعتہً تبدیلی پیدا کرنا بتا رہا ہے۔ کہ آپ ہر کام میں خدا کے تابع ہیں۔

(۱۴۲) انکے بعد مکے کے چند رئیس رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ کہ ہم آپ کے پاس اسلئے نہیں آتے۔ کہ آپ کی مجلس میں غریب اور نادار لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کو اپنے پاس سے الگ کر دیں۔ تو ہم آپکے باتیں سننے کیواسطے آ سکتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلعم نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور غریب مسلمانوں کو اپنی مجلس سے باہر کرنیکا حکم فرما دیا۔ فوراً قرآن کی یہ آیت ظاہر ہوئی۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ جو لوگ اخلاص اور نیک نیتی کیساتھ دن رات خدا کی یاد کرتے ہیں۔ آپ انہیں اپنی محفل سے باہر نہ نکالیں۔ اس آیت کے ظاہر ہوتے ہی نبی علیہ السلام نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔ جب اہل مکہ نے یہ دیکھا۔ کہ آپ غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے الگ کرنیکیلئے تیار نہیں ہیں۔ تو اُنہوں نے دوسری درخواست کی۔ کہ ملاقات کیلئے ایک دن انکیواسطے اور ایک دن ہمارے لئے باری باری سے مقرر فرما دیجئے۔ یا ہم جس وقت آئیں۔ انکیطرف توجہ نہ فرمایا کریں۔ آپ اس کیلئے رضامند ہو گئے۔ مگر قرآن کی ایک آیت کے ذریعہ آپکو اس ارادہ

سے بھی رد کردیا گیا۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
(الدنیا) آپ کی نظر غریب مسلمانوں کی طرف سے نہ ہٹے۔ دنیا کے ساز و سامان کی
طرف آپ کی نظر ہے۔ جو دولتمند کافر کی خواہش پورا کرنا چاہتے ہو۔
اس آیت میں آپ کو اس فعل سے روکتے ہوئے کسقدر عتاب آمیز الفاظ
استعمال کیئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت محمد صلعم پر کوئی اور ہستی
حکمران ہے۔ جو اُنکو بعض کاموں پر ٹوکنے والی اور اُن کے غلطیوں کی
اصلاح کرنیوالی ہے۔

(شق ۱۴۳) رسول خدا صلعم نے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی
زینب کا نکاح اپنے متبنّی زید سے کرنا چاہا۔ چونکہ زید آزاد شدہ غلام
تھے۔ اور زینب قریش کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اس لیئے زینب اور
اُنکا بھائی اس سے عقد کرنے کیلئے راضی نہ تھے۔ اور رسول اللہ صلعم سے نکاح
کرنے کیلئے تیار تھے۔ مگر رسول خدا صلعم نے زید کیلئے اصرار کیا۔ اس لیئے
انہوں دونوں کو آپ کے حکم کے سامنے گردن جھکانی پڑی۔ اور اُنسے نکاح کردیا گیا۔
اگرچہ زینب کا نکاح زید سے ہو گیا۔ لیکن دونوں میں موافقت نہ ہوئی۔ آخر کار
نتیجہ اس نااتفاقی اور روز کی ناچاقی کا یہ نکلا کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق
دیدی۔ چونکہ رسول اللہ صلعم نے اپنی کوشش اور سعی سے یہ عقد کرایا تھا
طلاق واقع ہونے کے بعد آپ کو زینب کیطرف سے فکر ہوا۔ آپ نے زینب
کے دل سے اُس ملال کو دور کرنے کے لیئے چاہا۔ کہ زینب اور اُس کے
بھائی کی دیرینہ آرزو پیدا کر دی جائے۔ ور زینب کا نکاح اپنے ساتھ کر
لیں۔ مگر لوگوں کی طعنہ زنی کا ڈر اس سے مانع تھا۔ کیونکہ متبنّی کی بیوی سے

علہ جعفری

نکاح کرنا اسوقت کے موافق ایسا ہی برا تھا۔ جیسا کہ اصلی بیٹے کی بیوی سے عقد کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ اسلام نے متبنٰی کا درجہ اصلی بیٹے کے برابر نہیں رکھا تھا۔ اور متبنٰی کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کرنا شرعاً جائز تھا لیکن لوگوں کے خوف کیوجہ سے آپ کو اس ارادے کے ظاہر کرنیکی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اسوقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ۔ آپ اپنے دلمیں وہ بات چھپائے ہوئے ہیں۔ جسکو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو لوگوں کا ڈر ہے۔ حق تعالیٰ کا خوف دلمیں رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ یعنی جو چیز شرعاً جائز اور مباح ہے۔ اُسکو لوگوں کے ڈر سے چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

لوگوں کے ڈر سے کسی بات کا چھپا لینا اور اُسکو ظاہر کرنا ایک طرح کی کمزوری ہے۔ جس کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ کوئی شخص دیدہ دانستہ اپنی کمزوریوں کو ظاہر کرکے ناسمجھ۔ اور بیوقوف لوگوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنا کرتا۔ اگر قرآن محمد عربی صلعم کا بنایا ہوا ہوتا۔ تو آپ اس قسم کی آیتیں کبھی ذکر نہ فرماتے۔

اس لیئے معلوم ہوا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اور وہ ہی اُسکا نازل کرنے والا ہے۔

(۱۸ ہـ) ایک دن عبداللہ بن ام مکتوم نابینا رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ یا رسول اللہ خدا نے جو علم آپکو بخشا ہے۔ وہ آپ مجھے

بھی لکھا ہیں کہ اس وقت حضور کی خدمت میں مکہ کے چند رئیس اور سردار بیٹھے ہوئے اسلام کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ آپ کو عبد اللہ کا آنا ناگوار معلوم ہوا۔ اور ان کی درخواست کا کوئی جواب نہ دیا۔ فوراً اس حرکت پر رسول اللہ صلعم کو تنبیہ اور تہدید کرنے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ ع۔ ایک اندھے کے آنے پر منہ پھیر لیا۔ اور ترشروئی اختیار کی۔ اور دولت مندوں کے ساتھ لگے رہے۔

اس آیت میں جس غصہ اور عتاب کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ صاف بتا رہا ہے کہ آپ پر اس واقعہ کی وجہ سے غصہ کا اظہار کرنے والا کوئی دوسرا شخص ہے۔ ورنہ کوئی معقول آدمی اپنی مرضی کے موافق کام پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا کرتا اس لئے معلوم ہوا کہ ایسی لغزشوں پر آپ کی گرفت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں تھا۔ اللّٰھم اَعِزَّ الْاِسلام وَنَاصِرَہٗ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

باب ظہور وقائع العالم علی ما اخبر بھا

نظام عالم میں بعض واقعات کا اسی طرح ظاہر ہونا جیسا کہ قرآن میں اس کی خبر دیگئی ہے۔ باوجودیکہ وہ چیزیں تجربہ کے احاطہ سے باہر ہیں۔ مگر دنیا کی ابتداء سے لیکر آج تک کبھی اسکا خلاف نہیں ہوا۔ یقیناً ایسی

خبر وہی دے سکتا ہے۔ جو اگلی اور پچھلی قوموں کے حالات سے باخبر اور اُس کا علم تمام جہاں پر محیط اور پھیلا ہوا ہو۔ ایسی بزرگ ہستی خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

(۷/۱۸۵) فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۶ ع ۱۳

جب انسان خدا کی نصیحت اور اُسکے تذکرہ کو بھلا دیتا ہے۔ تو ہم اُس پر دنیوی عیش و آرام کے دروازے کھول دیتے ہیں۔

یعنی خدا کی نافرمانی کرنے اور اُس کی ہدایات پر نہ چلنے والے کی دنیا آباد اور آمدنی کے ذریعے وسیع کر دیئے جاتے ہیں۔ ایمان کی دولت سے جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ محروم کر کے دنیا کا ساز و سامان جو ایمان اور آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک معمولی چیز ہے۔ دیدیا جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا کی دولت اندازہ اور تخمینہ کیساتھ دی جاتی ہے۔ مگر روزی حاصل کرنے کے راستے اور کمائی کے طریقے اُن کیلئے آسان اور سہل کر دیئے جاتے ہیں اسطرح انکا انہماک و مشغولیت دنیا کے کاروبار میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اُن کو آخرت کے طلب کرنیکا خیال اور دھیان نہیں رہتا۔ یہ ایک طرح کی سزا ہے۔ یہ معمولی اور ناپائیدار چیز دے کر ایک عمدہ اور نفیس چیز سے روکا گیا ہے۔ گویا دنیا کا ساز و سامان ایک کھلونا ہے جس میں پھنسا کر دائمی راحت کے حاصل کرنے اور ایک بڑی نعمت کے مطالبہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ بات دنیا میں بالکل اسی طرح پائی جاتی ہے

جیسا کہ اس کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ غیر مسلم فرقے یہود و نصاریٰ اور مشرکین مجموعی حیثیت سے دولتمند اور مالدار ہیں۔ دنیوی کاروبار میں جسقدر ان لوگوں کو ترقی اور عروج حاصل ہوتا ہے۔ اتنا ایک دیندار مسلمان کو نہیں ہوتا اور نہ اُنکو اتنی دنیوی کاروبار سے مشغولیت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں سے جن فرقوں نے باطل پرستی اختیار کی اور مذہب کو چھوڑ دیا۔ وہ جماعتیں بنسبت دیندار اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے زیادہ مالدار اور خوش حال ہیں۔

دنیا کو اس انتظام پر قائم کرنا رسول اکرم صلعم کا کام نہیں ہے۔ اور نہ یہ تجربہ سے حاصل ہونیوالی چیز ہے۔ کیونکہ اسمیں آپ کے بعد قیامت تک آنیوالی نسلوں کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے۔ ایسا صحیح فیصلہ خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔

(۸۹) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ث ۳ ع۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر انعام کرکے اس نعمت کو اسوقت تک اس سے نہیں چھینتا۔ جب تک وہ خود اپنی اہلیت کو ضائع نہیں کر دیتی۔

نعمت جسمانی ہو یا روحانی ظاہری ہو کہ باطنی کسی قسم کی نعمت ہو۔ وہ حقیقت میں اسوقت تک ضائع نہیں ہوتی۔ جب تک آدمی بداعمالیوں اور نقائص کیوجہ سے اپنے آپ کو اسکا نااہل ہونا ثابت نہ کرے۔ عالم کی تدبیر کے متعلق ایسی صحیح اور پختہ خبر دینا ایسی ہستی کا کام ہے جو تمام

جہاں کا مدبّر اور عالم کا منتظم ہے۔
(پ ۲۳ ع ۱۹) سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ
الخ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے اُگنے والی تمام چیزوں کا جوڑا بنایا۔
ساڑھے تیرہ سو برس پہلے یہ خبر دیگئی۔ اور اس شخص کے ذریعہ یہ الفاظ
ظاہر کئے گئے جو معمولی نوشت وخواند سے بھی آشنا نہیں ہے۔ اُس کو
علمی نکات اور فلسفی تحقیقات سے واقف ہونا تو اور بھی زیادہ دشوار اور
مشکل تھا۔ لیکن اُس کی زبان سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمام دنیا کی نباتات
اور زمین سے اُگنے والی چیزوں میں جوڑا ہوتا ہے۔
آج علم نباتات کے جاننے والے اور ماہرین طبقات الارض کا اس پر اتفاق
ہے۔ کہ قدرت نے نر مادہ نہ صرف حیوانات میں رکھے ہیں۔ بلکہ جملہ قسم کے
پودوں گھاس اور درختوں میں نر مادہ پائے جاتے ہیں۔ ایک اُمّی کی زبان سے
ایسی تحقیق کا ظاہر ہو جانا بتاتا ہے۔ کہ خدا کی تائید اور اُس کی حمایت ان کے
ساتھ ضرور شامل حال تھی۔
(پ ۱۳ ع ۸) اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ ۱۳ ع ۹۔ اللہ
تعالیٰ جس کیلئے چاہے۔ روزی میں وسعت پیدا کر دے۔ اور جس کیلئے چاہے
تنگی کر دے۔
درحقیقت روزی ہنر پر نہیں ملتی۔ بہت سے ہنرمند ٹھوکریں کھاتے
پھرتے ہیں۔ اور بے وقوف موجیں اُڑاتے ہیں۔ علم و ہنر دولت کے حصول
کیواسطے ایک بہانہ ہے۔ کبھی کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہ یقینی

بات ہے۔ کہ رزق کی تقسیم باندازہ مُنہر نہیں ہے۔ اور ایسا پختہ اور مستحکم نظام ہے۔ کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں بدلا۔ نظام عالم کے متعلق ایسی صحیح خبر دینے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

(۵/۱۹۲) اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ۔ ع ۔ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازہ کیساتھ پیدا کیا۔ فی الحقیقت قدرت کے کارخانہ میں اس نے جس چیز کو جس موقع اور محل پر رکھا ہے۔ اگر اُسمیں ذرا سی تبدیلی کر دی جائے۔ تو اُس سے مطلوبہ فائدے کبھی حاصل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس کو جس حالت میں رکھا ہے۔ وہ حالت اس کے حق میں نفع بخش اور دوسروں کیلئے فایدہ رساں ہے۔ اسمیں تغیر پیدا ہونیسے تمام کام خراب اور درہم برہم ہو جاتا ہے۔ جسطرح ایک نسخہ کی ترکیب میں ادویہ کے مقررہ اوزان کی رعایت اور اُن کے باہمی تناسب کا لحاظ نہ کرنیکی وجہ سے بجائے فایدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ بعینہ یہی حال کائنات عالم کا ہے۔ ایسی صحیح اور پختہ خبر دینا یقیناً خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۷/۱۹۰) لَاُغۡوِیَنَّہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡہُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ۔ شیطان نے کہا۔ کہ میں سب کو بہکاؤنگا۔ مگر تیرے مخلص بندوں کو نہیں بہکا سکونگا۔

چنانچہ بدی کے خیالات گنہگار اور برے عمل والوں کے دلمیں پیدا ہوتے ہیں۔ خدا کے خاص اور مخلص بندوں کی دلمیں بدی کے خیالات کبھی نہیں آتے۔ اور اگر کبھی خارجی اثرات سے کوئی ایسا خیال پیدا بھی

ہو جائے۔ تو وہ فوراً اس سے سنبھل جاتے ہیں۔ اور گناہ کا کام نہیں کرتے۔

بُرے خیالات کا پیدا ہونا شیطانی وسوسے کی وجہ سے ہے۔ اور اُسی کو آیت میں شیطان کے بہکانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرض کسی عمل پر نیک و بد خیالات کا پیدا کرنا حضرت محمد صلعم کا کام نہیں ہے۔ یہ اُسی کا کام ہے۔ جو انسانی خیالات کا مالک اور جسکا ارادہ تمام ارادوں پر غالب ہے۔

(۷/۲۹۱) وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ ۱۴/۱۵ع۔ تیرے خدا نے شہد کی مکھی کو یہ سمجھا دیا۔ کہ جو جگہ سائبان کی طرح ہو۔ درخت یا پہاڑ وغیرہ ان سے اس پر اپنا چھت لگائے۔

دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ شہد کی مکھی ہمیشہ جھکی ہوئی جگہ پر بیٹھتی ہے۔ اور اُسکا چھتہ لٹکا ہوا رہتا ہے۔ مکھی کے دل میں ایسی بات ڈال دینی حضرت محمد صلعم کا کام نہیں ہے۔ یہ دھیان کے پیدا کرنے والے ہی کا کام ہے۔

(۸/۱۹۲) نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں۔ جو جانوروں کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ حیوانات کے اعضاء کی تشریح کرنیوالے بیطار اور ڈاکٹر حیوانات جانتے ہیں۔ کہ دودھ کے پیدا ہونیکی جگہ حیوانات میں گوبر اور خون کے درمیان ہے۔ اور بغیر قدرت الٰہی کے کسی کا انسان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ رسول خدا صلعم تو بیطاری اور علم تشریح سے بالکل

ناواقف تھے۔ اُن کی زبان سے ایسی زبردست تحقیق کا ظاہر ہونا بتا رہا ہے۔ کہ خدائی تائید اُن کے ساتھ تھی۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ (۹/۱۹۴) ع۔ جب تم کو دریائی مصیبت گھیر لیتی ہے۔ تو تم خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔

دریائی سفر کرنیوالے جانتے ہیں۔ کہ جب کشتی یا جہاز طوفان میں آجاتا ہے۔ اور نجات کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔ تو اُسوقت ایک دہریہ اور مشرک کی زبان پر بھی خدا تعالیٰ ہی کا نام ہوتا ہے۔ اور وہ تمام معبودان باطل کو بھول جاتا ہے۔

محمد نبی صلعم قیامت تک کیلئے تمام جہان کا ایسا صحیح فیصلہ تائید الٰہی کے بغیر کسی طرح نہیں کر سکتے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (۱/۱۹) آفتاب کبھی چاند کو نہیں پکڑ سکتا۔ اور نہ رات دن کے مقررہ وقت ختم ہونیسے پہلے آسکتی ہے۔ یعنی آفتاب اور چاند دونوں ایک برج میں کبھی اکٹھے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کی گردش کا محور الگ الگ ہے۔ دونوں کی رفتار میں بھی بڑا فرق ہے۔ چاند مہینے میں تمام فلک کا دورہ پورا کرتا ہے۔ تو سورج سال بھر میں چکر لگاتا ہے۔ سورج کے نزدیک اور دور ہونیسے دن اور رات کے حوادث ہر موسم میں مقررہ اور طے شدہ ہیں۔ ان میں کبھی فرق نہیں ہوتا۔ یہ

کبھی نہیں ہوا کہ سورج کسی موسم میں اپنے مقررہ وقت سے پہلے طلوع یا غروب کرے۔ تمام سال کا جو نظام ہے۔ وہ بدستور باقی ہے۔ اور قیامت تک اسیطرح رہیگا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جسپر ہیئت دانوں کا اتفاق ہے۔ علم ہیئت کے مسئلوں کا ایک اُمّی کی زبان سے ظاہر ہونا خدائی تعلیم کا پتہ دے رہا ہے۔ پھر ہیئت دان بھی آئندہ کے متعلق قطعی طور پر دعویٰ نہیں کرسکتا۔ مستقبل کے متعلق ایسا زبردست دعویٰ کرنا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

(۱۹۰ الف) مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۲۷ ع ۱۔ دو دریاؤں کا میٹھا اور کھاری پانی ملتا ہوا جاتا ہے۔ درمیان میں ایک قدرتی پردہ حایل ہے۔ جو ایک کا اثر دوسرے میں نہیں ہونے دیتا۔ جو کچھ خبر دی گئی۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ مجمع البحرین میں بہت دور تک دونوں پانی ایکدوسرے سے ملے ہوئے الگ الگ چلے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ رسول خدا صلعم کبھی ساحل کے کنارے نہیں پہونچے۔ مگر دو دریاؤں کے ملنے کا جو حال بیان کیا جا رہا ہے۔ اسمیں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی پردہ کا ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ ان دونوں دریاؤں کی قیامت تک یہی حالت رہے گی۔ ایسا زبردست دعویٰ بھی خدا تعالیٰ ہی کیطرف سے ہو سکتا ہے۔

یا مظہر العجائب والغرائب

نور قلبی بنور معرفتک ارنی عجائب قدرتک

باب التسع لی حقائق العلوم ودقائقہا

اُن آیتوں کا بیان جن میں بعض علوم عقلیہ کے اصول اور اُس کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علوم کے ضابطہ اور اصول کا بیان کرنا ایک ماہر اور اُستادِ فن کا کام ہے۔ جو الف با کو نہ جانتا ہو۔ اُس کی زبان سے ایسے قاعدوں کا ظاہر ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔ خدا سے فیض پاکر کہہ رہا ہے۔ ایسے اصول اور ضابطوں میں سے ایک ضابطہ یہ ہے۔

(پ ۲ ع ۱۶) اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰہُ عَلَیْکُمْ وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۔ طالوت کو دوسرے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حکومت اور سلطنت کیلئے اس لئے منتخب کیا ہے۔ کہ اس میں علم سیاست اور جسمانی قوت زیادہ ہے۔ یعنی ملک اور حکومت وراثت میں حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر اس طرح مل بھی جائے۔ تو دیر تک اس کے پاس نہیں ٹھہرا کرتی۔ سلطنت کیلئے دو

چیزوں کی ضرورت ہے۔ ملکی سیاست اور حکمرانی کے اصولوں سے واقفیت
اور ان کا اجرا دوسرے دلیری کیساتھ دشمن کے مدافعت کی قوت ہونا
جس حکومت میں ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز جاتی رہتی ہے۔ اس
سلطنت کا زوال اور انحطاط بھی ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

درحقیقت جہانبانی کا راز انہی دو باتوں میں پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے۔
ایک امّی کملی پوش کی زبان سے حکمرانی کے ایسے اصول کا ظاہر ہونا خدائی
تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(۷/۹) فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ پ۹ ع۱۶
گردن پر اور ... پر مارو۔

علم تشریح سے واقف جانتے ہیں۔ کہ گردن میں بعض رگیں ایسی ہیں کہ
اگر ان پر زور سے کوئی چیز مار دی جائے۔ تو آدمی زندہ نہیں رہتا۔ اور جوڑوں
پر مارنیسے آدمی کے ہاتھ پاؤں بالکل بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کام کرنیکے
لائق نہیں رہتا۔

بنوٹ کے فن میں انہی دو جگہوں پر مارنیکی مشق کرائی جاتی ہے۔ اور یہی اس
فن کا بنیادی پتھر ہے۔

حضرت محمد صلعم کا علم تشریح اور بنوٹ کے فن سے واقف ہونیکے باوجود
ایسا ضابطہ پیش کرنا تائید الٰہی کے بغیر نہیں ہے۔

(۱۵/۱۸) وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۔ وہ اپنے
غار میں ۳۰۰ سال رہے۔ اور اس پر ۹ سال زیادہ کیے۔ ثلثمائۃ و تسع (۳۰۹)

سِنِیْنَ نہ کہا۔ بلکہ ۹ کے عدد کو ۳ سو سے الگ کرکے بیان کیا۔ ۹ کو علیحدہ ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اصحاب کہف کو اپنے گڑھے میں پڑے ہوئے اسوقت ۳ سو سال شمسی اور ۳۰۹ قمری ہوئے تھے یعنی شمسی اور قمری سالوں میں ۳ سو برس کے اندر ۹ سال کا فرق ہوا۔ جب ۳ سو برس کا فرق معلوم ہو گیا۔ تو ایک سال کا فرق بھی اربعہ متناسبہ کے ذریعہ سے دریافت ہو سکتا ہے۔ بلکہ چاند اور سورج کی یومیہ رفتار کا اندازہ اور دونوں کی حرکتوں کا باہمی تفاوت بھی ظاہر ہو جائیگا۔ اور دونوں سالوں میں جو فرق ۳ سو سال کا قرآن عزیز میں کیا گیا ہے۔ علم ہیئت کے جاننے والوں کے نزدیک یہی نکلتا ہے۔

ایک ان پڑھ آدمی کی زبان سے ایسے مشکل علم کے اصول اور قواعد کا ظاہر ہونا خدائی تعلیم کے بغیر ناممکن ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مُطَّلِعًا عَلٰی دَقَائِقِ الْقُرْاٰنِ۔

بابُ العلم بالمعانیۃ مع کون الصحابۃ من لم یتبعہ لغرض او شبہۃ فی امرہ

رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے والے صحابہ کی جماعت کسی دنیوی لالچ اور مال و دولت کی طمع میں آپ کیساتھ نہیں لگی تھی۔ اور نہ وہ فریب خوردہ

اور دھوکے میں پڑی ہوئی جماعت تھی۔ بلکہ روحانیت اور سچائی جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ وہ اُن کا ہر جگہ لحاظ رکھتے۔ اور ہر موقع پر اُسکو دیکھتے تھے۔ اگر کسی بات میں اشتباہ نظر آتا۔ اور وہ صاف طور پر ظاہر ہوتی۔ تو فوراً سوال کرتے۔ اور جبتک پوری تسلی نہ ہو جاتی۔ خاموش نہ ہوتے تھے اس روحانیت کے بدلے میں جان ومال عزت آبرو سب کچھ قربان کرتے تھے۔

جو باتیں اُن کے سامنے پیش کی گئیں تھیں۔ اگر وہ صحیح نہ ہوتیں۔ تو وہ ہر قسم کی تکلیف اُٹھانے کیواسطے کبھی تیار نہ ہوتے۔ بلکہ اعتراضات کرتے اور اسلام کو جھوٹا بتاتے۔ اسلیئے جو باتیں مافوق الفطرت اور معجزے کے طور پر صحابہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ وہ یقیناً ظہور میں آئیں تھیں۔ اگر وہ غلط اور جھوٹ ہوتیں تو قرآن میں کبھی ذکر نہ کیا جاتا۔ اور نہ صحابہ اپنی جان ومال کا بیفایدہ نقصان کرنے کیلیئے تیار ہوتے۔

صحابہ کا ان واقعات کے ذکر پر خاموش رہنا۔ اور بغیر کسی دنیوی فایدے کے ہر قسم کی قربانی کرنا ان واقعات کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایسے واقعات اور معجزات کا ظاہر ہونا۔ قرآن عزیز کے کلام الہی ہونیکا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے۔

(۱۹۹) مسلمان بدر کی لڑائی میں پہلے ہی کمزور تھے۔ جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ کرز[لہ] بن جابر مشرکین کی مدد کیلیئے آرہا ہے۔ تو مسلمانوں کو سخت تشویش اور پریشانی لاحق ہوئی۔ اللہ تعالی نے اُن کے فکر کو دور کرنے کیلیئے قرآن میں

لہ رواہ ابن کثیر عن الشعبی

مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا۔ اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزَلِیْنَ۔ ترجمہ۔ کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار ۳ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا۔

ربیع بن انس سے روایت ہے۔ کہ فرشتے شروع میں ایک ہزار تھے پھر ۳ ہزار سے ۵ ہزار تک ہوگئے۔

فرشتوں کی آمد انسانی شکل میں تھی۔ ابلق گھوڑوں پر سوار زرد اور سفید پگڑی باندھے ہوئے تھے۔

مسلمانوں نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے اس وضع میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے زرد عمامے والے [illegible] سے لڑتے ہوئے دیکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ فرشتے بدر کی لڑائی میں سفید لباس پہنے ہوئے ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ابن عباسؓ فرشتوں کے عمامے سیاہ اور سفید بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے بدر کے دن لوگوں کو دکھایا۔ کہ جبرئیل علیہ السلام ہتھیار بند گھوڑے پر سوار جنگ میں شریک ہیں۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انصاری مشرک کو قتل کرنے کیلئے اُس کیطرف دوڑے۔ [illegible] ایک غیبی سوار اپنے گھوڑے کو ہنکاتے ہوئے پہنچ گیا۔ اور اس نے انصاری کے پہنچنے سے پہلے اس کو مار ڈالا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض مسلمان کی تلوار کافر کی گردن تک نہیں پہنچتی تھی۔ کہ اس کا سر تن سے جدا ہوجاتی۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ فرشتوں نے بعض کافروں کو پکڑ کر مسلمانوں

کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اور خود غایب ہو گئے۔ اسیطرح تمام صحابہ نے فرشتوں کی امداد کو بچشم خود دیکھا۔ اگر فرشتوں کے جنگ میں شریک ہونیکی خبر غلط ہوتی تو صحابہ کبھی خاموش رہنے والے نہیں تھے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے پاس اس جنگ میں دو گھوڑے تھے۔ اگر فرشتے نہ تھے۔ تو سینکڑوں گھوڑے سوار کہاں سے آگئے تھے۔ اور پھر جنگ کے ختم ہوتے ہی کہاں غایب ہو گئے۔ اجنبی سواروں کا کافروں کو قتل کرنا۔ اور انکو پکڑ کر مسلمانوں کے سپرد کرنا اور پھر اپنے آپ دفعتہً غایب ہو جانا۔ اور صحابہ کا کھلم کھلا اُن کو لڑتے ہوئے دیکھنا یہ سب باتیں کبھی دہوکا اور فریب نہیں ہو سکتیں۔

قرآن عزیز کے وعدہ کے موافق غیبی امداد کا آنا۔ اُس کے کلام الٰہی ہونیکی زبردست دلیل ہے۔

(۶) قرآن شریف ۲۳ سال میں مکمل ہوا۔ اس عرصہ میں دو دو چار چار آیتیں نازل ہوتی رہیں۔ مگر قرآن عزیز کا نزول کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ سب کے سامنے وہ نازل ہوتا۔ اور ہر آدمی اُس کے نازل ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

خدا کے فرشتہ جبرئیل جو وحی لانے پر مامور تھے۔ کبھی انسانی شکل میں خدا کا پیغام لاتے تھے۔ اسوقت تمام اہل مجلس اُنکو دیکھتے۔ اور وحی کے الفاظ اپنے کانوں سے سُنتے تھے۔ اور جب حضور کی خدمت سے اُٹھ کر جاتے۔ تو دروازہ تک راستہ ہی میں غایب ہو جاتے۔ ابوہریرہ صحابی سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ کی خدمت میں ایک اجنبی شخص نظر آیا۔ جو بظاہر کا ڈنکا رہنے والا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا۔ ایمان اور اسلام کی

حقیقت دریافت کر کے چلا گیا۔ ابھی دروازہ تک بھی نہیں پہونچا تھا۔ کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے۔ جو تمہیں اسلام اور ایمان کے معنی سمجھانے کے لئے آئے تھے۔ یہ سنتے ہی ابوہریرہ ان کے پیچھے دوڑے اور دور تک تلاش کیا مگر ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ انکو یقین ہو گیا۔ کہ بیشک یہ خدا کا فرشتہ تھا۔ جو چشم زدن میں غائب ہو گیا۔ اور کبھی جبرئیل علیہ اسلام نظر نہیں آتے تھے۔ البتہ ایک آواز مکھی کی بھنبھناہٹ کیطرح سنائی دیتی تھی۔ اور حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھنے سے الفاظ بھی سمجھ میں آتے تھے۔ اسیطرح کی وحی آنیکے وقت پیغمبر خدا صلعم کے چہرہ انور پر تغیر کے آثار ظاہر ہونے اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ پر کسی وزنی چیز کا دباؤ پڑ رہا ہے۔ اور بسا اوقات سخت سردیوں میں آپ کی پیشانی مبارک عرق آلود ہو جاتی تھی۔ یہ حالت کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ بلکہ ہر شخص اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم نے وحی نازل ہونے کے وقت سخت سردی میں پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔

ایک شخص حج کے دنوں میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں رسول اللہ صلعم پر وحی نازل ہوتی ہوئی دیکھنی چاہتا ہوں حضرت عمر نے جواب دیا کہ بہت اچھا جب وحی

نازل ہوگی تو اطلاع دی جائیگی۔ تھوڑی دیر کے بعد وحی کے آثار چہرہ پر ظاہر ہونے لگے حضرت عمرؓ نے اس شخص کو بلا کر رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھا دیا اس شخص کا بیان ہے۔ کہ آپ کی آواز اسوقت اسطرح نکل رہی تھی۔ جیسا کہ سونے والا آدمی خراٹے لیتا یا ایک جوان اونٹ سفر سے تھک کر ہانپتا ہے۔ اور جب وحی ختم ہوگئی تو آپ اصلی حالت میں آگئے۔ زید بن ثابتؓ انصاری فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلعم بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اپنی ٹانگ میری ران پر دراز کر رکھی تھی۔ کہ اچانک وحی نازل ہونے لگی۔ زید کہتے ہیں۔ کہ وحی نازل ہونے کا اتنا زور پڑا کہ مجھے ران کی ہڈی ٹوٹنے کا ڈر ہوگیا۔

ایک روایت میں ہے۔ کہ جب اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں آپ پر وحی نازل ہوجاتی۔ تو آپ کی جوان اونٹنی ایک قدم آگے نہیں چل سکتی تھی۔ ان حالات کا موجودگی میں قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔

(۱۴۶) کعب بن مالک انصاری غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے منافقین بھی اس جنگ میں مسلمانوں کیساتھ شریک نہیں ہوئے تھے۔

جب رسول اللہ صلعم ۲ مہینہ بعد اس سفر سے واپس آئے۔ تو منافقین نے جھوٹے عذرات بیان کر کے پیغمبر خدا صلعم کو خوش کر لیا۔ مگر کعب بن

مالک نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ
اگر میں اسوقت کسی دنیا دار آدمی کے سامنے ہوتا۔ تو چرب زبانی اور اپنی
چالاکی سے اُسکو خوش کر لیتا۔ اور اصل حقیقت کو اس پر ظاہر نہ ہونے دیتا۔
لیکن میں یہ سمجھتا ہوں۔ کہ اگر میں نے جھوٹ بول کر آپ کو تھوڑی دیر
کیواسطے خوش کر لیا۔ تو خدا تعالیٰ آپ کو اصل حقیقت سے مطلع کر کے
پھر مجھ سے ناراض کر دیگا۔ اس لیے آپ کے سامنے سچ بولنا جھوٹ سے زیادہ
بہتر ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے معافی کی اُمید بھی
ہوسکتی ہے۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ محض سستی کیوجہ سے
شریک نہیں ہوا۔ ورنہ مجھے ہر طرح کی طاقت اور جنگ میں شریک ہونیکی
قوت حاصل تھی۔ اگرچہ اس سچ بات پر رسول اللہ صلعم اُنسے ناراض ہوگئے۔ اور
تمام مسلمانوں نے ۵۰ دن تک اُنکو چھوڑے رکھا۔ مگر بعد میں اُن کے سچ
کی مدح اور منافقین کے جھوٹ کی مذمت اور برائی قرآن میں بیان کیگئی۔
کعب کا سچ بول کر رسول اللہ کو ناراض کر لینا اور وحی الٰہی کے ڈر سے جھوٹ
نہ بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونیکا پختہ یقین
ہوچکا تھا جب ایک کثیر جماعت قرآن عزیز کے وحی الٰہی ہونیکا اقرار کرتی
ہے۔ تو اب اس کو نہ ماننا متواترات سے انکار کرنا ہے۔

(۲۰۲) وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ
يُقَلِّلُكُمْ فِيْ اَعْيُنِهِمْ ت (۱) اع۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کو
تمہاری نظر میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ اور شروع میں تمہیں ان کی آنکھوں

میں تھوڑا دکھایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص سے جو لڑائی کے میدان میں اُن کے پاس کھڑا تھا۔ کافروں کے لشکر کو دیکھکر کہا۔ کہ کفار مجھے ۷۰ نظر آتے ہیں۔ اس نے جوابدیا۔ کہ ہاں ۱۰۰ معلوم ہوتے ہیں۔ اتّفاق سے ایک کافر کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔ اس سے جو پوچھا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ اُن کی تعداد ایکہزار ہے۔ اسی طرح جنگ شروع ہونیسے پہلے مسلمان کافروں کو تھوڑے نظر آتے تھے۔ ابوجہل نے مسلمانوں کو جنگ شروع ہونیسے پہلے دیکھ کر کہا۔ کہ یہ تو ہمارے اونٹوں کا چارا ہیں۔ مگر لڑائی چھڑ جانے کے بعد مسلمان دو ہزار نظر آتے تھے۔

نظر میں غلطی ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں ہوتی۔ کہ جس سے سینکڑوں کا فرق پڑجائے۔ اتنا تفاوت تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جبکہ بہت سے آدمی نظر نہ آئیں۔ یا سینکڑوں زیادہ کرکے دکھادیئے جائیں۔ اور یہ خدائی طاقت کے سوا غیر ممکن ہے۔

(۵ سورہ) اَقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۲۷ ع ۸۔ قیامت قریب ہوگئی اور چاند پھٹ چکا ہے۔ اگرچہ انشقاق قمر کا واقعہ تواتر کے درجہ تک پہونچا ہوا ہے۔ اور اُس پر دور دراز ملکوں کی شہادتیں موجود ہیں اور یہ بات بھی مشہور ہے۔ کہ اس معجزے کے ظاہر ہونیکے بعد کفارِ مکہ نے آنیوالے مسافروں سے اس کے متعلق سوال کیا ہے۔ تو سب نے چاند کا پھٹ جانیکا اقرار کیا۔ جس سے اہل مکہ کو یقین ہوگیا۔ کہ یہ کوئی شعبدہ اور نظربندی

نہیں تھی۔ مگر ہم اس واقعہ پر ان چیزوں سے استدلال نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا استدلال اس حیثیت سے ہے۔ کہ اس زمانہ میں قرآن کی کوئی آیت کسی سے چھپا کر نہیں رکھی گئی۔ اور یہ آیت بھی قرآن مجید ہی کی ہے۔ تمام صحابہ اسکو پڑھتے۔ اور مخالفین اُس کو سنتے تھے۔ یا کم از کم اسلام لانیکے بعد اُن کو اس آیت کے ہونیکا علم ضرور ہوتا تھا۔ اگر یہ واقعہ ظہور میں نہ آیا ہوتا۔ اور قرآن میں جھوٹ لکھدیا جاتا۔ تو سب سے پہلے مسلمان ہی اعتراض کرتے۔ اور اسلام کی سچائی کے کبھی قائل نہ ہوتے۔ اس کے علاوہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین چین سے نہ بیٹھنے دیتے۔ اور پیغمبر خدا صلعم کو جھوٹا بتاتے۔ مگر ایک معمولی سے معمولی شہادت بھی ایسی موجود نہیں ہے۔ جسمیں اس آیت کے قرآن میں ذکر کرنے پر اعتراض ہو۔ یا قرآن عزیز یا نبی کریم صلعم کو اس آیت کی وجہ سے کسی نے جھوٹا کہا ہو۔ اس زمانہ کے لوگونکا سکوت ہی اس واقعہ کے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ آسمان پر کسی ساحر کا سحر نہیں چلا کرتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں آجتک کسی جادوگر کا سحر آسمان پر چلتا ہوا نہیں سنا گیا جب سحر نہیں تھا۔ تو یقیناً یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو محمد عربی صلعم کے ہاتھوں ظاہر کرایا گیا۔ اس لیئے خدا کا رسول بھی سچا اور اسپر جو کتاب نازل ہوئی۔ وہ بھی سچی ہے۔

(۱۳۰) لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ۲ ع۔ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔

کہ انمیں ایک ایسا رسول بھیجا۔ جو انکو گمراہی سے نکالنے کیلئے خدا کی آئتیں پڑھکر سناتا ہے۔ اور اُن کے دلوں کو بداخلاقیوں سے پاک کرتا ہے۔ قرآن اور سنت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نے جو چیز دُنیا کے سامنے پیش کی۔ اُسکے مقابلہ میں اُنسے جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی مانگی وہ یہی تھی۔ کہ بداخلاقیوں اور نفسانی امراض کو دور کرنا خدا سے تعلق اور لگاؤ پیدا کرنا ہے۔ اعمال کی اصلاح اور علم صحیح عطا کرنا۔ تیسرے قسم کی قربانی دیکر روحانیت کے حاصل کرنیکا سودا نہائیت گراں اور قیمتی سودا تھا۔ اگر اسمیں فوری کامیابی نظر نہ آتی۔ تو ایک آدمی بھی اس معاملہ کے کرنے پر تیار نہ ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص دہوکے سے اُسپر آمادہ ہو جاتا۔ تو وہ دیرتک ہرگز قائم نہ رہتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کیساتھ لگنے والوں نے اسی روحانیت کے پیچھے گھر بار چھوڑا۔ اپنی ہاتھوں سے خویش و اقربا ذبح کئے۔ جانیں لڑائیں مال و دولت خرچ کی۔ دُنیا سے بے تعلق ہو کر زندگی بسر کرنیکی عادت ڈالی۔ اس قسم کی قربانیاں کرنا بتا رہا ہے۔ کہ اسلام نے جب روحانیت کو اُن کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہ اُسکی ہدایات پر چلنے اور قرآنی تعلیم کی پابندی کرنیسے اُنکو نصیب ہو گئی تھی۔ اسکے علاوہ دنیا جانتی ہے۔ کہ جس قوم کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کیگئی۔ وہ ایک جاہل بیرحم غارتگر لوٹ کھسوٹ کرنیوالی جوئے باز زانی اور سودخوار جماعت تھی۔ اسلام قبول کرکے اسکی تعلیم پر پابند ہونیکے بعد راست گفتار اور درست کردار بنگئے۔ علوم و فنون کے وہ نکتے اور باریکیاں پیش کیں۔ کہ دنیا محو حیرت رہگئی۔ اور اُنکا قول و فعل دنیا کیواسطے عمل کا نمونہ بنگیا۔ بکریوں کے چرانے والے گڈریوں نے جہانبانی کے اصول پیش کئے۔ عدل و انصاف کا ڈنکا بجایا۔ ساری برکتیں اس تعلیم ہی کی تہیں جسنے اُنکو ذلت کی گڑھے سے نکالکر عزت کے مسند پر بٹھایا۔ اور پستی سے اُٹھاکر رفعت اور بلندی تک پہونچایا۔ حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں خوب کہا ہے ؎

وہ دین جسنے اعداء کو اخواں بنایا | وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوار دوراں بنایا | گڈریونکو عالم کا سلطاں بنایا

وہ خط جو ڈہوروں کا تھا ایک گلہ
گراں کر دیا اُس کا عالم سے پلہ

جس تعلیم کی پابندی کا یہ اثر ہوا اسکے سچے ہونیں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اسلئے قرآن عزیز جب کے ذریعے

یہ تعلیم ظاہر کی گئی یقیناً سچی اور خدائی صحیفہ ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

باب شہادۃ الاعدام

قرآن عزیز کے نازل ہونیکے وقت مخالفین اسلام میں سے جن یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے قرآن کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ اور اُس کی رفعت شان کی شہادتیں دی ہیں۔ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ تاکہ ناظرین کو مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید کے زرّیں اصول پر قرآن شریف کی قدر و منزلت کا حال اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

(۱) جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کرنے اور رشتہ داروں کو دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ ظلم و ستم کرنے اور گناہ کے کاموں سے روکتا ہے۔ تو ابوجہل نے سُنکر جس کی ساری عمر اسلام کی دُشمنی اور رسول اللہؐ کیساتھ مخاصمت میں گذر گئی۔ یہ کہا۔ اِنَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ لَيَأْمُرُ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ خدا کی قسم محمد کا رب اُسکو اخلاق کی باتیں سکھاتا ہے۔

(۲) عمرو بن العاص مسلمان ہونے سے پہلے ایک وفد لیکر جھوٹے مدعی نبوت مسلیمہ کے پاس یمامہ پہونچا۔

مسلیمہ نے عمرو سے پوچھا۔ کہ آج کل محمد (صلعم) پر کونسی سورۃ نازل ہوئی ہے۔ عمرو بن عاص نے جوابدیا۔ کہ ایک مختصر مگر اعلیٰ درجہ کی فصیح و بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اور سورہ والعصر پڑھکر سنائی۔ مسلیمہ نے کچھ دیر سوچکر کہا کہ مجھ پر اسوقت اسیطرح کی سورۃ اُتری ہے۔ اور اُسنے یہ کہنا شروع کیا۔

یَا وِبْرُ یا وِبْرُ انما انت اُذُنَانِ وَصَدْر وسائرُکَ حفر نقر۔

اے پاخانہ اور گوبر کے کیڑے تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے۔ اور تیرے چلنے کی جگہ نکمی اور ذلیل ہے۔

اس کو ختم کر کے عمرو سے کہنے لگا۔ کہ یہ سورت تیرے خیال میں کیسی ہے عمرو نے جواب دیا۔ کہ خدا کی قسم تجھ کو بھی اس بات کا یقین ہے۔ کہ میں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اور تیرے اوپر خدا کا کوئی کلام نازل نہیں ہوتا۔

(۳) ولید بن مغیرہ ہمیشہ رسول اللہ صلعم سے استہزا کرتا اور اُن کا مذاق اُڑایا کرتا تھا۔

چونکہ اعلیٰ درجہ کا فصیح اور بلیغ آدمی تھا۔ اس لیئے اہل مکہ نے قرآن عزیز کے متعلق غور و خوض کرنے کیلئے اُس کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ اُسوقت رسول اللہ صلعم حٰم السجدۃ یا سورۃ نجم تلاوت فرما رہے تھے۔ اُس کو غور سے سُنا۔ اور اپنی قوم میں آکر یہ کہا۔ لقد

سَمِعْتُ مِنْ مُحَمَّدٍ آنِفًا كَلَامًا مَا هُوَ مِنْ كَلَامِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ فَاِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ الطَّلَاوَةَ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّهٗ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى - میں نے محمد (صلعم) کی زبان (مبارک) سے ایسا کلام سنا ہے - جو کسی انسان یا جن کا کلام معلوم نہیں ہوتا - یہ نہایت پُر رونق اور شیریں کلام ہے - یہ مثل اُس درخت کے ہے - جس کی شاخیں ثمر دار اور تنے سرسبز ہوں - یہ کلام اُونچا ہو کر رہیگا - اُس کو نیچا نہیں دکھایا جا سکتا - اس بات پر اہل مکہ میں مشہور ہو گیا - کہ ولید نے باپ دادے کا دین چھوڑ کر محمد (صلعم) کی غلامی اختیار کر لی -

(۴) عتبہ بن ربیعہ جو ایک زبان دان اور شیریں کلام آدمی تھا - ایک روز اہل مکہ نے اُس کو رسول خدا صلعم کی خدمت اقدس میں چار باتیں پیش کرنے کیلئے بھیجا -

عتبہ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی - کہ اگر آپ کو سرداری کی خواہش ہے - تو ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کئے لیتے ہیں - اور اگر آپ کو دولت کی تمنا ہے - تو بہت سامان ہم آپ کیلئے جمع کر دینگے - اگر عورتوں کی طرف رغبت ہے - تو نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائینگی - لیکن تم بتوں کی مذمت اور توحید کا وعظ کرنا چھوڑ دو - اور اگر دماغ صحیح نہیں رہا ہے - تو ہم اُس کا علاج کرائے دیتے ہیں - حضور نے فرمایا -

کہ ان میں سے کوئی سی بات بھی نہیں ہے۔ اور پھر سورۃ حٰم السجدہ پڑھنی شروع کردی۔ عتبہ پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔ اور حیرت زدہ ہوکر چلا گیا۔ اور اپنی قوم میں آکر یہ کہا۔ وَاللّٰہُ مَا ھُوَ بِکَاھِنٍ وَلَا سَاحِرٍ وَلَا مَجْنُوْنٍ اِنَّمَا ھُوَ اَعْقَلُ النَّاسِ وَاتْرُکُوْہُ عَلٰی حَالِہٖ اَنَّ لِکَلَامِہٖ شَاْنًا عَظِیْمًا۔ خدا کی قسم محمد (صلعم) نہ کاہن ہے۔ اور نہ جادوگر اور نہ وہ شاعر ہے۔ اور نہ دیوانہ و مجنوں۔ بلکہ وہ نہایت سمجھدار اور عقلمند آدمی ہے۔ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو۔ اس کے کلام کی شان نہایت بلند اور اونچی ہے۔

(۵) آپ کے چچا ابو طالب جو آخر دم تک ایمان نہیں لائے۔ اور کفر پر مرے۔ وہ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَدَعَوْتَنِیْ وَعَلِمْتُ اِنَّکَ نَاصِحِیْ ✦ وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَکُنْتَ ثَمَّ اَمِیْنًا

تو نے مجھے حق کی طرف بلایا حقیقت میں تو نے میری بڑی خیر خواہی کی۔ اور جو کچھ تو نے کہا سچ کہا۔ تو ہم میں امین تھا۔

اَظْھَرْتَ دِیْنًا قَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّہٗ ✦ مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیْنًا

تو نے ایک ایسا دین ظاہر کیا۔ جو دنیا کے تمام دینوں میں بہتر دین ہے۔

لَوْلَا الْمَلَامَۃُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّۃٍ ✦ لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاکَ مُبِیْنًا

اگر مجھے ملامت کا ڈر نہ ہوتا۔ تو مجھے اس دین کے قبول کرنے میں سب سے پیش پیش پاتا۔

(۶) نجران سے آئے ہوئے نصرانیوں کا وفد اور یہودیوں کی جماعت حضور کے مقابلہ میں مباہلہ اور جھوٹوں پر بددعا کرنے کے واسطے تیار نہ ہوئی

مگر ذلت اور رسوائی کو منظور کر لیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن عزیز میں جو اُن کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی۔ اُس کے بُرے نتیجے کا اُن کو یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ اس کو کلام الٰہی سمجھتے ہوئے اُس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

(۷) جب قرآن عزیز میں یہ آیت نازل ہوئی جسکا یہ مضمون ہے کہ اگر یہودیوں میں سے کوئی شخص بھی مسلمان نہ ہوا۔ تو سب کی صورتیں مسخ کر دی جائینگی۔ اُسی وقت عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار جو یہودی مذہب کے زبردست عالم تھے۔ فوراً مسلمان ہو گئے۔ اور یہ کہا۔ کہ ہم اپنی صورتوں کو مسخ کرانا نہیں چاہتے۔ اگر اُن کی نظر میں قرآن شریف خدا کا کلام نہ ہوتا۔ تو وہ اس بات کو ایک معمولی دھمکی سمجھ کر اُس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔

الحمد للہ رب العالمین ما کنت اہلاً لھذا۔

اِن ھو الا فضل مِن الرحمن الرحیم۔

اللھم اجعلنی تلاءِ للقرآن وبکاءِ علیہ وتوفنی مسلماً والحقنی بالصالحین واجعلہ لی اجراً وذخراً عندک یوم الدین وکفارۃ لذنوبی یا ارحم الراحمین رب اجعل مقام ناسہم فی جنات النعیم وانجح حاجاتھم فی الدنیا والاخرۃ۔

واعلم انی ما ذکرت وقائع اللاتی رآھا النبی صلی اللہ علیہ

وسلم وتتعلق به خاصته ولا ما یاتی منذ یومی هـ
الی قیام الساعة اولعدة الی یوم الحساب فی الی ان یکون فر
فی المحشر وفریق فی السعیر مع انها صادقة تدل علی صد
القرآن الکـ ـلا ریب فیها وانی لمن المصدقین۔

اللهم ارنی الحق حقا وارزقنی اتباعه
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آپ کی دعاؤں کا محتاج

محمد مسلم عثمانی

غفر اللہ ولوالدیہ